ماہنامہ
حنا
اکتوبر 2012
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

ناولٹ

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205، سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی ابن میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-373:U797 ای میل ایڈریس، monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! اکتوبر 2012ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

امریکہ میں بنی گستاخانہ فلم کے خلاف اہل ایمان کا احتجاج زوروں پر ہے، اسلام دشمن عناصر آقائے دو جہاں کی شان میں گستاخی کر کے اپنے ناپاک مقاصد کا حصول چاہتے ہیں، کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان واحد قوم ہے جو اپنے نبی پر جان قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں اور اسے اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں، ایک مسلمان ہر چیز برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے آقا کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا، جس دن مسلمانوں کے دل سے نبی کی محبت ختم ہو جائے گی اس دن اسلام ختم ہو جائے گا، اسی لئے ہر دور میں کوئی نہ کوئی ملعون شان رسالت میں گستاخی کر کے مسلمانوں کا امتحان لیتا رہا ہے اور اسے جواب دینے کے لئے ہر دور میں کوئی نہ کوئی غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید پیدا ہوتا رہا ہے، جو لوگ اس احتجاج کے خلاف ہیں ان سے ہمیں یہ کہنا ہے کہ کوئی اگر آپ کے ماں باپ کو گالی دے تو کیا آپ اس کو مارنے پر تیار نہیں ہو جاتے، یہ تو ہمارے آقا کا معاملہ ہے جن کی محبت ہمارے دل میں ہر شے سے زیادہ ہے، اب اس ملعون کو مار نہیں سکتے تو کیا زخمی قلب کے ساتھ احتجاج بھی نہ کریں، ہاں یہ سوال دوسرا ہے کہ اس احتجاج کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔

ہمارے خیال میں اس سلسلے میں تمام مسلمان ممالک کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جو ممالک گستاخان رسول کے خلاف کاروائی سے گریز کرتے ہیں ان کے ساتھ اپنے تعلقات پر نظر ثانی کی جائے اور ان کے ساتھ تجارت کو کم از کم سطح پر لایا جائے تا کہ ان کو مسلمان ممالک کے جذبات کا احساس ہو، اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم تمام مسلمانوں کو ان ممالک کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرنا چاہیے، ہمیں یقین ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو چند دن میں ہی ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔

اس شمارے میں:۔ عمران نذیر سے ملاقات، ہما عامر اور رمشا احمد کے مکمل ناول، سندس جبیں اور عروسہ وحید کے ناولٹ، سباس گل، عمارہ حامد، مہر گل، تحسین اختر اور کنول ریاض کے افسانے، فوزیہ غزل اور اُم مریم کے افسانوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

کرتا ہے اہل درد کی دل بستگی وہی
دیتا ہے ظلمتوں میں ہمیں روشنی وہی

اک صادق وا میں نے ہمیں جس کی دی خبر
ہاں ہاں وہی خدائے احد ہے وہی وہی

وہ بے نیاز یاد کسی کو ہو یا نہ ہو
اس بے نیاز کی ہے جہاں پروری وہی

وہ راہ مستقیم دکھاتا ہے خود ہمیں
کرتا ہے وہ دیدہ و دل کی کجی وہی

فطرت کی بار بار گواہی کے باوجود
ارباب کفر کی ہے خدا نارسی وہی

ہوتا ہے جس سے آفل و باقی میں امتیاز
مجھ کو عطا ہو میرے خدا روشنی وہی

جعفر بلوچ

مدینے کے سفر پر یوں تو لاکھوں لوگ جاتے ہیں
وہ خوش قسمت ہیں جن کو آپ در پر خود بلاتے ہیں

سعادت جن کو ملتی ہے درشہؐ پر حضوری کی
عقیدت سے نقوش ہے یہ وہ آنکھیں بچھاتے ہیں

ہمیں کیا ہو طلب دنیا کے تاجداروں سے
کہ جتنے نامور ہیں سر اسی در پر جھکاتے ہیں

نگاہوں میں سمائے کوئی منظر یہ کہاں ممکن
ان آنکھوں کو تو جلوے سبز گنبد ہی کے بھاتے ہیں

جہاں بھی منعقد ہوتی ہے محفل نعت کی ناصر
یقین ہے خود محمد مصطفیٰؐ تشریف لاتے ہیں

ناصر زیدی

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

ریا

محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ ''شرک اصغر'' کا ہے۔''

بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ شرک اصغر کا کیا مطلب ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''ریا، (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرنا۔)''

(معارف الحدیث، مسند احمد)

اخلاص وللہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کی طلب میں کرنا، جس طرح ایمان وتوحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے، اسی طرح ریا وشمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان وتوحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔''

(معارف الحدیث)

شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

''جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ وخیرات کیا اس نے شرک کیا۔''

(مسند احمد، معارف الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''آخری زمانے میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی ومسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینے میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکا کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ پیدا کروں گا جو ان میں سے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کر چھوڑے گا۔''

(جامع ترمذی)

غصہ

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ وہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔''

(مسند احمد، جامع ترمذی، معارف الحدیث)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ رضی تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص پی جائے غصہ کو، درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصے کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصے کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔''

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو لازم ہے کہ وہ خاموش ہو جائے۔

(عن ابن عباس)

وہ آدمی طاقت ور نہیں ہے جو لوگوں کو دباتا اور مغلوب کرتا ہو، بلکہ وہ آدمی طاقتور ہے جو اپنے نفس کو دبا سکتا اور مغلوب کر سکتا ہو۔

(عن ابی ہریرہ، معارف الحدیث)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے غصے کے گھونٹ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا گھونٹ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب غصہ آئے تو وضو کر لینا چاہیے۔

اگر کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھنے کی حالت میں غصہ آئے تو لیٹ جائے، غصے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے سے غصہ جاتا رہتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

غیبت

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''غیبت زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہے۔''

بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''(بات یہ ہے) کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ کی طرف سے نہیں ہو گی۔''

(معارف الحدیث، شعیب الایمان، البیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟''

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی کا ذکر کرنا، جو واقعہ اس میں موجود ہو اور اگر اس میں

وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے، (جو تم نے اس کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا) تو پھر یہ تو بہتان ہوا اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔"

(معارف الحدیث، حیوۃ المسلمین، صحیح مسلم)

خیانت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے تمہیں قابل اعتماد سمجھ کر اپنی امانت تمہارے پاس رکھی ہے، اس کی امانت واپس کر دو اور جو تم سے خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرو، بلکہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے دوسرے جائز طریقے اختیار کرو۔"

(ترمذی)

بدگمانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے آپ کو بدگمانیوں سے بچاؤ اس لئے کہ بدگمانی کے ساتھ جو بات کی جائے گی وہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہوگی۔"

اور دوسرے کے معاملات میں معلومات حاصل کرتے مت پھرو اور نہ ٹوہ میں لگو اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی کاٹ میں لگو اور اللہ کے بندے ... آپس میں بھائی بھائی بن کر زندگی گزارو۔"

(بخاری ومسلم)

حضرت ابوالعالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس بات کا حکم اور ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنے خادموں سے اپنے مال ومتاع کو مقفل رکھیں اور ان کو اگر استعمال کے لئے کچھ دیا جائے تو ناپ کر یا گن کر دیں (اس خیال سے) کہ کہیں ان کی عادت بگڑ نہ جائے یہ ہم میں سے کسی کو کوئی بدگمانی نہ ہو۔

(بخاری، ادب المفرد)

دوزخی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"

(معارف الحدیث، سنن ابی داؤد)

چغل خوری

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آ جائے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اس کے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔"

(مسند احمد، شعیب الایمان للبیہقی، معارف الحدیث)

جھوٹ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔"

(جامع ترمذی)

اور جامع ترمذی کی دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دن صحابہ اکرامؓ سے ارشاد فرمایا اور تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

"میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون ہیں؟"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا۔" روای کا بیان ہے کہ پہلے آپ ﷺ سہارا لگائے بیٹھے تھے، لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بار بار آپ ﷺ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے چاہا کاش اب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے، یعنی اس وقت آپ ﷺ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ﷺ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے اس لئے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ ﷺ خاموش ہو جائیں اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔"

(معارف الحدیث)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا تو اللہ نے ایسے آدمی کے لئے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔"

حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو، (اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لئے واجب اور جنت اس پر حرام ہوگی)"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"ہاں اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔"

(رواہ مسلم، معارف الحدیث)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے ہم کلام ہوگا نہ ان پر عنایت کی نظر کرے گا اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

ابو ذر غفاریؓ نے عرض کیا۔

"یہ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے، حضور ﷺ! یہ تین کون کون ہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا بیچنے والا۔"

(صحیح مسلم، معارف الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ

"جو کچھ سنے اسے بلا تحقیق بیان کرتا پھرے۔"

(صحیح مسلم، معارف الحدیث)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تا کہ اس کے ذریعے کسی مسلمان آدمی کا مال مار لے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہوں گے۔"

(صحیح بخاری، مسلم)

مصلحت آمیزی

ام کلثومؓ (بنت عقبہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور اچھا اثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔"

(بخاری ومسلم)

ایمان والوں کو رسوا کرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ ﷺ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا۔

"اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے۔ مسلمان بندوں کو ستانے اور ان کو عار دلانے سے اور شرمندہ کرنے سے اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا تو اللہ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کر رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔"

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"سب سے برا سودا اور سب سے بدترین سودوں میں خبیث سودا یہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی کی جائے اور ایک مسلمان کی حرمت کو ضائع کیا جائے۔"

(ابن ابی الدنیا، بیہقی)

بخل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"دھوکا باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔"

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

ہم دعوت لے کر گئے

ابن انشاء

ایک زمانے میں ہمارے ملک کے ایک مشہور صوفی بزرگ نے ایک روغن گیسو دراز ایجاد کیا تھا، جس کی تعریف نہ سنی تھی کہ ایک قطرہ اس کا ایک بلی پر گر گیا اور دیکھتے دیکھتے اس پر بالوں کی ایسی گھٹا چھائی کہ منہ سر چھپ گیا، اسی پر بس نہیں پاس ہی بوٹ پالش کا برش پڑا تھا، چند چھینٹے اس پر بھی پڑ گئے، اس کے بال جو بڑھنے لگے تو چھت کی خبر لانے لگے، اس کو استعمال کرنے میں بڑی احتیاط لازم تھی، ایک آدھ بار کسی نے ہتھیلی سے سر میں مل لیا اور اس کے بعد ہر روز ہتھیلی کی شیو کرانا لازم ہو گیا، اس کے لگانے کے لئے ربڑ کے دستانے پہننے کی ہدایت تھی، بال اس پر بھی اگ آتے تھے، لیکن اسے پھینکا جا سکتا تھا۔

بعض لوگوں کو شاید اس تعریف میں مبالغے کی بو آئے، لیکن ہم جب دیکھتے ہیں کہ ایسی گولیاں ایجاد ہو چکی ہیں، جن کے کھانے سے قد لمبا ہو سکتا ہے اور ایسے روغن نکل آئے ہیں، جن کے استعمال سے رنگ گورا اور بال کالے ہو جاتے ہیں تو قطعاً تعجب کی گنجائش نہیں رہتی، بال گھنگریالے بنانے والے تیل کا اشتہار ہم ایک مدت سے پڑھ رہے ہیں، لیکن اب ایک مضمون سے پتا چلا کہ فیشن بدل رہا ہے، اب خواتین نے بالوں کے بل نکالنے اور ان کو ٹکلے کی طرح سیدھا کرنے کے لئے بالوں پر استری کرانا شروع کر دیا ہے، یہ فیشن چلا تو ولایت سے تھا، لیکن اب یہاں بھی آ گیا ہے، کل جو ہم اپنا سوٹ استری کرانے کے لئے تاج پنجاب اپ ٹو ڈیٹ لانڈری رجسٹرڈ میں گئے تو ماسٹر اللہ دتہ نے کہا کہ۔

"جناب! آپ کے سوٹ کی باری کل آئے گی، آپ دیکھتے ہیں، کتنی خواتین انتظار کر رہی ہیں، پہلے ان کے بالوں پر استری کر لوں۔"

گویا ہمارے دیکھتے دیکھتے دھوبیوں کی چاندی ہو گئی اور ہیئر ڈریسر حضرات کا کاروبار چوپٹ ہوا، خیر امید کی جاتی ہے کہ اب لانڈریوں کا کاروبار اتنا بڑھے گا کہ ان صاحبوں کی اس میں کھپت ہو جائے گی، جہاں آپ نے گھر آ کر پوچھا کہ۔

”بیگم کہاں گئی ہیں؟“ بچوں نے بتایا کہ ذرا لانڈری تک گئی ہیں، ابھی آتی ہیں۔“

”ہیئر ڈریسروں کے روزگار پر فقط دھوبیوں کی طرف سے چوٹ نہیں پڑی، مالیوں کی طرف سے بھی پڑی ہے، کل ایک صاحبزادے ملنے آئے جن کے بالوں کی اوپری سطح ایک میدانی مسطح تھی اور سخ تھی کہ اس پر غالیچہ بچھا کر بیٹھ کر حقہ پینے کو جی چاہتا تھا، ہم نے پوچھا تو نہیں، لیکن ظاہر ہے وہ اپنے بالوں پر لان کی گھاس کاٹنے والی مشین چلوا کر آئے تھے، بعض لوگ سر کو استرے سے صفا چٹ کروانا بھی پسند کرتے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ پھر گھر میں آئینہ رکھنے کی حاجت نہیں ہوتی، اس پر ذرا سا تیل لگایا اور جس نے چاہا، جب ذرا گردن جھکالی اور (اپنی صورت) دیکھ لی۔

ایک صاحب نے یہ رجحان دیکھ کر صفا چٹ ہیر آئل کے نام سے اپنے تیل کا اشتہار دینا شروع کر دیا اور وہ خوب چل نکلا ہے، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا یہ وہی تیل ہے، جس سے جناب [illegible] کے سر پر شرطیہ بال اُگانے کی گارنٹی دیا کرتے تھے، چونکہ اشتہار کی عبارت میں کچھ تبدیلی کر دی گئی ہے، اس لئے نسخے میں تبدیلی کی قطعاً حاجت نہیں رہی، بات یہ ہے کہ دواؤں کا اتنا سارا اسٹاک کون ضائع کرے، عبارت بدلنا اس سے کہیں زیادہ سہل اور کم خرچ ہے، ترکیب استعمال کو البتہ مزید آسان بنا دیا گیا ہے، اس کی اشتہار میں پوری طرح وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

☆☆☆

ہمارے قصبوں کے پرانے ڈاکٹر بڑے جامع العلوم ہوتے تھے، دانت کے درد سے لے کر امراض چشم، امراض معدہ، امراض ناک، کان گلا (اضافت کے لئے معاف فرمائیے) حتیٰ کہ تپ دق اور کتے کے کاٹے کا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے، شہروں کی طرح نہیں کہ ہر ڈاکٹر کا علم بس اپنے شعبے تک محدود ہے، ہمیں کھانسی تھی اور معمولی تھی، لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر اطہر ماہر امراض چشم نے بھی دیکھتے ہی سر ہلا دیا کہ کھانسی کے ماہر کے پاس جاؤ، عینک لگوانی تھی تو ڈاکٹر سرور ماہر امراض معدہ ہماری کوئی مدد نہ کر سکے۔

ہمارے گھٹنے میں چوٹ آئی تو ہم قریب ترین دندان ساز کے پاس گئے، اس نے دیکھتے ہی دانت نکال دیے کہ میں تو گھٹنے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا، ہاں کہو تو تمہاری بتیسی کھڑے کھڑے نکال دوں اور تو اور شہر میں ہم نے مویشیوں اور آدمیوں کے جدا جدا ڈاکٹر دیکھے، دیہات میں ایسا کوئی امتیاز نہیں، بکری بیمار ہو تو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جاؤ، خود کو ملیریا ہو جائے تو سلوتری صاحب کے پاس چلے جاؤ، شہروں والے تو ہر بات میں باریکی دکھاتے ہیں، مین میخ نکالتے ہیں۔

ہمارے ڈاکٹر کو نہ سہی دوا سازوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ امراض کتنے بھی ہوں، ان کے لئے الگ الگ دوائیں بنانا خوامخواہ پریشان مریضوں کو اور پریشان کرنا ہے، یہ سچ ہے کہ ہمیں جب بھی مکسچر اور پڑیاں اور گولیاں دی گئی ہیں کہ فلاں وقت پیو، یہ اتنے گھنٹے بعد پھانکو اور گولی اس کے دس منٹ بعد نگلو تو ہمارا سارا حساب گڑبڑ ہو گیا اور ہم حسب توقع ان سب دواؤں کو ایک ہی وقت معدے یا نالی میں ڈالتے رہے۔

خیر ہم نے اوپر ایک دوا کا ذکر کیا ہے جسے گنجا لگائیں تو وہ دن میں یہ ماجرا ہو کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو جائے اور بالوں والے لگائیں تو آئینہ کو آئینہ دکھائیں، ایک اور دوا ہمارے ایک کرم فرما نے نکالی ہے جو ملیریا، تپ دق، پتہ، محرقہ سب کے لئے اکسیر ہے، آنکھ میں ڈالنے سے عینک چھوٹ جاتی ہے اور دانتوں پر لگائی جائے تو نئے دانت آ جاتے ہیں، ایک صاحب اس کی یوں توجیہہ کرتے ہیں کہ بینائی جاتی رہے تو عینک کی کہاں حاجت رہ جاتی ہے اور جب دانت ہی جھڑ جائیں تو دندان ساز کے ہاں سے نئے دانت کیوں نہ آئیں گے، خیر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ یہ قبض کو دور کرتی ہے اور اسہال میں مفید ہے۔

جوڑوں کا درد، کان کا درد، داد، چنبل، پھوڑے، ہچکی آنے، یرقان، بانجھ پن، اور دماغی کمزوری کا یہ حکیمی علاج ہے، اس کی ہمہ گیر افادیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ چارپائی پر چھڑکی جائے تو کھٹمل فوراً مر جاتے ہیں، ہاں کوئی بڑا جانور ہو، مثلاً آدمی تو اسے متواتر کئی خوراکیں لینی پڑیں گی، تب یہ کما حقہ اثر دکھائے گی۔

خاتون نے اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر کے پاس گئیں، ان سے دوائی لی اور باہر آ کر نالی میں پھینک دی، گھر پہنچنے تک وہ صحت یاب ہو چکی تھیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ڈاکٹروں کی دوائیں ایسی ہی سریع الاثر ہوتی ہیں، ہم نے خود ہمیشہ یہی کیا اور عموماً دو تین خوراکیں نالی میں پھینکنے سے کلی طور پر صحت یاب ہو گئے، ڈاکٹروں کے مطبوں کے باہر بڑی بڑی نالیاں اسی مقصد کے لئے ہوتی ہیں، لیکن بعض نو مشق مریض پھینکنے کے بجائے دوا گھر لے جاتے ہیں اور اسے پی لیتے ہیں اور پھر نقصان اٹھاتے ہیں۔

ابھی تو اس اتوار کو جب ہم نے اپنی نئی غزلیں سنانے کے لئے اپنے گھر پر مشاعرہ کیا، (کوئی اور اس کا اہتمام کرنے پر راضی نہ ہوا) تو ہم دعوت نامہ لے کر اپنے پڑوسی ڈاکٹر زبیری کے ہاں بھی گئے، وہ اس وقت مصروف تھے، لہٰذا ہم بھی ایک بینچ پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے، یکایک کسی نے ہماری آستین اٹھائی اور ہم نے سوئی کو تب دیکھا جب وہ ہمارے گوشت میں سے نکل رہی تھی، ہم نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب! میں تو یہ دعوت نامہ لے کر حاضر ہوا تھا، شام کو تشریف لائیے، ماحضر تناول فرمایئے اور تازہ کلام سنئے۔“

ڈاکٹر صاحب بولے۔

”ضرور حاضر ہوں گا، لیکن اس انجکشن کے تین روپے کمپونڈر کو دیتے جایئے گا اور خوراک میں کھٹی چیزوں بڑے گوشت اور چاولوں سے پرہیز لازم ہے، کل اسی وقت پھر آئیے گا اور مکسچر کے لئے خالی شیشی ساتھ لایئے گا۔“

عمران نذیر سے ملاقات

کاشف گوہر / اشفاق

عقاب کیطرح تیز نگاہ اور چیتے کی سی پھرتی لیکر جب وہ میدان میں اُترتا ہے تو دنیائے کرکٹ کے خطرناک باؤلر بھی تیز دھڑکنوں کے ساتھ اُس کا استقبال کرتے ہیں ۔ میدان میں شائقین کے بھرپور شور کے ساتھ اُترنے والے اس کھلاڑی کا تعلق ایک مڈل کلاس گھرانے سے ہے۔ جس نے محض سترہ سال کی عمر میں اپنے کرکٹ کیریر کا آغاز کیا۔ کرکٹ کی دنیا کے ٹائیگر عمران نذیر کسی تعارف کے محتاج نہیں اپنے چوکوں چھکوں سے مشہور اس بیٹسمین سے ملاقات قارئین حنا کے لیے اس ماہ کا خصوصی تحفہ ہے۔

☆ آپ نے اپنا پہلا میچ سترہ سال کی عمر میں کھیلا آپ کے خیال میں یہ بہت جلدی تھا؟ اور آپ اس کے لیے تیار تھے؟

◆ سترہ سال کی عمر کسی بھی انٹرنیشنل میچ کے لیے بہت تھوڑی ہے لیکن مجھے اپنے کھیل اور صلاحیتوں پر بھروسا تھا اس لیے اللہ پاک نے مجھے سترہ سال کی عمر میں نہ صرف کھیلنے کا موقع دیا بلکہ بہت عزت بھی

دی۔

میں نے دنیا کی مشہور ترین ٹیموں کے خلاف بہت اچھا کھیل کر پاکستان کا نام روشن کیا، کرکٹ کی اصطلاح میں مجھے ناتجربہ کار اور ناپختہ کہا جا رہا تھا لیکن یہ میری قدرتی صلاحیت تھی اور اللہ کا خاص کرم

تھا کہ میں کرکٹ کی دنیا میں اپنی بہترین کارکردگی سے پہچانا گیا۔

☆ کرکٹ کے ناقدین کا کہنا ہے کہ آپ کے کھیل میں تکنیکی خامیاں ہیں جن کا آپ کو بھی پتہ نہیں ہے؟

◆ میں آپ کی بات سے اتفاق نہیں کرتا مجھے کرکٹ کھیلتے ہوئے تیرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے وقت کے ساتھ ساتھ میرے کھیل میں پختگی آئی ہے اور میری تکنیک بہت بہتر ہو چکی ہے۔

☆ آپ نے لاہور میں ہونے والے اپنے پہلے ٹیسٹ میچ سری لنکا کے خلاف 64 رنز بنائے تھے 17 سال کی عمر میں کھیلی جانے والی اس اننگز کے بارے میں کچھ بتائیں؟

◆ (مسکراتے ہوئے) مجھے یہ عزت 17 سال کی عمر میں ملی اور میں نے اپنے ملک کو انٹرنیشنل سطح پر ری پریزنٹ کیا۔ میں نے تیز رفتار 64 رنز 87 گیندوں پر بنائے۔ میں یہ محسوس کرتا تھا کہ مجھے پیدا ہی ٹیسٹ میچوں کے لیے کیا گیا ہے۔

☆ آپ کے خیال میں کیا وجہ ہے کہ اتنی بہتر پرفامنس کے باوجود آپ پاکستان کے لیے صرف 8 ٹیسٹ میچ ہی کیوں کھیل پائے؟

◆ میں نے پہلی اننگز کی نصف سینچری کے علاوہ دو سینچریاں بھی ان 8 ٹیسٹ میچوں میں بنائیں

حالات میرے حق میں نہ تھے اور پتہ نہیں کیوں مجھے
ٹیسٹ میچوں کا کھلاڑی نہ سمجھا گیا اور مجھے ٹیسٹ
میچوں کے لیے ممنوع قرار دیا گیا۔

☆ آپ اپنی کس اننگز کو یادگار قرار دیتے ہیں؟

◆ سال 2000 میں برج ٹاون میں ویسٹ انڈیز
کے خلاف 131 رنز میری زندگی کی یادگار اننگز
ہے۔ یاد رہے اُس وقت ویسٹ انڈیز باولنگ لائن
اپ میں کورٹنی والش اور کرٹلی امبروز جیسے خطرناک
ترین باولر شامل تھے۔

☆ آپ کے خیال میں دنیا کا خطرناک ترین باولر
کون ہے؟

◆ بہت سارے ہیں جن میں میں سمجھتا ہوں کہ وقار
یونس اور وسیم اکرم سب سے زیادہ عزت کے قابل
ہیں۔

☆ آپ نے 79 ون ڈے بھی پاکستان کے لیے
کھیلے ہیں کیا وجہ ہے کہ آپ اپنی جگہ ٹیم میں نہ بنا
سکے؟

◆ میرا کام تو اچھی کرکٹ کھیلنا ہے اور وہ میں کھیلتا
رہوں گا باقی سلیکٹرز کا کام ہے کہ وہ مجھے سلیکٹ
کریں یا نہ کریں۔

☆ آپ نے بہت سارے کوچز کے ساتھ کام کیا
آپ کے خیال میں ٹیم کے لیے کوچ کا ہونا ضروری
ہے؟

◆ کوچ میدان سے باہر کھلاڑی کو سمجھا سکتا ہے ہے
لیکن میدان کے اندر کھلاڑی نے خود ہی پرفام کرنا
ہوتا ہے۔ کھلاڑی کو اُس کی غلطیوں کی نشان دہی
کے لیے کوچ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے میں
سمجھتا ہوں کہ ٹیم کے لیے کوچ کا ہونا ضروری ہے۔

☆ کیا وجہ ہے آپ کو صرف T-20 کا بہترین
کھلاڑی سمجھا جاتا ہے؟

◆ میرے اندر قدرتی ٹیلنٹ ہے اور میرے خیال
میں میں تینوں قسم کی کرکٹ کے لیے معاون ہوں۔

☆ اچھا 2007 کے ورلڈ کپ کی بات کرتے ہیں
جس کے ایک میچ میں آپ نے 121 گیندوں پر
160 رنز بنائے تھے؟

◆ 2007 کے ورلڈ کپ کے اُس میچ سے میرا
کانفیڈنس لیول بہت ہائی تھا اور اللہ کے فضل سے
اسی کانفیڈنس کی وجہ سے میری کارکردگی بھی خوب
رہی۔ کچھ ہے تو میں کرکٹ کے ناقدین کو اتنا ہی
کہتا ہوں کہ گیم میں پختگی وقت کے ساتھ آتی ہے
اور میں الحمدللہ دنیا کی ہر ٹیم کے خلاف کرکٹ کھیل
سکتا ہوں۔

☆ اس کے ساتھ ہی ہماری عمران نذیر سے ملاقات
ختم ہوئی۔

☆☆☆

بچپن کی وہ امیری نجانے کہاں کھو گئی جب پانی میں ہمارے بھی جہاز چلا کرتے ہیں سعدیہ نے بچوں کو کاغذ کی کشتیاں اور جہاز بناتے دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

''سب جہاز چلا نہیں کرتے کچھ ڈوب بھی جاتے ہیں پانی میں۔''

''ہمارے جہاز تو اب بھی پانی میں ہیں، ہاں پانی میں ہی تو ڈوبتے ہیں جہاز۔'' سعدیہ نے اپنی بھابھی انیلہ کی بات کے جواب میں کہا۔

''خواہ نوح کی کشتی ہو یا ٹائیٹنک جیسا بڑا قیمتی اور ہر سہولت سے آراستہ جہاز ہو۔''

''وہ جہاز نہیں تھا رنگین خوابوں کا ایک پرتعیش جزیرہ تھا، جس کی تیاری میں تین ہزار ہنر کار، تین سال تک لگے رہے۔''

''ہاں بھابھی جان! آٹھ سو 83 فٹ لمبا اور گیارہ منزلہ عمارت جیسا بلند 46000 ٹن وزنی اس جہاز میں روزانہ 825 ٹن کوئلہ جلتا تھا، گرم پانی کا سوئمنگ پول بھی تھا اس میں، ریستوران، قہوہ خانے، لائبریری، ان ڈور گیمز، جمنیزیم، اسٹورز، باربر شاپ اور جانے کیا کیا کچھ؟ اور ایک وائیٹ اسٹار کمپنی نے بڑے کروفر اور طمطراق سے اسے Unsinkable کا نام دیا تھا یعنی ایسا جہاز جو ڈوب نہیں سکتا، ہاہاہا۔'' سعدیہ نے بھابھی کی بات سن کر اپنی معلومات ان تک پہنچائیں۔

''واؤ۔'' انیلہ بھابھی نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

''مگر تھا تو ایک جہاز ہی نا اور جہاز ڈوبنے پر آئے تو ایک چھوٹے سے سوراخ سے ڈوب جاتا ہے، چھوٹا سا سوراخ بہت بڑے جہاز کو ڈبو دیتا ہے، سمندر کی تہہ میں اتار دیتا ہے اور سمندر نگل جاتا ہے جہاز کو، زندگیوں کو، خوابوں کو، خواہشوں کو۔'' سعدیہ سنجیدہ اور کرب آمیز لہجے میں گویا ہوئی تو انیلہ بھابھی اس کے درد کو سمجھتے ہوئے بولیں تو صرف یہ کہ۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''مجھے یاد ہے بچپن میں ہم کاغذ کے بحری جہاز بنا بنا کر پانی کے ٹب یا تسلے میں چلایا کرتے تھے، وہ چھوٹا سا ٹب ہی ہمارے جہاز اور کشتی کا سمندر ہوتا تھا اور اسی میں تیرتے تیرتے آخر کو وہ جہاز ڈوب جاتے تھے اور ہم پھر سے کاپی سے ورق پھاڑ پھاڑ کر نئے بحری جہاز اور کشتی بنانے میں جت جاتے تھے، مگر زندگی کا جہاز ایسا ہے جس کو بنانا اور چلانا اوپر والے کے ہاتھ میں ہے، زندگی کے جہاز کا پائلٹ اوپر بیٹھا ہے، ہم نے ذرا سی غلطی کی جہاز ڈگمگانے لگا، احتیاط نہ برتی، سنبھلے نہیں تو جہاز گیا ڈوب، پھر رہے بیٹھے کف افسوس ملتے آہیں بھرتے، آنسو بہاتے، شادی شدہ زندگی بھی وہ جہاز ہے جو امتحانات کے سمندر میں چلتا ہے، جہاں سازشوں، غلطیوں، مصلحتوں، غلط فہمیوں، بدگمانیوں، نفرتوں کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں اور اگر بادبان مضبوط نہ ہو تو جہاز ڈوب جاتا ہے، کشتی الٹ جاتی ہے۔''

سعدیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، اس کا جہاز تو اس بری طرح سے بیچ منجدھار میں پھنسا تھا کہ اسے سمجھ ہی نہیں آئی تھی کہ آخر اس کے ساتھ ہوا کیا ہے؟ اس کا جہاز تو بہت مضبوط اور محفوظ تھا پھر یکایک یہ سوراخ کیسے ہو گیا؟ کیوں ہو گیا؟ اور جہاز ڈوب بھی گیا، یکایک...... اور وہ صدمے سے چور حیرت زدہ اور ششدر رہی دیکھتی رہ گئی۔

ہوش تو تب آیا جب کسی نے یہ کہا کہ لو بھلا ابھی تو سال ہی ہوا تھا شادی کو اور اس نے راج پاٹ سنبھالنے کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے، اپنا آپ دکھانا شروع کر دیا، بھلا کوئی مرد اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں جمعہ جمعہ آٹھ دن کی آئی لڑکی پہ اعتبار کر سکتا ہے، نہ جی...... امجد نے تو چٹیا سے پکڑ کے تین بول بولے اور گھر سے نکال باہر کیا اور کہہ دیا کہ جاؤ بی بی! اپنے اماں باوا کے سر پہ ناچو ہمارے گھر میں مجرا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور سعدیہ بے چاری روح تک سے شرم سے نڈھال بے حال ہو گئی تھی، کیسے کیسے الزام اور تہمتیں دھری رہ گئیں تھیں اس معصوم لڑکی پر، جس نے اپنے دن رات امجد (شوہر) اور اس کے ماں باپ بھائیوں، بہنوں کی خدمت میں لگا دیئے تھے۔

صبح فجر کے وقت وہ بستر سے اٹھتی تو رات کے گیارہ بارہ بجے کمر بستر سے لگتی تھی اور ان لوگوں نے اسے دیوار سے لگا دیا تھا، ماں بہنیں امجد کو سعدیہ کے خلاف بھرتیں، جھوٹی سچی کہانیاں سناتیں اور امجد تھا ایک عام روایتی اور کانوں کا کچا، عقل کا پورا مرد وہ ماں بہنوں کے کہے پہ ایمان کی حد تک یقین رکھتا تھا اور پھر سعدیہ پر برستا تھا، سعدیہ اگر کبھی اپنی صفائی پیش کرنے کو منہ کھولتی تو اور بھی بری بنتی، منہ پھٹ، زبان دراز اور بدتمیز کے خطابات سے اسے نوازا جاتا، ہر مہینے کے آخر میں ایک بار ایسا لازمی ہوتا تھا سعدیہ بے چاری کو معافی مانگنا پڑتی اور ہر بار وہ یہ سوچ کر کام میں جت جاتی کہ اب کے بار پوری کوشش کرے گی کہ کسی کو کچھ اس کے خلاف نہ کہنا پڑے مگر صاحب وہ ساس نندیں ہی کیا جو بہو سے بیر نہ رکھیں، میکے کی ملکہ سعدیہ سسرال کی کنیز بن کر بھی سرخرو نہ ہوئی، اس پر بچے کی آمد کے آثار بھی نہ تھے

نغمانہ، امجد کی خالہ زاد تھی قصور سے آئی تھی، ماڈرن تھی اپنی اداؤں سے باتوں سے امجد کو قابو کر چکی تھی، امجد کی ماں نے اسے اور زیادہ شہہ دینا شروع کر دی، بس امجد کو ماں کی طرف سے حوصلہ افزائی ملی تو اس نے سعدیہ کو اپنی زندگی اور گھر سے بے دخل کرنے میں ایک منٹ بھی نہ لگایا، یہ صلہ دیا تھا اس نے سعدیہ کو اس کی محبتوں، خدمتوں اور ریاضتوں کا، آن کی آن میں سہاگن سے ابھاگن بنا دیا تھا، گھر سے بے گھر کر دیا تھا، مطلقہ کا داغ اس کی روشن اور پاکیزہ پیشانی پر لگا دیا تھا۔

☆☆☆

''آنی...... آنی دیکھیں نا، میرا جہاز پانی میں ڈوب گیا ہے۔'' سعدیہ کا بھتیجا یاسر اس نے پاس آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے بتا رہا تھا، وہ چونکتے ہوئے اپنے دکھوں کے سمندر سے باہر نکلی تھی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا میں آپ کو نیا جہاز بنا دوں گی۔'' سعدیہ نے یاسر کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا خود اس کے اپنے آنسو بہہ نکلے تھے، یاسر پوچھنے لگا۔

''آنی آپ کیوں رو رہی ہیں؟''

''میرا بھی جہاز ڈوب گیا ہے۔''

''تو آپ اپنے لئے بھی نیا جہاز بنا لو نا۔'' یاسر نے معصومیت سے مشورہ دیا تو اس کے لبوں پر دکھ بھرا بھیگا بھیگا سا تبسم بکھر گیا۔

''ہاں آپ کی آنی کے لئے اللہ پاک نیا جہاز ضرور بنا دیں گے اور ہاں سعدیہ تم بچوں کے کپڑے چینج کر دو دیکھو سارے پانی میں بھگو لئے ہیں۔'' انیلہ بھابھی نے تیزی سے ان دونوں سے کہا اور کچن کی طرف چلی گئیں اور جاتے جاتے سعدیہ کے پلو میں امید کی کرن باندھ گئیں تھیں اور یہ اس امید کی روشنی تھی یا اللہ پاک پر یقین جو وہ اپنے آنسو پونچھ کر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

◇◇◇ فوزیہ غزل ◇◇◇

اکیسویں قسط کا خلاصہ

اریبہ، وہاج کے سامنے شادی کا آپشن رکھتی ہے تو وہاج اسے خود غرضی اور مادہ پرستی کا طعنہ دیتے ہوئے انکار کر دیتا ہے۔

چین کے ثقافتی اور سیاحتی ویو سے لطف اندوز ہوتی ماریا بدھ مت کی تعلیمات اور گوتم بدھ کے گیان کی معلومات لینے لگ جاتی ہے۔

شہریار کے رویے و تعلق پر چڑ کر سعیہ مما سے بحث کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اس کی جلد رخصتی کے موڈ میں ہیں اور سعیہ کو یہ خبر سن کر خود پر زلزلہ سا گرتا محسوس ہوتا ہے۔

وہاج کا صاف انکار تلخ الفاظ اریبہ کو اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی اسے بیچ بھنور میں چکرانے کے لئے وہ اکیلا چھوڑ دے گا۔

ماریا بدھ مرکز جانے کے ساتھ مراقبہ کی مشقیں بھی انجام دینے لگتی ہے۔

سعیہ صبا سے اپنی ٹریجڈی کا اظہار کرتی ہے تو وہ شہریار سے بات کرنے کا وعدہ کر کے اسے ریلیکس ہونے کا مشورہ دیتی ہے۔

وہاج کے انکار سے ہرٹ ہونے کے باوجود اریبہ اسے برا بھلا نہیں کہہ پاتی بلکہ سب بھلا کر اپنی مدد آپ کے تحت کچھ بہتری لانے کا سوچتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بائیسویں قسط

چین کے جس ہوٹل میں ان کا قیام تھا اس ہوٹل میں مختلف ممالک کی ثقافت اور ان کے روایتی کھانوں کے حوالے سے کئی ریسٹورنٹ تھے اور کیتھرین کے وفد کے ارکان روایتی چینی میزبانی کا لطف حاصل کرتے جتنے خوش تھے، ہوٹل کی انتظامیہ اپنی خیر سگالی، پرخلوص کاوش، چینی پرشکوہ تہذیب وتمدن اور چینی میزبانوں کی اعلیٰ ظرفی کا پرچار کرنے میں اتنی کامیاب تھی۔

ماریا اکثر کھانے کے بعد ہوٹل کے اردگرد سرسبز درختوں سے گھرے باغ اور فٹ پاتھ پہ گھوما کرتی، چین کا سوشلزم کے زمانے کا جو نقشہ مغربی میڈیا نے بنا رکھا تھا وہ بالکل کافور ہوتا نظر آتا بلکہ چین نہ صرف مغربی طرز کا ترقی یافتہ اور مہذب ملک نظر آیا، بلکہ مغرب کی ترقی اور مشرق کی شرافت وثقافت کا حسین امتزاج یہاں دیکھنے کو ملا، عالی شان پلازوں اور عمارتوں کی بہت بڑی تعداد نظر آتی تھی، شاہی محلات کا لامتناہی سلسلہ بھی تھا۔

''ایسا نہیں لگتا کہ ان بلند وبالا پلازوں اور عمارتوں کا انداز تعمیر یکساں ہے۔'' کیتھرین پیچھے سے آکر اس کے ہمقدم ہوتی بولی۔

''بہت حد تک ایسا ہے مگر ان میں بنی عوام، درباریوں اور خواص کے استعمال کی چیزوں سے کچھ نہ کچھ مختلف احساس ہوتا ہے۔'' ماریا نے کہا۔

''اسے پہلے (Forbidden City) ممنوعہ شہر کہا جاتا تھا۔'' کیتھرین نے بتایا۔

''اچھا مگر اسے ممنوعہ شہر کیوں کہا گیا۔'' ماریا نے قدرے تحیر سے پوچھا۔

''چنگ، منگ، کنگ نام کے یہ وسیع وعریض محلات عام آدمی کے لئے شجر ممنوعہ تھے اندر سے یہ اتنے خوبصورت اور پتھروں کی فنکارانہ ترتیب سے ایسے اعلیٰ باغات بنائے گئے ہیں کہ پاس سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا۔''

''واؤ تمہیں کیسے پتا، تم نے تو شاید دیکھے نہیں۔''

''کل سیمینار سے واپسی پہ یونہی طبیعت فریش کرنے کو ہم ذرا دیر کو یہاں پہ رکتے گزرے ان عمارات میں خاص وعام درباروں، جیل خانوں، کتب خانوں، جھروکوں، پھانسی گھروں، طعام خانوں اور خواب گاہوں کے لامتناہی سلسلے ہیں جو مختلف راہ داریوں، باغات اور ان گنت سیڑھیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں، اگر ہم انہیں مکمل دیکھنا شروع کریں تو پورا مہینہ لگ جائے۔''

''سیر ہو رہی ہے یا کہیں جا رہی ہو۔'' تاشی جو ہیلتھ فوڈ سپر مارکیٹ جا رہی تھی شاید انہیں گھومتے دیکھ کر پوچھا۔

''ہوا خوری کو باہر نکلے ہیں تم سناؤ ملازمت پہ جا رہی ہو یا آ رہی ہو۔'' ماریا نے پوچھا۔

''نہ جا رہی ہوں نہ آ رہی ہوں بلکہ چھٹی کا لطف اٹھانے تمہاری طرف چلی آئی تھی، کیونکہ چین میں چھٹیاں بہت کم ہوتی ہیں اب چین کے عوامی جمہوریہ بننے کی سالگرہ کے موقع پر چار چھٹیاں ملیں تو سوچا انجوائے کیا جائے۔''

''اچھی بات ہے تو تم ماریا کو کمپنی دو مجھے بہت اہم لیکچر اٹینڈ کرنا ہے ایک تحقیقی سیمینار میں او کے گڈ بائے تم لوگ گھومو پھرو۔'' کیتھرین اپنے ساتھیوں کو آتے دیکھ کر انہیں الوداعی ہاتھ ہلاتی

مڑی۔

''پھر میں تو آج بدھ مرکز نہیں جا سکوں گی۔'' چھٹی کا سن کر ماریا نے مایوسی سے کہا۔

''نہیں مذہبی مراکز تھوڑی دیر کو کھلیں گے تم چلنا ویسے بھی تم تو تبت زبان سیکھ رہی ہو تمہیں طویل وظائف واوراد پہ مہارت حاصل کرنے کی خاطر اپنی کلاسز سنجیدگی سے لینی چاہئیں۔'' ماریا نے کچھ پرسوچ انداز میں اسے دیکھا تھا پھر وہ دونوں کافی دیر گھومتی باتیں کرتی رہیں یہ گفتگو مختلف مذاہب اور ان کے پیرکاروں کے گرد گھومتی تھی، بدھ ازم کا ذکر چھڑا اور جنسی تعلقات وخواہش سے سختی سے احتراز رکھنے والا یہ مذہب شادی کے متعلق کیا کہتا ہے تاشی بتا رہی تھی کہ۔

''بدھ ازم میں شادی کوئی مذہبی رسم نہیں 1935ء تک تھائی لینڈ میں پولی گائنی (کثرت ازدواج) کو تحفظ حاصل تھا سری لنکا میں تو پولی اینڈری یعنی ایک بیوی کے کئی شوہروں کا بھی رواج تھا۔''

یہ خبر ماریا کے لئے خاصے اچنبھے کا باعث تھی چونکہ وہ خود تبتی یا چینی رسم الخط اور زبان سے ناواقف تھی تو یہ معلومات اسے کتابوں سے ملنے کے بجائے تاشی سے لینا پڑتی تھیں اگرچہ بدھ مذہبی لٹریچر کا چینی زبان میں ترجمہ کیا گیا تھا مگر چینی بہت مشکل زبان تھی باوجود اس کے یہ دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے اسے سمجھنے بولنے والے چین سے نامحرم تھے۔

اس نے انگلش میں دستیاب بدھ مذہبی لٹریچر لینے کی جستجو کی تو یہ بھی نہ ہو سکا، پھر انہی دنوں بی بی سی سے ایک ڈاکومینٹری سیریز دیکھی، ''تبت میں ایک سال'' جس میں پولی اینڈری کا ایک دلچسپ کیس دکھایا جا رہا تھا، ایک سترہ سالہ لڑکی کے تین خاوند'' وہ کس وقت کس کی بیوی ہے اور کس وقت کون اس کا طلب گار ہے خدا کا پناہ۔''

اسے یاد آیا یہودی تاریخ میں غالباً سب سے بڑا حرم سلمان کا ہی تھا جس کی تین سو بیویاں تھیں، ایسا ابراہیم اور داؤد کے حرموں میں بھی تھا جبکہ بائبلی کردار جیدون (Gi-di-on) کی ستر بیویاں تھیں، سلمان کی سات سو حرم میں بھی تھیں تین سو بیویوں کے علاوہ، مگر یہ صرف ایک مرد کی زیادہ بیویوں کا معاملہ تھا جبکہ بدھ ازم میں یہ مختلف طرز کا مسئلہ تھا اور بدھ ازم کا سب سے بڑا مرکز تبت ہے جس میں پولی اینڈری اور پولی گائنی دونوں کا ہی رواج تھا، تبت آج بھی دنیا کا واحد ملک ہے جہاں پولی اینڈری میں کوئی برائی نہیں سمجھی جاتی اور وہاں زیادہ تر Fraternd poly adry مروج ہے یعنی دو یا دو سے زیادہ بھائی کسی ایک عورت سے شادی کر لیتے ہیں لیکن بعض اوقات باپ اور بیٹا بھی ایک بیوی پر قانع ہو رہتے ہیں جس کی دنیا میں اور کہیں مثال نہیں ملتی، اس کو معلومات مل رہی تھیں اس کے مطابق تبت کے علاوہ بدھ ازم کے دیگر فرقوں میں بھی پولی اینڈری کا رواج موجود ہے، جیسا کہ بھوٹان، اراخ اور برصغیر کے بعض حصوں میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

اس نے ہندو معاشرے کے مذہبی کتاب مہابھارت میں پڑھا تھا کہ دروپدی ایک وقت میں پانچ پانڈو بھائیوں کی بیوی بنی رہی، خود رام کے باپ کی تین بیویاں تھیں، ہندو دیوتا وشنو کے آٹھویں اوتار کرشنائی کی 16108 بیویوں کا ذکر تھا، اونچی ذات کے برہمن آج بھی جتنی چاہے

بیویاں رکھ سکتے ہیں۔

"مگر یہ سب انسانیت تو نہیں بلکہ نسوانی وقار کی توہین اور عورت کی تذلیل ہے کیا کوئی ایسا مذہب نہیں جو عورت کو مذہبی و معاشرتی عزت و وقار اور تحفظ دیتا ہو۔"

اس کا ذہن پھر سے خلجان اور بے چینی کے اضطراب کی تہہ سے گزرنے لگا وہ پھر سے فرسٹریشن میں گھرنے لگی۔

"جو مذہب عورت کو تحفظ نہ کر سکے اسے حقوق نہ دے سکے، معاشی و خانگی آزادی نہ دے سکے کیا وہ مذہب کہلانے کا حق دار ہے۔"

وہ سوچ رہی تھی الجھ رہی تھی، بدھ ازم کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے خیالات کافی مختلف تھے وہ گوتم بدھ کی شخصیت و گیان سے متاثر تھی مگر موجودہ بدھ مت کے لایعنی رسم و رواج دیکھتے ہوئے اسے اپنا اقدام جلد بازی کا فیصلہ معلوم ہوتا۔

وہ ایک خدا کی تلاش میں عیسائیت اور یہودیت سے بیزار ہو کر دوسرے مذاہب کی کھوج میں نکلی مگر ہر جگہ خدا کا کوئی واضح یا واحد تصور ناپید تھا بلکہ خود گوتم خدا کے وجود کا قائل نہیں تھا نہ اس کی تعلیمات میں خدا کا کوئی ذکر تھا۔

بدھ مت کے موجودہ بھکشوؤں آج اس نکتے کے مختلف انداز میں دیکھتے ہیں اور یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ گوتم نے خدا کا اقرار اس لئے نہیں کیا کیونکہ وہ اپنے بھکشوؤں کو فلاح یا نروان کے حصول کے لئے "بیرونی مدد" کے سہارے یا بھروسے سے آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتے تھے، گوتم کے نزدیک کسی خارجی طاقت یا خدائی مدد کے انتظار میں انسان اپنی فلاح یا نروان کے لئے جدوجہد نہیں کرے گا۔

اسی طرح گوتم بدھ کی تعلیمات میں اسے جنت دوزخ کا بھی ذکر نہیں ملا، ماہرین کے مطابق اس کے پیچھے بھی یہی نظریہ اور خیال تھا، کہ انسان کا کسی لالچ میں جدوجہد کرنا اپنی انا کی تسکین ہے۔

ماریا جوزف اب تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہی تھی گوتم کی ابتدائی زندگی بعد کا دھیان اور گیان اس کی تعلیمات جو نرے مراقبوں پر مبنی تھیں پھر موجودہ بدھ ازم کے تضادات و روایات یکسر الگ صورتحال پیش کرتے تھے، گو یہ طے تھا کہ بدھ ازم بھی اپنے پیروؤں کی دست برد سے محفوظ نہ تھا اور یہ تجزیہ یقیناً اس کے لئے تکلیف دہ بات تھی، کہ وہ سکون کی تلاش میں یہاں آئی اور سکون یہاں بھی ناپید تھا۔

☆☆☆

کبھی کبھی زندگی کی گاڑی کا پہیہ اسے موڑ پر آ کے رکتا ہے جہاں سارے راستے بند دکھائی دیتے ہیں اس موڑ کے آگے نہ کوئی موڑ ہوتا ہے نہ راستہ کھلتا ہے، اس بند راستے پہ رکا مسافر درد کا لمحہ لمحہ کیسے زہر کی مانند قطرہ قطرہ اپنے اندر اتارتا ہے، راستے پانے والے یا منزلوں تک پہنچنے والے کبھی اس اذیت کو محسوس نہیں کر سکتے، وہ بھی اس کڑے دور سے گزر رہی تھی اور کڑے حالات کو آسان کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

جانتی تھی کہ جس دوراہے پہ آ رکی ہے وہ محبت اور بیوفائی کے درمیان کا راستہ ہے، جو نہ اسے محبت کا سزاوار ٹھہرا رہا تھا نہ بیوفائی کا مجرم مگر پھر بھی وہ اس کی طوالت و اذیت ناکی کو محسوس کر رہی تھی خود پہ جھیل رہی تھی اور شاید یہ جھیلنا عمر بھر کا کام ہو جائے اور اس کو طے کرنا اس کے لئے اذیتناک تھا شرمندگی بھی، بھلا اذیت کے راستے پر کون خوشی سے چلتا ہے اگر کسی کو یہ خارزار عبور کرنا بھی پڑتا ہوگا تو مجبوری ہی اس سے یہ سفر طے کراتی ہوگی۔

اور ایسی بھی کیا مجبوری کہ انسان کسی کی خاطر خواہ وہ خونی رشتے ہوں یا دل کے معاملے اپنے اوپر ہزار اضطرابیوں کو جھیلتا رہے اور نفسیاتی طور پر اندر خون روتا رہے، زندگی بہت اضطرابیت میں گھر جاتی ہے پھر بند راستے سے پلٹنے کا حوصلہ امکان بھی کھو جاتا ہے، انسان شکستہ ہو کے خود سے بھی چھپنا چاہتا ہے، کیونکہ کمزوری کا کوئی سدباب نہیں نکلتا، تپتے صحرا کی مانند بنی زندگی سے پاؤں کو ریت کی تپش سے بچا بچا کر چلنا اور نکلنا ہے کہ پاؤں بھی نہ جھلسیں اور سفر بھی کٹ جائے مگر اس کے لئے حوصلہ برداشت چاہیے تھی۔

☆☆☆

برابر بڑھ رہا ہے غم کسی کو دوش کیا دیں ہم
ہیں اپنے آپ پر برہم کس کو دوش کیا دیں ہم
ہنسے کوئی تو ہنسنے دو میرا حال رہنے دو
جب اپنی آنکھ ہے پرنم کسی کو دوش کیا دیں ہم
عجب ہے در محبت کا جو مرضی پر نہیں کھلتا
نہیں چلتا یہاں سم سم کسی کو دوش کیا دیں ہم

گہرا سکوت چھایا ہوا تھا اس کے وجود پر روئی روئی سی بوجھل آنکھیں جانے کن خیالات میں گم تھیں، مخروطی انگلیوں میں تھامے گلاب کی پتیاں بکھیرتی افسردہ افسردہ وہ ہر روز سے مختلف تھی، دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے میں پریشان، آج اس نے نہ اپنے فش ایکیوریم کو دیکھا تھا نہ اپنے چھوٹے سے زو کو بس سیڑھیوں کے آخری کنارے پر ٹکی یوں کب سے بیٹھی تھی۔

بنا کسی میک اپ و لوازمات کے بغیر دھلا دھلایا صاف شفاف چہرہ وہ بہت اچھی لگی تھی اس رف سے حلیے میں بھی۔

شہریار کو معلوم تھا وہ صبا سے مل کر آئی ہے اور کیا کہا ہوگا یہ بھی وہ جانتا تھا مگر پرسکون اور مطمئن تھا۔

اور سنعیہ وہ اوپر سے جتنی خاموش نظر آ رہی تھی اس کے اندر اتنا ہی لاوا ابل رہا تھا کتنے طوفان پل رہے تھے اس سے شہریار باخبر تھا مگر بے خبر بنا ہوا تھا، پپا اس کے لئے امید کی آخری کرن تھے وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اب ان کی عدالت میں وہ خود اپنا مقدمہ لے جائے گی ورنہ کچھ بھی ہوتا یقیناً اس کے حق میں اچھا نہ تھا۔

اور جب یہ فیصلہ کر کے وہ خود پر قابو پاتی خود کو مضبوط کرتی اٹھی تو عفنان علی خان کے کمرے میں گئی مگر وہ پہلے سے منتظر مل گئے تو سنعیہ سلام لے کر ان کے بیڈ کی پائینتی کی طرف آ بیٹھی۔

"آؤ بیٹی میں تمہاری طرف ہی آ رہا تھا مجھے تم سے بہت اہم بات کرنا تھی۔" سعیہ کو دیکھ کر ان کے چہرے پر پدرانہ شفقت چھلکی۔

"مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا تھا میں اسی سلسلے میں آئی تھی۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی تو عفنان علی خان نے بہ غور اس کے ستے چہرے سرخ آنکھوں کو دیکھا اور سمجھ گئے، وہ کیا کہنے آئی ہوگی، اک طویل سانس لیتے ہوئے انہوں نے سعیہ کو اپنے پاس بیٹھایا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہت نرمی سے رسانیت سے کہا تھا۔

"دیکھو بیٹی ہم مسلمان ہیں ہمارا اللہ پر ایمان ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جوڑیاں آسمانوں پر بنتی ہیں اور آسمانوں پر ہونے والا ہر فیصلہ بہتر ہوتا ہے، ہم انسان ہر وقت ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ عناد یا شکوے رکھتے ہیں اور ایسے کچھ اعتراضات شہریار کے حوالہ سے تمہارے ذہن میں بھی ہونگے، شہریار اکلوتا ہونے اور ریزرو رہنے کی وجہ سے موڈی اور مغرور ضرور لگتا ہے مگر لاپرواہ اور غیر ذمہ دار نہیں بہت محبت کرنے والا ہے اپنے سے وابستہ ہر شخص کو عزیز رکھتا ہے بہت اچھا اور ہونہار لڑکا ہے وہ میرے سامنے میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے میں اس کی ہر اچھائی برائی سے واقف ہوں اور میری نظر میں وہ تمہارے لئے دنیا کا بہترین شخص ہے، شہریار کی طرح مجھے تم پہ بھی اعتماد اور اعتبار ہے اور یقیناً تم اس اعتبار کی لاج رکھو گی کیونکہ ایک باپ کا بیٹی کے لئے قیمتی تحفہ محفوظ مستقبل اور اچھی زندگی ہے اور مجھے یقین ہے شہریار سے اچھا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔"

وہ کتنے مان فخر اور اعتماد سے بول رہے تھے اور سعیہ منجمد سی بیٹھی تھی بے حس و حرکت اپنے اعتراضات وہ اتنے مان سمان رکھنے والے باپ کے سامنے مر کر بھی نہیں دہرا سکتی تھی جن کے جذبات شہریار اور سعیہ کے لئے بہت شفاف تھے اتنے صاف ستھرے کہ انکار کی راہ بھی کھلنا دشوار تھا۔

"سنو بیٹی تم رشتوں کو اعتراضات شکوؤں کی کرواہٹ سے نہ پرکھو ہر بات سے قطع نظر یہ تمہاری زندگی کا بہترین فیصلہ ہے اور تم ہمیشہ خوش رہو گی، تم چاہو تو اس فیصلے کو رد بھی کر سکتی ہو مگر شہریار اتنا جینئیس لڑکا ہے کہ محض کسی بچگانہ جواز کی بناء پر اسے ریجیکٹ کرنا سراسر غلط ہوگا اور اگر کوئی وجہ اور بھی ہے تو اسے دل میں رکھنے کے بجائے کہہ دو کہ بات رکھنے سے الجھنیں بڑھتی ہیں۔" پپا محبت سے پوچھ رہے تھے اور وہ بھرائی آنکھیں لئے ان کے گلے لگ گئی کچھ بول نہیں سکی بولنے کو کچھ بچا ہی نہیں تھا سارے ہتھیار تو ہاتھ پاؤں باندھ کر چھین لئے گئے تھے کیا زندگی میں بھی ایسے لمحات کا تصور کیا تھا اس نے جو در پیش تھے، مصلحت کے تقاضے، سمجھوتوں کی راہ اسے منافقت سے نفرت تھی جو دل میں ہوتا وہی افعال و اعمال میں بھی مگر آنے والا وقت اسے منافقانہ دوغلی زندگی گزارنے پر مجبور کرنے والا تھا۔

عفنان علی خان کا مضبوط تسلی آمیز شفیق لمس اس کے سر پر ٹکا تھا اور وہ اپنی قسمت کو رو رہی تھی جانتی تھی کہ وہ ایک ان چاہی زندگی گزارنے جا رہی ہے اور یہ کتنا مشکل امر تھا کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

☆☆☆

صبا پہنچی تو اسے دیکھا جواب بھینچے پیشانی پر تیوری ڈالے بیٹھی تھی اس کے چہرے پر دکھ اور نارسائی کے رنگ چھلک رہے تھے جگمگاتا رہنے والا چہرہ بجھ چکا تھا۔

"شہریار بھائی کیا آپ واقعی محض انکل اور آنٹی کی بات رکھنے کو شادی کی حامی بھر رہے ہیں یا وجہ سعیہ سے محبت ہے۔" وہ پوچھ بیٹھی۔

"صبا تم جانتی ہو میں، میں بہت فیئر بندہ ہوں محبت شادی یا زندگی ہر معاملہ میں فیئرنس کا قائل اور شاید تمہیں ایک بار بتایا تھا کہ میں جس سے محبت کرونگا شادی بھی اسی سے کرونگا انکل آنٹی کے جذبات و احسانات اپنی جگہ اہم ہیں مگر سعیہ سے میرا رشتہ اور طرح کا ہے اور میرا خیال ہے تم تو میری محبت کی سب سے بڑی گواہ ہو تمہیں تو کسی تسلی کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"بات تسلی کی نہیں شہریار بھائی بلکہ سعیہ کی رضامندی نہیں ہے ابھی تک وہ اس شادی کے لئے تیار نہیں ہو سکی اور آپ اس مسئلے کو اتنا ایزی مت لیں، مجھے ڈر ہے وہ بھری محفل سے واک آؤٹ کر جائے گی۔"

شہریار نے لحظہ بھر کو خاموش سوگوار بیٹھی سعیہ کو دیکھا تھا پھر یکسر مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجہ میں بولا۔

"خیر ایسا نہیں کر سکتی وہ اپنے باپ کی عزت بہت عزیز ہے اسے۔"

"وہ بہت بیوقوف اور جذباتی لڑکی ہے آپ نہیں جانتے اس سے کچھ بعید نہیں۔"

"صبا یہ تم اسے سمجھا سکتی ہو کہ سمجھوتا یا احسان میں کوئی اتنا فضول بوجھ خود پر نہیں لیتا، محبت ہی برے بھلے کو سہنے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔"

"بہت سمجھا چکی ہوں مگر اسے ریلیکس کرنا اتنا آسان ہیں پر ایک بات ہے بھائی اس لڑکی کو آپ ہی سدھار اور برداشت کر سکتے ہیں اور میرا ذاتی خیال ہے کہ بہتر ہوگا آپ رخصتی علیحدہ گھر میں کروائیے گا کیونکہ یہاں رہنے سے نہ تو وہ اپنی ضدی طبیعت چھوڑے گی نہ سدھرے گی۔" صبا نے مشورہ دیا۔

"جانتا ہوں صبا اور میں بہت پہلے اپنی زندگی کا تجزیہ کر کے یہ سب طے کر چکا ہوں بلکہ ایک شاندار سا لگژری گھر بنوا چکا ہوں اور ہم سیدھے وہیں جائیں گے رخصتی کے بعد اس کے سدھرنے تک میرا خیال اسے علیحدہ رکھنے کا ہے جب وہ خود کو ایڈجسٹ کر لے گی تو ہم پھر سے مما پپا کے ہمراہ رہنے لگیں گے۔" شہریار نے کہا تو وہ سر ہلا کر سعیہ کے پاس آ بیٹھی، اس کی خاموشی پر کچھ حیرت زدہ ہوئی خوش بھی تھی کہ شاید وہ سمجھوتے کی راہ پر قدم ڈال چکنے کے لئے خود کو تیار کر رہی ہے اور اگر ایسا تھا تو یہ یقیناً یہ بہت خوشی کی بات تھی۔

پھر سب کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ان کی ڈیٹ فکس کر دی گئی رخصتی 14 کو تھی محض دو ہفتے کا وقفہ تھا بیچ میں 14 فروری کو وہ ایک نئی زندگی نئے سفر پہ روانہ ہو رہی تھی نئے ہمسفر کے ساتھ اور اس میں کتنا خوش تھی، شاید ذرہ بھر نہیں کیونکہ ڈیٹ طے ہوتے ہی اس کے چہرے پر چھا جانے والا پتھریلا پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"سعیہ خود کو سنبھالو حوصلہ رکھو۔" صبا نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے منت کی تھی۔

''تم خوش نہیں ہو کیا؟''

''نہیں۔'' وہ جیسے پتھر مارنے والی آواز میں بولی۔

صبا کو یوں لگا جیسے دندناتی ہوئی وہ ابھی اٹھ کر کچھ کہہ دے گی مگر وہ پھر کچھ نہیں بولی، صبا نے تاسف سے دیکھا تھا اسے جو لٹھ مار انداز میں کچھ توقف کے بعد بولی۔

''اس شخص سے نفرت، ناپسندیدگی کے باوجود میں اس رشتے پر راضی ہوں۔'' یہ ایک اور دھچکا تھا جو لگا صبا پوری آنکھیں کھولے اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔

میں اپنی قدر بھی کرتا تو جانے کیا ہوتا
اور ایک وہ ہے جو پا کر گنوا گیا ہے مجھے
میں کس کو جا کے بتاؤں میں کون ہوں کیا ہوں
میرا تو عکس بھی حیرت سے دیکھتا ہے مجھے

☆☆☆

ابھی کچھ نہیں بدلا
درختوں پر وہی موسم ابھی تک مسکراتے ہیں
ابھی تک سرمئی شامیں ہمارے ساتھ روتی ہیں
ابھی تک میرے ہونٹوں پر تمہارے مرمریں ہونٹوں کی خوشبو
رقص کرتی ہے
ابھی تک میری آنکھوں میں تمہارے خواب ہنستے ہیں
ابھی تک میرے ہاتھوں پر تمہاری انگلیوں کی نرم پوروں
سے لکھے سب حرف زندہ ہیں
ابھی تک میرے سینے میں تمہاری سانس چلتی ہے
ابھی تو راستوں پر دودھیا پیروں سے پڑنے والے
سارے نقش قائم ہیں
ابھی الماریوں سے سارے تحفے گنگناتے ہیں
تمہارے خط ابھی بھی رات کی تنہائی میں مجھ سے
تمہاری بات کرتے ہیں
بہت سے ماہ بیتے ہیں بہت سا وقت گزرا ہے
میری چاہت نہیں بدلی، میری ہمت نہیں گزری
ابھی کچھ بھی نہیں بدلا
اگر چاہو، اگر سمجھو، میری مانو تو لوٹ آؤ۔

''محبت میں جو جس کے لئے ہوتا ہے اسی کو ملتا ہے، اس کھیل میں زبردستی نہیں ہوتی مگر اپنے گھر میں کوئی جانور بھی رکھیں تو اس سے بھی انسیت ہو جاتی ہے، ہمارے درمیان تو بڑا مضبوط رشتہ ہے وہاج، رنگوں، خوشبوؤں سے بھیگا دل سے باتیں کرتا رشتہ پھر تم مجھے اب تک جج نہ کر پائے میں

کیا ہوں اور شاید میں بھی تمہیں پرکھ نہ پائی محبت میں انسان جو نظر آتا ہے ضروری نہیں کہ وہ ایسا ہی ہو۔''

یہ اس کی زندگی کا اہم تجربہ تھا جو اس نے ابھی ابھی حاصل کیا تھا۔

وہ سائنس ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی ایک پریشانی اور اضطراری کیفیت ہویدا تھی، اس کے چہرے سے پرنٹڈ سوتی لباس پہنے ڈائی کیا دوپٹہ اوڑھے سامنے لان میں دیکھتی وہ کتنا تنہا محسوس ہوتی تھی اور اس کی پریشانی طیبہ کو اپ سیٹ سی کر گئی، اریبہ اشفاق کے ساتھ اس کا خاص تو کیا عام سا بھی رشتہ نہ تھا نہ کوئی جذباتی و قلبی تعلق مگر پھر بھی اس لڑکی کے حسین چہرے پر بکھری یاسیت اسے اپنی طرف کھینچنے لگتی تھی۔

''اریبہ!'' اس نے بے اختیار اسے پکارا مگر اریبہ نے جنبش نہیں کی تھی۔

''اریبہ!'' وہ پھر بلند آواز میں پکارتی اس کے نزدیک چلی آئی لان کے بھیگے درختوں اور گیلے سبزے کے ساتھ اٹھتی ٹھنڈی ہوائیں جسم کو برف سا کر رہی تھیں اور وہ ایسے موسم میں کتنے آرام سے بیٹھی تھی۔

''Areeba are you ok''۔ طیبہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا تو وہ بری طرح چونکی تھی۔

''بہت پریشان لگ رہی ہو خیریت تو ہے ناں؟''

''خیریت ہاں شاید نہیں۔'' وہ الجھی الجھی سی بے ربط الفاظ بولی تو طیبہ نے کچھ غور سے دیکھا۔

''وہاج سے مل کے آئی ہو۔'' طیبہ نے براہ راست پوچھا تو اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا پھر بڑی آہستگی سے اس کی آنکھیں بھرتی چلی گئیں۔

''کیا کہتا ہے وہ۔'' طیبہ کو پوچھنا پڑا اس کی خاموشی پہ۔

''انکار کر دیا اس نے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی وہ مجھے مطلبی اور مادہ پرست لڑکی سمجھتا ہے جو موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں ہے، تم بتاؤ کیا میں تمہیں اتنی سطحی اور گھری سوچ والی لڑکی لگتی ہوں۔'' وہ اسے پوچھ رہی تھی اور طیبہ نے تاسف سے دیکھتے ہوئے نہیں میں سر ہلایا۔

''میں اس سے محبت کرتی ہوں اور محبت میں یہ سچ جھیلنا کتنا مشکل ہے کہ اگلا بندہ آپ کو کوئی ریلیف ہی نہیں دیتا، رشتے کانچ کے بادبان کی طرح ٹوٹ گئے وہ اپنائیت جس کے سہارے میں زندہ تھی سراب ثابت ہوئی، میں نے اسے بہت خاص مقام دیا تھا جبکہ وہ عام کے لائق بھی نہ تھا میں اس کے چارسو محبت کے موسم بکھیرا کرتی تھی جبکہ مجھے آج پتا چلا ہے محبت تو کبھی اس کے قریب پھٹکی ہی نہیں، ورنہ وہ اتنی آسانی سے مجھے رد نہ کرتا۔'' وہ بے حد جذباتی انداز میں بولی تو طیبہ نے چند لمحے دیکھنے کے بعد گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''اسی لئے میں تم سے کہتی تھی کہ ساری زندگی جھوٹے خوابوں کی تسلیوں یا خوش فہمیوں میں جینے سے کہیں بہتر ہے کلیر عبارت کر و اس سے اور اس کا چھوٹا پن ہے یہ کہ وہ خود کو تمہارے دکھ سمجھنے یا بانٹنے کو تیار نہ کر سکا۔''

"مگر محبت یا منگنی کوئی کھیل تو نہیں کہ جسے یکدم بنا کسی ریزن کے ریفیوز کر کے چل دو، میں کوئی مٹی کی بے جان مورت بھی نہیں کہ مجھے اس کے عمل سے تکلیف نہ ہو۔" اس نے ہتھیلیوں سے رگڑ کر آنکھیں خشک کرنے کی سعی کی تھی۔

"زندگی اس کے بغیر میرے لئے کچھ نہیں اس نے تو آرام سے راہ بدلنے یا مجھے مادہ پرست ہونے کا طعنہ دیدیا، مگر اسے کیا معلوم دل کی دنیا اجاڑنا کتنا مشکل ہے، میں اس کی مفلسی کے زمانے میں اس کے تمام مسائل سمجھتی تھی حالانکہ میرے بابا بہت تحفظات رکھتے تھے مگر میں نے پھر بھی کبھی اپنی راہ بدلنے یا وہاج سے قطع تعلق کا نہ سوچا تھا، کیونکہ میری محبت میں کھوٹ نہیں تھا، میں نے اس کے مسائل اور غربت دیکھ کر اس سے منہ نہیں موڑا پھر اب مادیت پسند یا خود غرض کیسے ہو سکتی ہوں کتنا برا ہے وہ، مجھے کتنا غلط سمجھتا ہے۔" مدھم لہجہ میں بولتی وہ کتنا رو رہی تھی طیبہ کو کس قدر افسوس ہوا۔

"پھر اور کس بات کی خوش فہمی ہے تمہیں کس احساس میں جی رہی تھیں، ایک بار رد کر چکا ہے وہ تمہیں، دوسری بار یہ بے نام تعلق بھی توڑ دے گا جو منگنی کے نام پر باندھا ہے، تم خود کو سنبھالو اتنی دور مت آؤ کہ لوٹنا دشوار ہو۔"

"کیا مطلب؟" اریبہ نے قدرے تحیر سے دیکھا۔

"اب تم آگے کے لئے سوچا کیا کرنا ہے اس طرح بے بس ہونے اور کمزور پڑنے سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا، اگر تم زندگی سے سامنے اسی طرح کم ہمت پڑتی رہیں تو مشکل کا حل نہیں نکلے گا۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تو میں نے بھی سوچا ہے کوئی جاب کر لوں کیونکہ وہاج کے صاف شادی سے انکار پر اب مجھے اپنے گھر کا سوچنا ہے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ رہنے سے مسائل حل نہیں ہونگے۔" وہ خود کو سنبھالتی آنسو صاف کر کے بولی۔

"اچھی سوچ ہے انسان کو ہمیشہ آگے آنے کے لئے کوشش کرنی چاہیے ویسے بھی تم نے جس حوصلے سے اپنے خاندان کو اب تک سنبھالا ہے بڑی بات ہے۔" طیبہ نے محبت سے کہا۔

"تم کوئی اچھی جاب کا بتانا اگر کہیں جگہ بنی تو....."

"تم کسی آفس میں ٹرائی کرو، وہاں تنخواہ بھی اچھی ہوگی اور دیگر فوائد بھی مل سکتے ہیں۔"

"کوشش کر تو رہی ہوں اللہ کوئی سبب بنا دے تو اچھا ہے۔"

"نیت نیک اور ارادہ مضبوط رکھو تو سب ٹھیک ہو جائے گا اور سنو اب اس سے مدد مت مانگنا بلکہ اپنے مسائل خود اپنے وسائل کے مطابق حل کرنے کی عادت ڈالو اور اگر تم رضا مند ہو تو ایک جگہ ہے میری نظر میں ہمارے ایک جاننے والے گھر میں بچوں کے لئے فی میل ٹیوٹر کی ضرورت ہے فیس وہ اچھی دیں گے مگر قباحت یہ ہے کہ بچوں کو گھر جا کر پڑھانا پڑے گا تم کہو تو میں بات کروں تمہارے لئے۔" طیبہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم بات کر کے مجھے بتا دینا، کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہے چاہے تھوڑا ہی کچھ تو خرچ چلے گا۔" اریبہ رضا مند ہوتے ہوئے بولی۔

"بس پھر ٹھیک ہے میں آج ہی پتا کر کے تمہیں فون پر بتا دوں گی تم یونیورسٹی سے واپسی پہ میرے ساتھ ہی چلا کرنا۔"

"اٹس او کے۔" وہ ممنون سی بولی تو طیبہ نے اسے ریلیکس دیکھ کر قدرے سکون کا سانس لیا تھا۔

جو تم نے بخشے ہیں انہی رنجشوں پر غور کرو
پھر اس کے بعد میرے حوصلوں پہ غور کرو
سفر کا سب سے کٹھن موڑ اور میں تنہا
بچھڑنے والے میری وحشتوں پہ غور کرو

☆☆☆

ایک بلند و بالا گول گنبد نما بے در و دیوار عمارت اس کے سامنے تھی اور اس کی اونچائی اتنی تھی کہ اسے سر اٹھا کر دیکھنا پڑتا تھا، جہاں مہاتما بدھ کے قد آدم مجسمے، اسٹوپا اور گندھارا تہذیب کے آثار قدم قدم پر تھے یہ مقام و آثار دنیا بھر میں بدھ مت کے زائرین کے لئے انتہائی مقدس اور متبرک سمجھے جاتے ہیں روایت ہے کہ اس اسٹوپا میں بدھ مت کی خاک دفن ہے ایک تاریخی حوالہ یہ بھی تھا کہ چینی سیاح ہیون سانگ نے اپنے سفر نامے میں جس بادشاہ ترا اینا کا ذکر کیا ہے یہ اسٹوپا اسی نے تعمیر کروایا تھا ابت کدے سے متعلق جو تفصیل دیوار پر درج تھی اس کے مطابق آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل اشوک اعظم نے یہ معبد تعمیر کروایا اس کے مرکز میں ایک عظیم اسٹوپا تھا اور اس کے گرد 240 چھوٹے اسٹوپے یا عبادت گاہیں تھیں، پھر وہ ایک چٹان پر آ گئی جس پر مہاتما پرسکون انداز میں بیٹھے گویا آنے جانے والوں کو دیکھ رہے تھے، یہ دراصل ایک بہت بڑا مجسمہ تھا جس میں بدھا لبادے کی شکن آلود تہوں کے ساتھ دونوں ہاتھ گود میں لئے آلتی پالتی مارے پرسکون انداز میں بیٹھے صدیوں سے اسی طرح گزرتے وقت کو دیکھ رہے ہیں، ایک مقامی شخص اسے بتا رہا تھا کہ اس جگہ مہاتما بدھ آئے اور انہوں نے انسانوں اور دیوی دیوتاؤں کو سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین کی اور جب وہاں سے چلے گئے تو معجزانہ طور پر پہاڑی کے پتھر میں سے یہ مجسمہ ظاہر ہو گیا۔

اگر چہ یہاں 9484 مجسمے موجود تھے اور گزرتے وقت نے اس مجسمے کے کچھ حصوں کو متاثر کیا تھا لیکن دیکھنے والی نگاہ کے لئے یہ مکمل اور سالم تھا، وہ ان تاریخی معبدوں اور مجسموں کو دیکھتی آگے بڑھنے لگی اس کا رخ میوزیم آف جاپانا سے ہٹ کر بدھ مت کے تاریخی و عبادتی سینٹر کی طرف تھا، اس کے ایک سمت باغ تھا اور دوسری سمت پتھروں کے ڈھیر جن کے گرد باڑھ تھی اور ان کے سامنے بڑے میدان میں آتش کدہ یہاں فضا میں ایک عجب خاموشی تھی، ابتدا میں صرف ایک کمرہ تھا، یہاں دروازے کی جگہ بڑا سا گول سوراخ تھا اندر سے نکلنے یا جانے کو یہی دروازہ کا کام دیتا وہ آگے آئی، ماریا بدھ مت کے ایک بڑے سے تبلیغی سینٹر کی عمارت میں موجود تھی، اس کے سامنے بڑے ہال کمرے کے عین وسط میں بنے چبوترے پر کئی بھکشو منہ پر پلستر کیے یوگا کے انداز میں موجود تھے اور یہ سانس روکنے کی پریکٹس کر رہے تھے، ماریا نے بھی کوشش کرنا چاہی مگر یہ ایک

اذیتناک اور مشکل عمل تھا، وہ منٹ دو منٹ سے زیادہ خود پر جبر نہ کر سکی تو چھوڑ دیا، گر اپنی تھرلنگ طبیعت کی بنا پر وہ ہر چیز پر متجسس ہوتی بدھ مت کے تمام فرقوں کو دیکھتی جانچتی ان کی رسومات، تعلیمات میں داخل ہوتی بتدریج ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کئی سابق یہودی اور سابق عیسائی (جن میں کئی راہب اور راہبات ہوتے ہیں) بدھ مت کے مطالعہ کے بعد اور عمل کے دوران کہیں سالوں میں پہنچتے ہیں اور ہندو مت کی طرح بدھ مت کا سارا دھیان گیان کھوکھلا نکلا تھا۔

وہ اپنے دل میں سوچتی کہ اگر مہاتما بدھ ایک بار پھر دنیا میں آجائے تو یہ دیکھ کر شدید صدمے سے دو چار ہو جائے کہ اس کی تعلیمات کا کیا حشر ہوا ہے اور کس طرح کروڑوں بدھ مت کے پیروکار اسے خدا جان کر اس کی پوجا کرتے ہیں وہ پیپل کے نیچے بیٹھ کر جو گیان دھیان کرتا رہا تو کیا اس کا مقصد یہی تھا کہ جس پر آج اس کے پیروکار عمل پیرا ہیں، اس نے اسی متبادل طرز زندگی کی حیثیت سے بدھ مت کو دلچسپ مانتے ہوئے اپنانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے پیروکار خدا کو نہیں مانتے اور وہ ہمیشہ سے خدا پر پورا یقین ایمان رکھتی آئی تھی چنانچہ اس نے اسے کام کا نہ جانتے ہوئے چھوڑ دیا اور اسے دکھ بھی ہوا کیونکہ عیسائیت جیسے بین الاقوامی مذہب کو بھی اس نے توحید خداوندی کا مثبت جواب پیش نہ کرتے پا کر چھوڑا تھا، وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتی تھی کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے کس طرح ہو سکتے ہیں، جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں ظاہر ہے وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، پھر ظاہر ہے توحید کہاں رہی اور اس دعوے میں صداقت کا عنصر کہاں موجود رہ سکتا ہے۔

عیسائیت کے سارے عقائد کی بنیاد بائبل کی تعلیمات پر استوار بتائی جاتی ہے مگر ان میں بھی زبردست تضاد تھا وہ گہرا فاقدانہ مطالعہ جاری رکھنے لگی اور حیران ہوتی تو اس بات پر حیران ہوتی کہ عادل اور منصف خدا کو انسانیت کی نجات کے لئے اپنے ہی بیٹے کی قربانی دینی پڑی اس کے ذہن میں یہ بات نہیں بیٹھتی تھی کہ قادر مطلق خدا کو انسانوں کے گناہ معاف کرنے کے لئے کسی شخص کو قربان کرنا پڑے اور وہ بھی اپنا ہی بیٹا، وہ بعد ازاں اس نتیجے پر پہنچی کہ اگر خدا موجود ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیے جس کی تعلیم عیسائیت دیتی ہے کہ بلکہ اسے ہر انسانی احتیاج سے مبرا ہونا چاہئے اور انسانی عقل سے ماورا بھی۔

لہٰذا یسوع مسیح علیہ السلام کا سولی پر چڑھ کر جان دینا ایک بے معنی قصہ معلوم ہوا، پھر اس نے انجیل، عہد نامہ عتیق میں خدا کی تصویر اور مورتوں کا حال پڑھا، پھر عہد نامہ جدید میں پال کی لکھی ہوئی بہت سی خرافات۔

وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ کوئی بھی مذہبی کتاب تغیر و ترمیم سے محفوظ نہیں ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کے خود ساختہ عقائد راہ پا گئے ہیں۔

یہاں سے وہ یہودیت کی طرف بڑھی توریت (عہد نامہ عتیق میں شامل کتاب) پڑھنے کے بعد وہ باقاعدہ اسرائیل گئی اور کوشش کی کہ مکمل یہودی قلمود حاصل کروں مگر اس کی سعی بے سود ثابت ہوئی جب اس نے سنا کہ اصلاح یافتہ یہودیوں کے سوا عام یہودی ان لوگوں کو نہیں مانتے جو

مذہب تبدیل کر کے یہودیت قبول کر چکے ہیں اور گو سب تو نہیں بہت سے یہودی صیہونی ہیں اور اس لئے اسرائیل کے پرزور حامی وہ ٹھہری اسرائیل اور صیہونیت دونوں کی جانی دشمن پھر یہودیت توحید کا پرچاوک دین ہے لیکن اس کے پیروکار اعلانیہ کہتے ہیں کہ خدائے واحد نے اپنا تمام فضل و کرم ایک قوم یعنی یہودیوں کے لئے وقف کر دیا ہے اور وہ حیران ہوتی کہ سب انسانوں کے خالق نے یہ امتیازی رویہ کیوں اختیار کیا ہے؟

سوچتی پریشان ہوتی فرسٹریشن کے زیر اثر وہ غور و فکر میں مصروف رہتی اسے لگتا تھا سکون کہیں نہیں، ایک خدا کا عقیدہ، انسانیت کا احترام کہیں نہیں اور ایسا مذہب جو اخلاقی و سماجی بلندیوں پر ہو کہاں ہے؟ یہ دور اس کی ذہنی و روحانی تکلیف کا بدترین دور تھا۔

یہودیت اور عیسائیت سے بیزار ہونے کے بعد اس نے جین مت اور ہندو مت سے کچھ نہ پایا تھا ہندو دھرم پر بہت تحقیق و گفتگو کی تھی مگر اس دھرم کے دیوتاؤں کی تعداد اس کے لئے ناقابل برداشت تھی لہٰذا اسے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، پھر معاشرتی برائیوں کا ہندو تعلیمات کوئی حل نہیں پیش کرتی تھیں برہمن کو غیر معمولی تقدس اور ان گنت سہولتوں کا مستحق قرار دیا گیا ہے مگر اچھوت کو زندہ درگور کر دیا گیا ہے کسی مذہب میں بھی انسانی توہین کی وہ مثال نہیں ملتی جو ہندو مت میں نظر آتی ہے، ہندو خواتین اپنی روایات کے مطابق بیوہ ہونے پر زندہ درگور کر دی جاتی ہیں اور موت کی منتظر رہتی ہیں، پھر ایک حقیقت ہے کہ کوئی غیر مذہب یہ دھرم قبول نہیں کر سکتا ہندو وہی ہے جو پیدائشی ہندو ہو، کئی اور ناگوار باتیں بھی ہندو دھرم میں اسے تکلیف دہ گئیں۔

ہندو مت سے بیزاری کے بعد وہ ناقابل یقین فرسٹڈ اور اسٹریس کے دباؤ سے گزری بہت تکلیف اذیت خودکشی جیسا خطرناک اقدام کر بیٹھی پھر کیتھرین کی توجہ مہربانی لیڈی ایلون کا اسے پا کر بچا لینا وہ سنبھلتی ہوئی زندگی سے مانوس ہونے لگی تو بدھ مت کا گیان اسے متوجہ کر گیا، مگر اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس پر عقدہ کھلا کہ اس میں خدا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے یہودیت اور ہندو مت مخصوص لوگوں یا قوم کے لئے تھے عیسائیت تین خداؤں پر ایمان رکھنے والا مذہب وہ مایوس تھی مگر ہمت نہیں ہاری تھی پہلے تجربہ کے برعکس وہ پر امید تھی اسے کامل یقین تھا کہ نئے لوگوں کو خیر باد کہنے والا مذہب بھی ہو گا ضرور اور یہ یقین بھی واثق تھا کہ خدا ہے اکیلا و برتر ہے اور اس پر خود اس کا اپنا وجود اور اردگرد پھیلی فطرت شاہد ہے، برف پوش کوہساروں کو برف کا، سورج کی تمازت پر پگھلنا کلیوں کا پھول بن کر چٹکنا یقیناً ایک بزرگ واحد ہستی کا کرشمہ ہے۔

☆☆☆

تمہیں یہ کس نے کہہ دیا آخر
کہ کسی ریسٹورنٹ کے
نیم تاریک گوشے میں
بیٹھ کر مدھم سرگوشیوں میں
مسکراتے لبوں سے بات کرنا
اور آئس کریم کے کپ میں

چیخ چلاتے ہوئے
خواہش دل کو زباں پہ لے آنا محبت ہے؟
تمہیں یہ کس نے کہہ دیا آخر
کہ جائز و ناجائز فلسفے کا عصا تھامے
اخلاقیات کی اپنی کسوٹی بنائے
جواز، حد و بے حد کی دیوار سجائے
بلا دستک بے روح مکان
جسم میں در آنا محبت ہے؟
بلکہ ''محبت'' تو
دور دراز کے کسی وحشی قبیلے میں
کوئی بسنے والی چالاک دیوی
جو تمہاری انا کو اپنے طلسم سے
یوں قید کرتی ہے
کہ تم اپنا سارا زعم بھول جاتے ہو
محبت من کا سچا سودا ہے
جسے بازار میں بیچا نہیں کرتے
محبت اک نازک سی لڑکی
جسے رلایا نہیں کرتے
محبت کو یوں ضائع نہیں کرتے

خوشی کو لفظ درکار ہوتے ہیں اور دکھ کو سہارا ڈھارس یہ احساس کہ کوئی ہے جس کے لئے آپ اور آپ کے جذبات اہم ہیں اسے یہ افسوس شدت سے تھا کہ وہ جس موڑ پہ آ پہنچی تھی وہاں بالکل تنہا تھی۔

کیونکہ اس کے پاس مان رکھنے اور نبھانے کو صرف دو رشتے تھے مما پپا اور وہ انہیں کسی بھی صورت اپنے سے برگشتہ کرنا چاہتی تھی نہ دکھ پہنچانا ایسی صورت میں جبکہ شہر یار بھائی کی اولاد ہو کر انہیں اپنی فرمانبرداری کے ڈراموں سے بہلا رہا تھا وہ تو پھر سگی اولاد تھی، سو فی الفور اس نے خود پر لبادہ اوڑھ لیا تھا خاموشی مصلحت مجبوری کا وہ رشتہ جسے ان سب ناتوں سے قبول کرنا اور نبھانا اس کی جبر یہ مصلحت تھی وہ یہ مصلحت کس قدر تکلیف دہ تھی کہ ہر وقت بے بسی لاچاری اور شکستگی کا احساس دامن گیر رہتا، اس شخص کو سوچتی دیکھتی تو اپنے شدید نقصان کا احساس ہوتا اور آنسو پلکوں سے چھلک پڑنے کو بیتاب ہوتے۔

ایک گھر میں رہتے ہوئے ہر وقت نہ سہی کھانے چائے ناشتے پر ان کا سامنا یقینی تھا اور اسے بے حد محنت کرنا پڑتی تھی ان اوقات میں کہ اس کا رویہ نارمل رہے اس کے لئے خود پر بشاشت کا لبادہ بھی اوڑھنا پڑتا تھا۔

اس کی شادی کے لئے بری اور جہیز کے کپڑوں، جیولری، شوز، کراکری، فرنیچر کی مشترکہ شاپنگ ہو رہی تھی، مما ہر چیز میں اس کا مشورہ رائے اور پسند کو اہمیت دیتیں اس سے چوائس پوچھتیں وہ کیا کہتی۔

خوشی کا مفہوم تو بہت دنوں سے بھول چکی تھی جب سے شہر یار خان سے اپنے تعلق کا سنا تھا اس کے ذہن و دماغ میں پریشانی، تفکرات چکراتے تھے اور اب اب تو اس نے خود کو رشتوں کی مصلحت کی نذر کر دیا تھا سمجھوتہ کیا تھا۔

وہ شخص اس سے وابستہ رشتہ و احساسات سب برف ہو چکے تھے، کوئی گھر میں کیا کر رہا ہے شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں کیا آ رہا ہے اسے کوئی غرض نہ تھی جب زندگی کے اہم ترین فیصلے میں اس کی رائے کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا تو یہ سب تو پھر بہت معمولی باتیں تھیں، وہ زندگی سے راہ فرار چاہتی تھی مگر ایسے نہیں کہ سب پر اس کی کمزوری عیاں ہو جائے، وہ زندگی میں کبھی کہیں جھکی نہیں تھی ہمیشہ سر اٹھا کر کھڑی ہوتی مگر اس شخص کی بدولت اس کا وقار، تمکنت اور نسوانی غرور سب مٹی ہو رہے تھے اور جب یہ سوچ آتی تو وہ نئے سرے سے اذیت کا شکار ہونے لگتی، اس وقت بھی انہی لمحوں کی گرفت میں تھی۔

کوئی کم دکھ تھا کہ وہ اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے جا رہی تھی جو اسے دنیا میں سب سے زیادہ برا لگتا تھا اور وہ اٹھتی بیٹھتی سوتی جاگتی اس سے جان چھڑانے کے بہانے ڈھونڈا کرتی تھی اور اب.....؟ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''یہ میری قسمت ہے، سنعیہ علی خان کی قسمت خاندان کی سب سے لائق فائق خوبصورت اور ذہین و فطین لڑکی کی ہر ذہانت پر مہر لگ گئی ہے، مگر اس قسمت کے لکھے کو میں اپنی عمر بھر کی شکستگی نہیں بنا سکتی تم جو اتنے اچھے اور فرمانبردار بنتے ہو تمہاری اصلیت میں کھول کر رہوں گی، اپنی خود غرضی اور من مانی میں تم نے میری پروا نہ کی اب تمہاری ہمتیں ساری محنت میں ضائع کر دوں گی۔'' وہ تلخی سے سوچ رہی تھی مگر آنسو ابھی بھی چہرے کو بھگو رہے تھے اور اسی وقت وہ نکلا تھا لاؤنج سے ایش گرے پینٹ اور وائٹ شرٹ پہنے کی چین جھلاتا کہیں جانے کو تیار وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کمزور لمحوں کا بھید شہر یار پر کھلے سو چہرے کا رخ پھیر گئی مگر وہ دور سے اسے روتے دیکھ چکا تھا، سو قریب چلا آیا۔

''سنعیہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اور جو ہو گا وہ بھی مشیت ایزدی ہے خود کو اذیت کیوں دے رہی ہو تم پر کون سا ظلم ہوا ہے؟''

اس کی پلکوں پر اٹے آنسو کو انگشت شہادت پر لیتا وہ آرام سے بولا تو سنعیہ کے اعصاب تن گئے وہ جیسے پھٹ پڑی۔

''ظلم اور مجبوری کا پتا تو تمہیں جلد چل جائے گا اور جن خوش فہمیوں میں تم ہو ناں وہاں خود کو یہ باور کراؤ کہ میں اگر خاموش ہوں تو اس کا مطلب میری رضا یا منشا نہیں ہے بلکہ یہ میرے والدین کا حکم ہے جسے میں بہت مشکل سے پورا کر رہی ہوں، ورنہ تم نہ تو اچھے انسان ہو نہ اچھے کردار کے مالک تم بالکل بھی اس قابل نہیں کہ مجھ جیسی لڑکی کے شوہر بن سکو نہ مجھے تمہارے جیسے ہمسفر کی خواہش ہے، سمجھوتوں کی بنیاد پر یہ رشتہ طے پایا ہے اور سمجھوتے زندگی اجاڑا کرتے ہیں بنائے

نہیں۔'' اس نے تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا اور وہ لب بھینچے بنا کچھ کہے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

''محبت اہمیت دیتی ہے، سر اٹھا کر جینا سکھاتی ہے سہارا بنتی ہے اور تم نے محبت کے نام پر مجھے ٹریپ کیا ہے اپنے رشتے کو بلیم دیا تھا تم جیسے خود غرض اور خود پسند شخص کو رشتوں کی تکریم کا پتا ہے نہ محبت کے احساسات کا، تم اپنی اداکاری سے سب کو دھوکہ دے سکتے ہو مجھ کو نہیں یہ رشتہ طے تمہاری مرضی سے ہوا اور اس کے آگے کا منظر میری مرضی کا ہوگا جسے تمہیں بہر صورت جھیلنا ہے کہ میں بھی تو جھیل رہی ہوں۔'' بہت سی سفاک جہتوں کا ادراک دیتی وہ پلٹی اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

شہریار ساکت کھڑا تھا انتہائی سرخ چہرا لئے ضبط سے کام لیتا خود پہ قابو پاتا۔

نہ رستے میں ہی ٹھہریں نہ اپنے گھر جائیں
یہ فیصلے کی گھڑی ہے چلو بکھر جائیں
تیرا وجود بھی سچ ہے مگر ہمیں تم سے
وہ عشق ہے کہ تجھے سوچ کر ہی مر جائیں

☆☆☆

آج آفس میں کام بہت زیادہ تھا جسے نپٹاتے بہت تھک چکا تھا وہ اگرچہ حیدر صاحب نے خود کہا تھا اسے کہ وہ آرام کر لے یا بقیہ کام کل دیکھ لے مگر وہ اپنے شعبے اور کام سے متعلق چھوٹے سے چھوٹا کام بھی پوری ذمہ داری اور توجہ سے نپٹانے کا عادی تھا، اپنی پوزیشن حیدر صاحب کے اعتماد کا احساس تھا اور کچھ سرسری نگاہ یا سرسری انداز سے کام کر کے رکھ دینے کی عادت نہ تھی اسے ترقی ہونے کے ساتھ ہی اس پہ ذمہ داری کا بوجھ بھی بڑھ گیا تھا مگر اس اضافی کام کو بھی دلجمعی سے کرتے اپنا پیشہ ورانہ فرض خوش اسلوبی سے ادا کر رہا تھا اور اس کی یہی ورک سینئیر نیس کمپنی میں اس کا اچھا معزز مقام بنا چکی تھی۔

اپنا کام ختم کر کے بہت ساری تھکن کا احساس لئے وہ اٹھا تو ملگجی شام کا آغاز ہو رہا تھا وہاج پارکنگ میں آ کر اپنی بائیک نکالنے لگا تو اس کی کمپنی کے مالک حیدر صاحب چلے آئے۔

''ینگ مین یہی ہفتہ ہے جو تمہیں اپنی بائیک پر گزارہ کرنا ہوگا اگلے ہفتے سے فرنشڈ گھر اور نئی گاڑی کے ساتھ آپ کو پرموشن آرڈرز بھی مل جائیں گے ہم بہت جلد ایک نئی برانچ کا انچارج آپ کو بنا رہے ہیں۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے کہا تو وہاج کی ساری تھکن جیسے پل بھر میں اتر گئی تھی ایک خوشگوار حیرت اور چمک اس کی آنکھوں اور چہرے پر در آئی۔

''Thanks sir, thanks a lot۔'' وہ خوشی و ممنونیت سے بولا۔

''Most wellcome young man یہ تمہاری محنتوں کا ثمر ہے کام سے لگاؤ ذمہ داری اور جانفشانی انہی خصوصیات کی بدولت تم یہاں تک پہنچے ہو اور ایسی لگن سے کام کرتے رہے تو اور بھی آگے تک جاؤ گے مجھے خوشی ہے کہ اپنی کمپنی میں تمہیں رکھنے کا میرا فیصلہ بروقت اور صحیح تھا، تم نے اپنی ذمہ دار طبیعت اور محنت سے کام کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ میرا یہ فیصلہ درست تھا

اور تبھی اس کے ڈیزرو تھے۔''

''Thanks again sir۔'' وہ احساس تشکر سے نم لہجہ میں بولا۔

''Its ok یہ سب تمہارا حق ہے۔'' اسے تھپکی دیتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور وہاج نے اپنی بائیک پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کئی لمبے لمبے سانس لیے تھے پھر مسکراتی نگاہیں اٹھاتے ہوئے اوپر دیکھنا، وہی آسمان تھا نیلے رنگ سے مٹیالے سیاہ رنگ بدلتا، وہی بے رنگ زمیں اور وہی سردیوں کا اک پھیکا ڈھلتا دن، مگر خوشی کے احساسات سے آشنا ہونے کے بعد ان سب میں اک خوشگوار اور انوکھا پن محسوس ہو رہا تھا۔

کتنی معمولی نوکری سے اس نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا، قسمت نے ماں کی دعاؤں نے اس کی محنت اور جانفشانی نے اسے یہاں تک پہنچا دیا تھا اور اس سب میں وہ بھی شامل تھی اریبہ اشفاق زندگی کی ساری دلکشیاں جس کے دم سے تھیں ایک مخلص اور ہمدرد لڑکی، اس وقت جب تنگدستی تھی اسے نوکری نہ ملتی تھی اور امی اکثر حالات و تنگدستی سے نالاں اسے سخت سست کہہ جاتیں تو یہی لڑکی تھی جو اس کا حوصلہ بڑھاتی آگے جانے اپنا مقام بنانے جدوجہد کرنے کا سبق دیتی بنا کسی لالچ اور غرض کے اکثر چپکے چپکے مدد کرتی رہتی، وہ دن جب سایہ بھی ساتھ چھوڑنے لگا تھا وہ لڑکی اپنی ہمدرد اور مخلص طبیعت سے زندگی سے محبت کرنا سکھاتی تھی بھلا اس کانسی لڑکی کا خلوص و محبت بھول سکتا تھا وہ۔

جسے اپنی کہا تھا پورے خلوص سے دل کی گہرائیوں سے اپنا مانا اور سمجھا تھا جواب خود تکلیف دہ حالات میں تھی اور اپنوں پرایوں کے ناروا رویے سے ذہنی و جسمانی اذیت اٹھا رہی تھی یہ سب حالات یہ ماحول بدلنا اس کے اختیار میں نہیں تھا نہ ہی وہ یہ سب پل میں ٹھیک کر سکتا تھا مگر بہت نہیں تو تھوڑا تو اس کے لئے کر سکتا تھا، خوشی کے کچھ دن اپنی کامیابی و ترقی کا جشن اس کی معیت میں مناتا تو وہ چند لمحے کو سہی مگر بہل جاتی۔

اپنی اچانک ہونے والی پرموشن اور سیلری بڑھنے کے ساتھ گھر و گاڑی کی سہولیات یہ سب اتنا خوش آئند اور اچھا تھا کہ وہ اریبہ کا رویہ و انکار اور اس سے ہونے والی تلخ کلامی اپنی ناراضگی سب فراموش کر چکا تھا، اپنی یہ خوشخبری وہ سب سے پہلے اریبہ سے شیئر کرنا چاہت تھا سو مٹھائی خریدنے کا ارادہ اگلے دن پہ ڈالتے ہو سیدھا گھر کی جانب ہو گیا۔

دھوپ چھاؤں سی طبیعت رکھنے والی، اپنے حالات سے شاکی خود سے لاپرواہ وہ لڑکی ہزار ہا خفگی کے باوجود اسے جاں سے عزیز تھی جسے بہت مان اور عزت سے اپنی زندگی میں شامل کر لینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔

''کتنا خوش ہوگی وہ جب میں اسے اپنی پرموشن کی خوشخبری سناؤں گا، مستقبل سے متعلق اس کی خواہشات خواب سچ ہو گئے اور یہاں تک پہنچنے کی ہمت اس نے بندھائی تھی، بجھتی آنکھوں میں امید کا دیا اسی نے روشن کیا تھا اور یقیناً اس خوشخبری پہ پہلا حق بھی اسی کا ہے جلد ہی وقت نکال کے سب سے پہلے یہ گڈ نیوز اسے ہی سناؤں گا پھر اپنے گھر میں خبر دوں گا۔'' اریبہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس نے احتیاط سے موڑ کاٹا تھا اور یکبارگی ہی دل میں خدشہ سا ابھرا تھا۔

''اگر فون پہ میرے تلخ رویے، سخت الفاظ سے ہرٹ ہوئی وہ تو اس کا کیا ری ایکشن ہوگا اس خوشخبری پر کیا خبر وہ مجھ سے بات کرنا بھی گوارہ کرے یا نہ کرے۔''

بہت نازک تھی وہ اپنی انا و خودداری کی قیدی اور وہاج اسے تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس کی اپنے اوپر کی گئی نوازشات کے علاوہ وہاج کے اپنے جذبے بھی تھے جو اریبہ کے تمام دکھ تمام ذمہ داریاں سارا بوجھ اس کے نازک کندھوں سے اتار کر اپنے مضبوط کندھوں پر رکھنا چاہتا تھا اور وہ کبھی کھل کر اس کی مدد لینے پر تیار ہی نہیں ہوتی تھی اکثر سیدھی بات کو بھی غلط سمجھ لیتی، اسی طبیعت کی بناء پر نوکری والے معاملے میں بھی اسے اچھی طرح دیکھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ ملازمت کے لئے سنجیدہ ہے وہ اس کا ملازمت کرنا برا نہیں سمجھتا تھا خدشہ تھا تو صرف یہی کہ ادھر ادھر نوکری کی تلاش میں بھٹکتی کسی بری جگہ یا غلط سلط لوگوں میں نہ پھنس جائے، بھلے وہ تعلیم یافتہ اور باشعور تھی مگر ایک لڑکی کے لئے قدم قدم پر خطرے تھے برے لوگ جگہ جگہ گھات لگائے بیٹھے تھے، وہ دن بھر باہر رہتا تھا لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا جانتا تھا کہ ایک مجبور، بے بس اور حالات کے دباؤں میں پسی مظلوم عورت کے ساتھ باہر آزاد پھرتے مرد کیا سلوک روا رکھتے ہیں، سو اسے منع کر گیا تھا۔

اریبہ نے اس روک ٹوک کو اچھا سمجھا یا برا کچھ بھی تھا وہاج حسن کا دل شفاف آئینے کی مانند تھا، کوئی کھوٹ کوئی کمی نہیں تھی، اس کے جذبے روز اول کی طرح آج بھی پاک تھے، وہ ہمیشہ کی طرح اس کا خیر خواہ اور مخلص تھا، اسے واہموں اور خدشوں سے واسطہ نہ تھا، غموں اور دکھوں میں گھری اس لڑکی کو جینے خوش رہنے کے تمام رموز سکھانا چاہتا تھا، اسی لئے خود کو ہر فکر سے آزاد کر کے ذہن سے ہر پریشان جھٹک کر وہ مسکرا دیا تھا اور خود تازہ دم محسوس کرنے لگا اپنے خوابوں میں رہنے والی لڑکی کو خوابوں کی تعبیر کا سندیسہ سنانے کے لئے۔

میری آواز کا جادو
تیری آواز کی بانہوں میں
بانہیں ڈالنے کا منتظر
نئے موسم تمہارے جسم کی بنجر زمینوں پر
گلابی پھول کھلنے کی بشارت دے رہے ہیں
تم اپنی ذات سے
محرومیوں اور بے یقینی کے
سبھی پردے اتار دو
اور سمے کے پانیوں میں پھینک کر
میری محبت اوڑھ لو

☆☆☆

کچھ غلط فہمیاں انسان کو اپنی ذات کے بارے میں ہوتی ہیں وہ دور ہو جانی چاہیں تو اچھا ہے وہ بھی اپنی غلط فہمیاں دور کر رہی تھی اس نے سمجھا تھا وہ بہت پر اثر شخصیت کی مالک ہے اس کی محبت

اس کی خوبصورتی میں بڑا اثر ہے وہاج حسن اسی کی محبت و حسن کا دیوانہ ہے وہ دیوانہ بلاشبہ تھا مگر بیگانہ نہیں اس کی دیوانگی و فرزانگی کا اصل کیا تھا شاید وہ واقف ہی نہ تھی سوچ سوچ کر کڑھنا صرف خود کو تکلیف پہنچاتا تھا اور زندگی اسے اتنی فرصت نہ دے رہی تھی کہ وہ بس اسی رخ کو لے کر سوچے جاتی اور سوچنا تھا بھی کیا۔

ویسے بھی ہر چھوڑ کر جانے والا شخص بیوفا نہیں ہوتا اور اسی طرح ہر ساتھ دینے والا شخص آپ کا اپنا نہیں ہوتا، وہاج کو بھی وہ مارجن دے رہی تھی، مجبوری مصلحت کا مارجن خفگی غصہ جو تھا وہ بے بسی بہا کر لے گئی اب وہ قدرے مختلف انداز میں اس کے انکار کو لے رہی تھی اور خود کو تسلیوں پہلاوؤں سے سنبھال رہی تھی جویریہ اور ربیعہ کے نہ صرف کالج کھل چکے تھے، بلکہ کلاسز سٹارٹ تھیں، اماں کو جز وقتی توجہ کی ضرورت تھی جبکہ وہ خود فائنل ایگزامز سر پر ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی سے چھٹی نہ کر سکتی تھی پھر بھی اکثر اسے گھر رہنا پڑھتا، طوبیٰ نے اسے ٹیوشن کا بتایا تھا، وہ دو بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری تھی فیس چار ہزار تھی عام حالات میں شاید وہ یہ فیصلہ نہ کرتی مگر مجبوریاں سب کروا لیتی ہیں۔

انتہائی مخدوش حالات کے باعث وہ رضامند ہو گئی اور طوبیٰ کے ہمراہ جا کر پہلے وہ گھر اور بچے دیکھ کر آئی تھی، دونوں بچے کلاس فائیو اور سکس کے سٹوڈنٹ تھے، انتہائی اسٹریٹ فارورڈ باقاعدہ اس سے انٹرویو لے رہے تھے اور ماں اپر کلاس کی مخصوص فیشن زدہ بیگم صاحبہ ہوں تو ''تم ہو ٹیوٹر ٹھیک ہے بچوں سے مل لو وہ اوکے کر دیں تو باقی کے معاملات طے کر لیں گے۔'' بنا سلیوز کے انتہائی چست شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ محترمہ بولی تو اریبہ کچھ حیران سی ملازمہ کی معیت میں بچوں کے حضور چلی گئی۔

پسندیدہ کارٹون پروگرام پسندیدہ چینل پسندیدہ اداکار کرکٹر، موسم، فلمسٹار، ہر چیز پوچھتے ہوئے پھر موبائل فنکشنز اور ہٹ سسٹم پر آ گئے، اریبہ غائب الدماغی کے عالم میں ہوں ہاں کرتی کرتی گئی کئی بار تو جی چاہا اٹھ کر بھاگ گئے یہ کیا اوچھا طریقہ ہے ملازمت دینے کا پھر مارے باندھے بیٹھ جاتی، آخر خدا خدا کر کے یہ سلسلہ تمام ہوا تو صاحبزادوں نے اسے اوکے کر دیا۔

جبکہ بیگم صاحبہ نے چند شرائط پیش کیں۔

''ہر روز وقت پر آنا ہے چھٹی نہیں کرنی سوائے اتوار کے اگر مجبوری میں ہو جائے تو خود فون کر کے مطلع کرنا ہے وہ بھی ایک دن پہلے، بچوں کو پیار سے پڑھانا ہے، ڈانٹ ڈپٹ یا جھڑکنے کی صورت میں ٹیوشن فیس سے کٹوتی یا چھٹی اور بچے جو جب پڑھنا چاہیں وہی پڑھانا ہے ورنہ صرف انہیں ٹائم دے کر جانا ہے۔''

ہر بات بے تکی اور عجیب تھی اور وہ سب پر سر ہلاتی گئی کہ بیگم صاحبہ نے خود اپنے منہ سے پانچ ہزار ماہانہ دینے کا وعدہ کیا تھا بلکہ پہلے ماہ کی فیس ایڈوانس مل چکی تھی، کام اتنا محنت طلب نہیں تھا ہوتا بھی تو وہ محنت کی عادی تھی تنخواہ مناسب تھی اگر مسئلہ تھا تو دوری کا جاتے ہوئے تو طوبیٰ ساتھ لے چلتی واپسی پہ بسوں میں دھکے کھانا پڑتے مگر پھر بھی یہ سب اسے گوارہ تھا، کیونکہ حالات اس نہج پر کھڑا کر چکے تھے یہاں قطرہ بھی سمندر لگتا اور اپنی مدد آپ کے تحت سب کرنا تھا تو ڈرنا کیسا؟ پہلے

دن بچے جتنے بدتمیز اور تیز نظر آئے آنے والے دنوں میں یہ تاثر قدرے ہلکا پڑا خلاف توقع وہ بڑے آرام سے جو پڑھائی پڑھ لیتے بلکہ اکثر اس سے اپنی خواہشات وارادے بھی شیئر کرتے اریبہ کو ایک خوف سا تھا کہ پتا نہیں وہ یہاں ایڈجسٹ کر پائے گی یا نہیں مگر یہ خوف رفتہ رفتہ زائل ہو گیا، بیگم صاحبہ اکثر غائب ہوتیں گھر سے اگر کبھی مل جاتیں تو سوائے سلام کے کوئی بات نہ ہوتی، وہ گھومنے پھرنے اور پارٹیز اٹینڈ کرنے کی شائق عورت تھی، بچوں کو ملازمین کے سپرد کر کے اپنے سیر سپاٹوں پہ نکل جاتی بلکہ صاحب سے وہ مل نہ پائی تھی، اکثر بزنس کے سلسلے میں وہ دوروں پر رہتے اس کا وقت خیریت سے گزر رہا تھا اس نئی مصروفیت میں، فی الحال کچھ اور سوچ کر وہ ذہن خراب کرنے کی قائل نہ تھی۔

بچوں کو پڑھاتے ہوئے وہ نصف مہینہ سے چند دن اوپر کر چکی تھی آتے ہوئے اس کے سر پر ہمیشہ بلیک پرنٹڈ اسکارف کے ساتھ سوٹ کا ہمرنگ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھا ہوتا بنا کسی لیپا پوتی کے وہ اس سادہ سے حلیے میں بھی اچھی لگا کرتی حالانکہ بیگم صاحبہ نے ایک دوبار ٹوکا بھی تھا کہ ''اتنی خوبصورت ہو تم خود کو ذرا اسنوار کر رکھا کرو یہ ہر وقت ٹوگز کا تنبو لپیٹے کیا ماسی بنی رہتی ہو۔''

اس نے طوبیٰ کو بتایا تو وہ آرام سے بولی۔

''امیر لوگوں کا یہ بھی خبط ہے ماڈرن ٹیچرز رکھنا تا کہ بچے ٹیچر کی لک اور خوبصورتی کے خیال سے زیادہ شوق سے پڑھیں، تمہیں خود میں کیا مشورہ دوں تم سمجھ دار ہو جو مناسب سمجھو اپنے لئے وہی اپناؤ۔'' وہ سادہ حلیے میں جاتی رہی، بچے اب اکثر اس کے جانے سے پہلے کیبل کے چینل لگائے دیکھ رہے ہوتے، اگرچہ ایسا پہلے بھی ہوتا تھا مگر وہ اسے آتے دیکھ کر ٹی وی بند کر لیتے یا چینل بدل ڈالتے، اریبہ کو غصہ آتا مگر خاموشی سے ضبط کرنا پڑتا کہ یہ جاب کی شرائط کے خلاف تھا۔

آج بھی وہ بڑے مجبور اور بے بس انداز میں بیٹھی تھی کیونکہ دونوں بھائی ایک انڈین چینل پہ دکھایا جانے والا مقابلہ حسن براہ راست ملاحظہ کر رہے تھے، یا وہ نظریں چرا کر کمرے کے اردگرد دیکھنے لگتی، جبکہ وہ دونوں بھائی اتنے منہمک تھے کہ پلکیں تک نہ جھپک رہے تھے۔

''کیا عمریں ہیں ان کی بارہ تیرہ سال اور کیا دیکھ رہے ہیں یہ، ان کے والدین آگ و جذبات کے حوالے کر کے ان کو وقت سے پہلے بالغ نہیں بنا رہے؟ یہ عمر ان کی ذہنی شعور راہ راست پہ رکھنے خود کو سنبھالنے، احتیاط کی ہے اور یہ ہیجان انگیزی انہیں کیا سنبھلنے دے گی۔'' وہ دکھ سے سوچ رہی تھی جب بڑے صاحبزادے نے اچانک اسے مخاطب کیا تھا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں چلتی ہوں۔'' اسے ناچار کہنا پڑا۔

''اوکے جائیں۔'' کمال مہربانی سے کہا تھا تو وہ کنپٹیوں کو انگلیوں سے دباتی باہر نکلی پورچ میں کھڑا ویل ڈریس سا بندہ گاڑی میں بیٹھ کر اسے باہر نکال رہا تھا وہ آگے آئی تو مجبوراً سلام کر دیا وہ بندہ لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا۔

''وعلیکم السلام آپ ٹیوٹر ہیں ہنی اور سنی کی۔'' شائستگی سے پوچھا گیا۔

''جی سر۔'' وہ مختصراً جواب دے کر آگے بڑھی۔

''مس کیا آپ کی واپسی ایگزٹ ٹائم سے کچھ شارٹ نہیں۔'' پیچھے سے آواز آئی۔

''ان فیکٹ میری طبیعت ٹھیک نہیں شاید بی پی لو ہو رہا ہے اسی لئے۔''

''میں جمال حیات ہوں بچوں کا والد اگر آپ برا نہ سمجھیں تو آیئے پلیز آپ کو ڈراپ کر دوں۔'' ازراہ ہمدردی اس شخص نے کہا تو وہ اسے نکار کرتے ہوئے یکدم یاد آیا، کہ واپسی کا کرایہ نہیں پیدل جانے سے بہتر ہے سہولت لے لے کچھ سر چکرا رہا تھا وہ تھینکس کہتی آگے بڑھی اور کچھ دیر بعد اپنی گلی کی سامنے نکڑ پر اتری تو اسی پل وہاج موٹر سائیکل لے کر گزرتا رکا تھا، اریبہ مسکراتی نرمی سے شکریہ ادا کرتی پلٹی سامنے ایستادہ وہاج حسن کو دیکھ کر اس کے چہرے پر یک لخت حیرانگی اور تعجب کا تاثر ابھرا جبکہ وہاج کی آنکھوں میں سلگتی کیفیت عجب رنگ لئے تھی۔

☆☆☆

زندگی اس کے ساتھ کیا کر رہی تھی اور اسے کہاں لے جانا چاہتی تھی وہ اس کلیے سے لاعلم تھی، فینگ شوئی پر اعتماد کر کے اپنی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس نے اپنے طور طریقے بدل لئے تھے اور اس چیز سے اس کو ذہنی روحانی بلکہ جسمانی طور پر بھی بہت حد تک پر اعتماد شخصیت میں بدل دیا تھا لیکن مستقبل کیسا گزرے گا یہ علم نہ تھا، مذہب کا خانہ اس کے سامنے ایک بار پھر صفا چٹ ہو گیا تھا۔

بے مذہب زندگی گزارتے رہنے دوسرے مذاہب پر تحقیق اور کئی سالوں کی لاحاصل جستجو کے بعد وہ بدھ مت کی طرف متوجہ ہوئی تھی، کہ شاید گیان دھیان اور یوگا کے ذریعے خدا کی ذات محسوس کر سکے بدھ مت میں بھی عیسائیت کی طرح بعض باتیں حقیقت کے قریب نظر آئیں مگر اس کے بعض پہلوؤں کو وہ سمجھ پائی نہ قبول کر سکی، اس کا ضمیر کہتا تھا کہ ''اگر خدا موجود ہے تو وہ سب کے لئے یکساں انداز میں ہونا چاہیے، اور سچے دین کی صداقت سادہ ہونی چاہیے، ہر کس و ناکس کے لئے قابل فہم اور عیسائیت کے بعد یہودیت پھر جین مت اور اب بدھ مت کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات اس کے لئے بڑا گنجلک مسئلہ بن گئی کہ خدا کو حاصل کرنے کے لئے آخر روزمرہ کی عمومی زندگی کو تج دینا اور معاشرے سے کٹ جانا کیوں ضروری ہے؟''

دلیل اور منطق سے ماورا مذاہب جو بے بہان سی روحانی حیثیت کے حامل تھے، جیسے عیسائیت محض اتوار کا مذہب Sunday religion جیسے عیسائی دنیا میں اتنی بلند و بالا روحانی سطح پر سجا کر رکھا جاتا ہے کہ روزمرہ کی زندگی پر اس کا ہلکا سا پرتو بھی نہیں پڑتا اسے ایسے مذہب کی تلاش تھی جو چوبیس گھنٹے انسانی زندگی سے جڑا رہے اور ہر شعبہ حیات کے لئے رہنما اصول پیش کرے، جس کی تعلیمات ماورائی قصے کہانیوں کی بجائے عقل و شعور کے مطابق ہوں اور آسانی سے سمجھ میں آ جائیں اور ہر قسم کے حالات و ماحول میں قابل عمل ہو۔

مگر ایسا مذہب ایسی رہنما تعلیمات جو جائز انسانی آزادیوں پر قدغن نہیں لگاتے اور انسانی عزت و وقار میں اضافہ کرتے ہیں، ابھی اس کی رسائی سے فاصلے پر تھا اور اس بارے میں سوچتے ہوئے وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔

بدھ مت سے دلچسپی مفقود ہوئی تو جیسے جین سے بھی اس کا دل اچاٹ ہو گیا، وہ جو بدھ مت کو

اپنانے کی جستجو میں چین کے ساتھ بدھ ملکوں تھائی لینڈ، تبت، سری لنکا وغیرہ میں گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا رہی تھی یکدم چین سے بھی جانے کو تیار ہوگئی، ان کے جانے کا سن کر تاشی کو دکھ سا ہوا، وہ نم آنکھوں سے انہیں ملی تھی، کیتھرین کا وفد اپنا دورہ مکمل کر کے اب انڈیا کا رخ کر رہا تھا اور وہ ان کے ہمراہ تھی اگرچہ انڈیا وہ پہلے آچکی تھی مگر تب اور اب میں بڑا فرق تھا، پہلا چکر کچھ دوستی، کچھ سیر و تفریح کی غرض سے اور بہت حد تک بیزاری سے بچنے کا اک بہانہ تھا اس بار وہ صرف تاج محل دیکھنے کی غرض سے پہنچی تھی جو پہلے سجاتا کہ اچانک موت کے باعث دیکھ نہ سکی تھی۔

دہلی کے ہوائی اڈے پر انہیں انڈین سرکاری آفیسرز کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ بھی ریسیو کرنے کو موجود تھے جن میں نیوزی لینڈ کے سفیر بھی بیگم کے ہمراہ پہنچے، اچھے خوشگوار موڈ میں ملتے ہوئے ان سب کو ہوٹل پہنچایا گیا، قیام و طعام کا انتظام بہت اعلیٰ تھا۔

پہلا دن ان کا محض تعارف اور آرام کرنے میں گزرا اگلے دن ان سب کو نئی دہلی میں آئے ہوئے تمام میڈیکل آفیسرز سینئر ڈاکٹرز، سائنسدان اور پیرامیڈیکل سٹاف سے عشائیے پر ملوایا ساتھ ہی ایک مذہبی تہوار میں شرکت کا دعوت نامہ بھی دیا گیا۔

ہندوؤں میں پوجا پاٹ کے حوالے سے کئی تہوار منائے جاتے ہیں ہندو گائے، بندر اور سانپوں کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں بہت متبرک خیال کرتے ہیں، ہندو مہینہ کے حساب سے شیروان کی پانچ تاریخ کو ناگ پنچمی کا تہوار تھا اور انہیں اسی تہوار میں شریک ہونے کا سندیسہ تھا، ماریا اگرچہ ان ہندو رسموں اور تہواروں سے الرجک تھی مگر پھر بھی جانے پہ تیار ہوگئی۔

جذبہ خیر سگالی کے تحت وہ سب علی الصبح کرشنا مندر پہنچے تو خواتین بڑی تعداد میں مندر کے باہر موجود تھیں جبکہ مندر کے باہر پٹاری نما ٹوکریوں میں سانپ بٹھائے گئے تھے، انہیں خصوصی پروٹوکول کے ساتھ ریسیو کیا گیا۔

عورتیں اشنان لیتی نوگزی کی ساڑی زیب تن کئے اپنے ساتھ لائے ہوئے بڑے بڑے پھول سانپ کے سر پر ڈالتیں پھر چمچ سے انہیں دودھ پلاتیں اور ایسا کرتے ہوئے عقیدت کے طور پر جوتیاں اتار دیتی تھیں۔

"ہندو عقائد میں مختلف جانوروں کو دیوتا اور دیوی کا درجہ حاصل ہے اس طرح ان سے خصوصی محبت و عقیدت کی ہے۔"

"یہ سانپوں کو دودھ پلانا یا بندروں کو بھوجن پیش کرنا بھی تبرک ہے کیا۔" کیتھرین نے اچانک پوچھا۔

"بندروں کا بھوجن تو رامائن کتھا کی مجالس میں ہوتا ہے اور میرا خیال ہے یہ بھی ہم اپنے قیام کے دوران دیکھ سکتے ہیں کہ یہ مجالس اکثر ہوتی رہتی ہیں، میں نے بھی سنا ہے یا انڈین موویز میں دیکھا ہے مگر حقیقت میں کیا چیز ہے یہ تہوار مجھے خاص علم نہیں۔" ماریا نے کہا تو ایک میزبان نے آگے آکر انہیں اگنی پوجا دیکھنے کا کہا۔

وہ سب بڑھتے ہوئے اس سمت آرکے یہاں ہر عورت پوجا کی تھالی لئے کھڑی تھی، جس میں جیوتی جل رہی تھی خواتین کی ایک بڑی تعداد تھالیاں اٹھائے ہر ایک مرد کے آگے لے جا رہی تھیں

سب لوگ جلتی ہوئی لوؤں پر ہاتھ پھیر کے چہرے پر پھیر لیتے، آخر میں دیوتاؤں کا حصہ بھی سب کو ذرا چکھایا گیا، یا پھر پنڈت کی نذر کیا گیا، یہ اگنی پوجا تھی جس کے بغیر کوئی پوجا مکمل نہیں ہوتی، پرشاد کے لفافے غیر ملکی مرد و خواتین کو الگ الگ پیش کیے جا رہے تھے، اسے پولی تھین بیگ میں رکھتے ہوئے ماریا نے انہیں بتایا۔

"اسے پنچامرت بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ پانچ چیزوں سے مل کر بنتا ہے۔"

"خوشبو تو اچھی آرہی ہے اگر ہم اسے کھالیں تو......" ان کے ایک رکن نے کہا۔

"اپنے اپنے مائینڈ کی بات ہے کھانا نہ کھانا آپس کی بات ہے کہ اسے پھینکنا بھی ہو تو وہاں یہاں کوئی ہندو نہ دیکھ سکے۔" ماریا ہولے سے بولی۔

"مگر پھینکنا کیوں ہے کھا کر دیکھنا چاہیے تبرک ہے آخر۔" کیتھرین لفافہ کھول کر سونگھتے ہوئے بولی، تو ماریا نے لحظ بھر اپنے اردگرد نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ ہندو گئو ماتا کو پوتر (پاک) مانتے ہیں اس لئے اس کے دودھ سے نکلے دیسی گھی، دہی، دودھ، گوبر اور گوموتر (پیشاب) کے ساتھ کھایا اور تقسیم کیا جاتا ہے۔"

یہ تفصیل سنتے ہوئے ان سب کے چہروں پر کراہیت اور ناگواری کے تاثرات ابھر آئے بھلے وہ ہندو نہ تھے مگر عیسائیت پر بہت پختہ یقین رکھتے تھے، کہ بے اختیار ان میں سے کئی کو تے آتے آتے رہ گئی۔

"مائی گاڈ آج کے اتنے ترقی یافتہ دور میں بھی ایسی جاہلانہ عقیدت و رسوم رائج ہیں اور کیا کوئی مذہب اتنا گندا ہے پیروؤں کو کھلانے یا کھانے کا حکم دیتا ہے۔" کیتھرین نے تھوکتے ہوئے کراہت سے کہا۔

"یہ ہندوستان ہے یہاں پر وہ پاپ (گناہ) یا حرام مکروہ مقدس رسم کا نام ہے دے کر انجام پا جاتا ہے خواہ وہ ودھوا (بیوہ) عورت کو زندہ جلا دینا ہو۔" ماریا نے تاسف سے کہا تو ان کے ہونٹ وا ہونے کے ساتھ آنکھیں بھی تحیر سے کھل گئی تھیں وہ سب حیرت سے ماریا کو دیکھ رہے تھے جو ہندو مت سے متعلق جانکاری (معلومات) دے رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

ہما عامر

''تمہارے باوا کا آج پھر فون آیا تھا، تمہیں اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔'' نانو کی آواز پر اس کا تیزی سے چلتا قلم رک گیا تھا۔

''پھر آپ نے کیا جواب دیا؟'' اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا، اس ذکر سے اسے چڑ سی تھی۔

''میں نے کیا کہنا ہے جواب تو تم نے ہی دینا ہے۔'' نانو نے غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا۔

''منع کر دیجئے، مجھے اپنے نام کے ساتھ ان کا نام لگانا تک پسند نہیں ہے ان کے پاس جا کر رہنے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس نے زہر خند لہجے میں جواب دیا۔

''سمانہ وہ کہہ رہا تھا کہ میں اب بوڑھی ہو چکی ہوں، تمہاری حفاظت نہیں کر پاؤں گی۔'' نانو کی آواز میں ماضی کا درد جھلک رہا تھا اور آنکھوں میں گزرے ہوئے وقت کی پرچھائیاں لہرائی۔

''ان سے کہیے کہ مجھے کمزور سمجھنے کی کوشش نہ کریں، میں مومنہ کی بیٹی ضرور ہوں، پر ان کی طرح کمزور نہیں ہوں، اپنی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتی ہوں۔'' اس نے لفظ خوب چبا چبا کر ادا کیے اور دھپ دھپ کرتی ہوئی چھت پر چلی گئی، ادھورا کالم اپنی حرماں نصیبی کا ماتم کرتا رہ گیا، چھت پر آسٹریلین طوطوں نے پنجرے کے اندر خوب شور مچا رکھا تھا، سمانہ نے ان کا دانہ پانی

مکمل ناول

چیک کیا اور پھر آسمان پر سجی رنگ برنگی پتنگوں کو دیکھ کر وہ اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے لگی، اپنے باپ کا ذکر ہر دفعہ ہی اس کا خوشگوار موڈ خراب کرنے کا باعث بنتا تھا، جب وہ ناسمجھ تھی تو ان کے آنے سے وہ خوش ہو کر ان سے ملتی تھی، پر ہوش سنبھالنے پر جب اسے ان کی اصلیت پتا چلی تھی، اس نے ان سے کلام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، اس کی بدگمانی دیکھتے ہوئے ملک ریاض نے اس سے ملنے کے لئے آنا بہت کم کر دیا تھا، اکثر وہ نانو کو فون کر کے ہی سمانہ کی خیریت دریافت کر لیا کرتے تھے، ملک ریاض کو اس سے بہت محبت تھی، وہ مومنہ کی واحد نشانی تھی، مومنہ جس سے ملک ریاض نے بے حد و حساب محبت کی تھی، مومنہ کے حصول کے لئے وہ ہر حد پھلانگ گئے تھے، ان کی یہی جذباتیت سمانہ کی نفرت کا باعث تھی، برابر والی چھت سے ابھرتی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''ہیلو فرینڈ کیا سوچ رہی ہو؟'' ریلنگ پر ہاتھ ٹکائے وہ محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم کب آئے تمہیں تو نادیہ سواتی کے انٹرویو کے لئے جانا تھا۔'' اسے یاد آیا تو پوچھ بیٹھی۔

''وہیں گیا تھا محترمہ کے حجرے پر، پتا چلا کے ان کے جواں سال بیٹا ون ویلنگ کرتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گیا ہے، سو محترمہ ایم این اے صاحبہ ہسپتال پہنچی ہوئی تھیں، سو میں بقیہ کام نمٹا کر گھر چلا آیا، لیکن تم کیا سوچ رہی تھیں۔'' اس نے پھر سے بات دہرائی۔

''بس غصہ آ رہا تھا نانو بتا رہی تھیں کہ میرے بابا مجھے اپنے پاس بلانے کے لئے اصرار کر رہے ہیں، تم تو جانتے ہو میں ان کے ساتھ رہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس نے زہرخند لہجے میں کہا تو عمر نے سر ہلایا، دونوں کا بچپن ساتھ بیتا تھا، دونوں میں دوستی بھی بہت تھی، عمر جانتا تھا کہ سمانہ کو ملک ریاض سے کس قدر نفرت ہے وہ اکثر اپنے کالمز میں بھی ملک ریاض کی کھنچائی کرتی نظر آتی تھی، ابتدا میں عمر نے اس کو یہ کہہ کر باز رکھنا چاہا تھا کہ وہ محتاط رہے، ملک ریاض بہت با اثر ہیں، لیکن سمانہ نے اس کی بات کو ان سنی کر دیا تھا۔

''ہماری طرف آ جاؤ، اماں نے بریانی بنائی ہے۔'' عمر نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی غرض سے کہا۔

''ارے واہ بھئی میں نے بھی کھیر بنائی ہے میں ایسا کرتی ہوں نانو کو بتا کر تمہاری طرف جاتی ہوں کھیر کا باؤل لے کر، تم گیٹ کھولو۔'' چہک کر بولی تھی، ایسی ہی تھی وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ، دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر بریانی اور پھر کھیر کھائی، ذرا دیر میں وہ سب بھول بھال گئی کہ کس وجہ سے اس کا مزاج برہم ہوا تھا۔

☆☆☆

''آخر کیوں آپ اس لڑکی کو اتنی ڈھیل دے رہے ہیں۔'' وہ ملک ریاض کے سامنے جواب طلب کر رہا تھا اور یہ اس کی ہی جرأت تھی ورنہ پوری حویلی میں اتنی ہمت و حوصلہ کسی میں نہیں تھا کہ وہ ملک ریاض سے جواب طلب کرتا، نہ ہی کسی کو ملک ریاض نے اتنا سر چڑھا رکھا ہے، اپنے اکلوتے بیٹے ملک شایان کو نہیں، جو آج کل پڑھائی کی غرض سے انگلینڈ میں مقیم تھا۔

''دو چار لفظ لکھ کر وہ ہمارا کیا بگاڑ لے گی دنیا جانتی ہے کہ ملک ریاض کتنا فیئر بندہ ہے۔ اس کے لکھے کالمز لوگ ناشتے کی ٹیبل پہ پڑھیں گے اور شام کی چائے پینے تک بھول بھی جائیں گے تم خوامخواہ اثر مت لو۔'' ملک ریاض نے اسے رسان سے سمجھایا۔

''آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ایک دفعہ اس لڑکی سے مل کر اسے اپنے انداز میں سمجھا سکوں۔'' وہ بضد تھا۔

''نہیں ہرگز نہیں، تم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے، ہمیں جب مناسب لگے گا ہم خود ہی اس سے بات کر لیں گے۔'' انہوں نے اسے روکا۔

''میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ اس کے ساتھ نرمی کیوں برت رہے ہیں۔'' جاتے ہوئے وہ کہنا نہیں بھولا تھا اور ملک ریاض کے لبوں پر پھیکی سی مسکان پھیل گئی تھی۔

☆☆☆

نقرئی ہنسی کی جھنکار سن کر وہ عباد کی بات سنتے ہوئے بے اختیار اس کی جانب متوجہ ہوا تھا، معصومیت سے بھرپور حسن کا پیکر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا، کسی بات پر وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی، اس کے ساتھ ایک ماہنامہ کا رپورٹر تھا، وہ اس سے پہلے مل چکا تھا، اس کا نام عمر حسن تھا، لڑکی کا انداز بتا رہا تھا کہ دونوں میں کافی بے تکلفی ہے۔

''سمانہ الیاس ہے یہ صحافت کی دنیا کا ابھرتا ہوا ستارہ۔'' عباد نے اطلاع ہم پہنچائی جسے سن کر اس کے مغرور نقوش تن گئے، گہری براؤن آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں، اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی جا کر سمانہ الیاس سے باز پرس کرے کہ اس کا ملک ریاض سے کیا جھگڑا ہے، کیوں وہ ان کی عزت کو داغدار کرنے پر تل گئی ہے۔

''کیا سوچنے لگے ملک۔'' عباد اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''بہت حساب نکلتا ہے ہمارا اس لڑکی کی طرف، لیکن افسوس کہ یہ موقع مناسب نہیں ہے۔'' اس نے بمشکل خود پر کنٹرول کیا، آنکھیں اب بھی اس لڑکی پر ہی تھیں، وہ عمر حسن کے ساتھ بیرونی گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، وہ منسٹر ہاؤس میں عشائیے میں آیا تھا، یہاں صحافیوں کی ایک بڑی تعداد مدعو تھی، ان میں یہ سمانہ الیاس اور عمر حسن بھی شامل تھے، سمانہ الیاس پر پہلی نظر ڈالتے ہی اس کے دل میں خوبصورت احساس جاگا تھا، مگر دوسرے ہی پل عباد نے اس کا نام بتایا تو وہ بھڑک گیا تھا، پہلی نظر والا احساس شاید سو گیا تھا یا پھر اپنی ہی موت مر گیا تھا، تب ہی تو اسے محسوس بھی نہ ہوا کہ وہ جاگ چکی ہے،

☆☆☆

صبح کا اخبار دیکھتے ہوئے وہ بری طرح چونکا تھا، اندرونی صفحات پر سمانہ الیاس کا کالم تھا۔

''ہمارے جاگیردار اور ان کی عیاشیاں۔''

کالم پڑھ کر اس کی رگوں میں موجود خون میں ابال آنے لگا تھا، اس نے ناشتہ ادھورا چھوڑ دیا، وہ شہر میں زیر تعمیر اپنی کوٹھی پر موجود تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ اس ماہنامہ کے آفس میں تھا۔

سامنے ہی ایک طرحدار لڑکی بیٹھی تھی وہ اس لڑکی کی ٹیبل کے آگے جا رکا، لڑکی نے نظریں اٹھا کر ملک حدید عباس کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ملک حدید عباس کے لئے ستائش تھی، قیمتی کپڑوں اور مہنگی خوشبوؤں میں بسا اس کا وجود کسی بھی لڑکی کے ہوش اڑانے کو کافی تھا۔

''سمانہ الیاس؟'' اس نے سوالیہ انداز اختیار کیا۔

''وہ تو اب تک نہیں آئی۔'' درید عباس کی زبان سے سمانہ کا نام سن کر اس کے لہجے میں مایوسی در آئی تھی۔

''میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتی ہوں۔'' وہ شاید اسے روکنا چاہ رہی تھی، لیکن وہ اس لڑکی کو جواب دینے کے لئے رکا نہیں تھا، تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ایک پل کو ٹھٹک کر رکا اور پھر بیچ راستے میں پھیل کر کھڑا ہو گیا، وہ اپنی جھونک میں سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اوپر آ رہی تھی، ویگن نے آج اسے خوار کیا تھا، دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھی، آگے سیڑھیوں پر اندھیرا محسوس ہوا تو اس نے آنکھیں پوری کھول کر سامنے دیکھا جانے کون شخص تھا جو راستہ روک کر کھڑا تھا اور اس کا ہٹنے کا ارادہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، کٹیلی سی نظروں سے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''راستہ چھوڑو۔'' قدرے بے رخی سے سمانہ نے کہا تھا۔

''اگر راستہ نہ چھوڑوں بلکہ سمانہ الیاس تمہیں اپنے ساتھ ہی لے جاؤں تو کیسا رہے گا۔'' اس کی زبان سے ادا ہونے والے لفظوں میں بڑی کاٹ تھی جسے سمانہ نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

''شٹ اپ، مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ ہاں۔'' وہ اعتماد کے ساتھ گویا ہوئی۔

''ملک ریاض کے ساتھ کیا دشمنی ہے تمہاری، سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے ان کا نام کیوں استعمال کر رہی ہو، کیوں انہیں بدنام کر رہی ہو۔'' وہ بدستور راستہ روکے کھڑا تھا۔

''اوہو، تو انہوں نے تمہیں بھیجا ہے بہت خوب۔'' اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سمٹ آئی۔

''امید نہیں تھی کہ وہ اس قدر گر سکتے ہیں مجھے دھمکانے کے لئے کرائے کے لئے غنڈے کو بھیج دیں گے۔'' حالانکہ شکل و صورت سے وہ کوئی شہزادہ لگ رہا تھا، غنڈہ تو ہرگز ہی نہیں مگر گرمی نے سمانہ کے حواس خبط کر رکھے تھے۔

''او ہیلو، نہ تو انہوں نے مجھے بھیجا ہے اور نہ ہی میں کوئی غنڈہ ہوں، تمہارے قلم کے ساتھ ساتھ تمہاری زبان کی دھار بھی بہت تیز ہے، مگر مجھے اچھے اچھوں کو سیدھا کرنا آتا ہے، تو تم کیا چیز ہو سمانہ الیاس، میں تمہیں وارن کر رہا ہوں کہ آئندہ سے تم ملک ریاض کے متعلق کچھ نہیں لکھو گی اور اگر لکھنے کی غلطی کر ہی لی تو پھر سمجھ لینا کہ اب اس شہر میں تمہارا گزارہ نہیں ہو گا۔'' اس نے انگلی اٹھا کر کھلے لفظوں میں دھمکی دی اور پھر سامنے سے پرے ہو کر سیڑھیاں اترتا چلا گیا، سمانہ گردن موڑ کر اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی، اس کا چہرہ غم و غصہ سے سرخ ہو رہا تھا، شام کو گھر پہنچنے پر لاؤنج میں نانو کے ساتھ نشست سنبھالے ملک ریاض کو دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے، بجائے اپنے کمرے میں جانے کے وہ لاؤنج میں چلی آئی سمانہ کو اپنی نظروں کے سامنے پا کر ملک ریاض کے چہرے پر نرم سی مسکان پھیل گئی۔

''ادھر آؤ بیٹا! میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

''میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لئے یہاں نہیں آئی ہوں، آپ کو ایک بات بتانا چاہتی ہوں کہ آپ کا بھیجا ہوا غنڈہ مجھے ڈرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔'' وہ انتہائی بدتمیزی سے گویا ہوئی۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو، کس غنڈے کی بات کر رہی ہو تم، میں نے تو کسی کو نہیں بھیجا۔'' ملک ریاض کے عضلات تن گئے۔

''اگر آپ نے اسے نہیں بھیجا تو پھر اسے

تکلیف ہے، میں آپ کے بارے میں اپنے کالمز میں کچھ بھی لکھوں وہ کون ہوتا ہے مجھے دھمکانے والا۔'' سمانہ کی نظروں میں اب تک اس شخص کا چہرہ گھوم رہا تھا، اس کا ہٹ دھرم انداز یاد کر کے نئے سرے سے اس کا خون کھول گیا، سمانہ کا آخری فقرہ سن کر ملک ریاض کے دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

''ملک درید نے کسی کو بھیجا ہو گا، میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔'' ان کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

''اگر سمانہ کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو؟ مجھے ملک درید سے بات کرنی ہی ہو گی۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے، جبکہ سمانہ ان کی خاموشی کو اعتراف سمجھتے ہوئے کھٹ کھٹ کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی، دل میں بسی بدگمانی کے سائے کچھ مزید گہرے سے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

''نانو آپ ٹھیک ہیں؟'' نانو کو نڈھال سے انداز میں بیٹھے دیکھ کر وہ بدحواس ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا!'' ان کے چہرے پر زردی کا رنگ چھا گیا تھا۔

''نانو آپ اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتیں، چلئے ڈاکٹر طلعت سے آپ کا چیک اپ کروا کر آتے ہیں۔'' وہ سر ہو گئی۔

''نہیں، تم آفس جاؤ شام کو چلیں گے۔'' انہوں نے ٹالنا چاہا۔

''ابھی چلتے ہیں، شام تک آپ کو آرام بھی آ جائے گا۔'' نانو بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔

''سمانہ آج تمہیں رپورٹنگ کے لئے جانا ہے، بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' ان کا ہاتھ بدستور سینے پر تھا، انہیں اپنی دھڑکن کی تیز ہوتی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی، سانس لینے میں بھی رکاوٹ محسوس ہو رہی تھی۔

''میں اس حال میں آپ کو تنہا چھوڑ کر چلی جاؤں؟'' اسے نانو کی ضد اچھی نہیں لگی۔

''میں دوا لے کر آرام کروں گی تو طبیعت بہتر ہو جائے گی، پھر بھی اگر ضرورت پڑی تو میں بتول کو بلا لوں گی۔'' انہوں نے عمر کی والدہ کی بابت کہا، تو سمانہ کو کچھ تسلی ہوئی، پھر اس نے آفس کے لئے نکلنے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے نانو کو دوا کھلائی اور پھر گھر سے نکلی، البتہ اس کے دل میں بے چینی نے گھر کر لیا تھا، پورا دن کام کے دوران وہ نانو کو ہی سوچتی رہی، شام کے چھ بجے تھے جب وہ گھر کے دروازے پر پہنچی تھی، چابی سے اس نے آٹومیٹک لاک کھولا اور اندر آ گئی، گھر پر سکول سکوت طاری تھا، جسے محسوس کر کے اس کا دل ہول گیا۔

''نانو!'' اس نے آواز لگائی مگر جواب خاموشی نے دیا، کچن خالی تھا، اس نے پھر پکارا۔

''نانو!'' اب اس کے قدم نانو کے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے، اس نے تیزی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی، کمرے کی فضا میں گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی، نانو بستر پر دراز تھیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ انہیں صبح چھوڑ کر گئی تھی، اس نے لڑکھڑاتے قدموں سے بستر تک کا فاصلہ طے کیا اور قریب آ کر ان کے چہرے کی جانب دکھا، ان کے چہرے پر سکون تھا اور لبوں پر مسکان ٹھہری سی گئی تھی۔

''نانو!'' اس نے آگے بڑھ کر انہیں جھنجھوڑ ڈالا، لیکن ان کے ساکت وجود میں جنبش نہ ہوئی۔

''نانو! آنکھیں کھولئے، میں آپ کے بغیر کیسے جیوں گی۔'' ایک پل میں ہی اسے اس

سفاک حقیقت کا ادراک ہو چکا تھا کہ نانو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور وہ فرش پر بیٹھ کر شدت سے رونے لگی۔

اس نے بتول آنٹی کو اطلاع کرنا چاہی تو ملازم سے پتا چلا کہ وہ لوگ کل رات ہی ساہیوال چلے گئے ہیں عمر کے دادا کا وہاں انتقال ہو گیا تھا، پھر زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے موبائل سے ملک ریاض کا نمبر ملایا، ملک ریاض نے وہاں آ کر بنا اس کے کچھ کہے تمام انتظامات سنبھال لئے تھے، نانو کے پر شفقت وجود کو کفن میں لپٹا دیکھ کر وہ ہذیانی انداز میں رونے لگی تھی، اس کے آنسو ملک ریاض کے دل کو چرکہ لگا رہے تھے، نانو کی تدفین سے واپس آ کر وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے، محلے کی خواتین بھی اپنے گھروں کو جا چکی تھیں، اس وقت گھر میں دونوں باپ بیٹی ہی موجود تھے۔

''بیٹا! ہمارے ساتھ اپنے گھر چلو اب تمہارا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں ہے۔'' وہ اس کا متورم چہرہ بغور دیکھ رہے تھے، مومنہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی وہ ملک ریاض کی بات پوری سن کر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں اس گھر میں ہی رہوں گی، آپ کا شکریہ کے آپ نے اس کڑے وقت میں میرا ساتھ دیا۔'' وہ عام سے لہجے میں بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئے۔

ایک کام کے سلسلے میں وہ اپنے دوست امتیاز سے ملنے آیا تھا، امتیاز گرلز کالج کا پروفیسر تھا، دوپہر کا وقت تھا سو اس نے سوچا کہ امتیاز سے کالج میں ہی ملاقات کر لے، شام میں اسے گاؤں جانے کے لئے نکلنا تھا، کالج کے باہر وہ گاڑی میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ لڑکیوں کا ہجوم چھٹے تو وہ مین گیٹ سے اندر داخل ہو، چھٹی ہو چکی تھی، سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیاں ہنستی مسکراتی باتیں کرتی ہوئی اپنی اپنی منزل کی جانب رواں تھیں، ملک ریاض کی نظریں یونیفارم میں ملبوس اس لڑکی پر ٹک گئی تھی جو ابھی گیٹ سے باہر آئی تھی، وہ لڑکی اسی جانب آ رہی تھی، جہاں سائیڈ پر ریاض نے اپنی گاڑی پارک کی تھی، اس پری پیکر کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی۔

''کل آؤ گی نہ مومنہ؟'' دوسری لڑکی نے اس پری پیکر سے پوچھا، جواب میں اس نے کیا کہا، ریاض یہ سن نہیں پایا، وہ تو اس کی گہری جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوبا ابھرنے کی تگ و دو کر رہا تھا، وہ دونوں اس کی گاڑی کے نزدیک سے گزرتی چلی گئیں اور اس روز ملک ریاض کو پہلی بار زندگی میں زندگی کا احساس ہوا تھا، ساتھ ہی دل کے کسی کونے میں شرمساری کا احساس بھی جاگا تھا کہ وہ اپنی گاؤں میں موجود بیوی کے ساتھ خیانت کا مرتکب ہو رہا تھا، زہرہ جو ملک ریاض کے چھ ماہ کے بیٹے کے ہمراہ اس کی واپسی کی منتظر تھیں ملک ریاض نے مومنہ کے خیال کو جھٹکتے ہوئے کالج کے گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے، یہ ملک ریاض کی غلط فہمی تھی کہ وہ مومنہ کے خیال کو جھٹک چکا ہے، رات کی تنہائی میں شدت سے پھر اس کا خیال حملہ آور ہو چکا تھا اور جب وہ چاروں شانے چت ہو گیا تو دوسرے روز امتیاز کے گھر جا پہنچا اور اس سے مدعا بیان کیا، اس نے اگلے ہی دن معلومات اکٹھی کیں اور بتایا۔

''مومنہ نام کی تین لڑکیاں کالج میں زیر تعلیم ہیں۔'' امتیاز سوچتے ہوئے بولا، ریاض بے قراری سے اس کی جانب متوجہ تھا۔

''ایک ڈرائیور کے ساتھ ذاتی گاڑی میں جاتی ہے۔''

''نہیں یہ وہ مومنہ نہیں ہو سکتی۔'' ملک

ریاض کی نظروں میں اس کا سراپا لہرایا، امتیاز نے اسے مسکرا کر دیکھا دونوں میں کالج کے ٹائم سے دوستی تھی، جاگیرداروں کی کبھی اور کسی بھی وقت ہو جانے والی محبت سے وہ بخوبی واقف تھا یہ اس کے لئے حیران کن نہیں تھا۔

''دوسری مومنہ وین سے گھر جاتی ہے اور تیسری کا گھر کالج سے نزدیک ہے، وہ دوسری طالبات کے ساتھ پیدل ہی اپنے گھر جاتی ہے۔'' امتیاز سوچ سوچ کر بتا رہا تھا۔

''ہاں تو بس یہ تیسری والی ہی میری مومنہ ہے۔'' ریاض بے اختیار بول اٹھا، اس کے میری مومنہ کہنے پر امتیاز کھل کر مسکرا دیا، دولت جن کے گھر کی باندی ہو، طاقت ان کی دسترس میں ہی ہوتی ہے، سو وہ کبھی بھی، کسی کو بھی اپنی طاقت کے بل پر حاصل کر سکتے ہیں، یہ بات امتیاز اچھی طرح جانتا تھا۔

''اب آگے کیا کرنا ہے۔'' امتیاز آگے کا لائحہ عمل جاننے لگا۔

''تم مجھے اس کے گھر کا ایڈریس لا دو میں اس کے والدین سے ملنا چاہتا ہوں۔'' ریاض نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''اوکے جو تم بہتر سمجھو پر مجھے لگتا ہے کہ وہ بہت کم عمر ہے۔'' امتیاز نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''میں نے کون سا اس سے دیگیں پکوانی ہیں۔'' اس کی اپنی منطق تھی اور پھر دو روز بعد وہ اپنے مطالبے کے ساتھ ماسٹر الیاس کے چھوٹے سے گھر کے آنگن میں موجود تھا۔

''میں آپ کی بیٹی مومنہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' ملک ریاض کا مطالبہ سن کر ماسٹر الیاس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ مومنہ ابھی کم عمر ہے ہم اس کی شادی نہیں کر سکتے، پھر وہ اپنے خالہ زاد سے منسوب بھی ہے۔'' ماسٹر الیاس کو اس کا یوں منہ اٹھا کر رشتہ مانگنے کے لئے چلے آنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا، ان کے ساتھ آئے قیمتی ساز و سامان میں ماسٹر الیاس کے لئے کوئی کشش نہیں تھی، وہ ہائی اسکول کے ٹیچر تھے، خود داری ان کا وصف تھی، مومنہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی، جس کی جھلک کچھ لمحوں پیشتر ملک ریاض دیکھ کر تصدیق کر چکا تھا کہ وہ صحیح جگہ آ پہنچا ہے۔

''ماسٹر صاحب آپ تسلی سے سوچ لیجئے ہم پھر آئیں گے، رہی منگنی کی بات وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے، یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ اپنی بات کہنے کے بعد رکے نہیں تھے، لیکن ماسٹر الیاس اس لمحے اپنے آپ کو بہت کمزور سمجھنے لگے تھے۔

''اب کیا ہو گا ماسٹر صاحب۔'' ان کی زوجہ آمنہ جو کہ دروازے کے دوسری جانب کھڑی تمام گفتگو سن رہی تھیں، ملک ریاض کے جانے کے بعد فوراً لپک کر آنگن میں آئی تھیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا آمنہ کہ کیا کروں، کیا جواب دوں گا ملک ریاض کو۔'' آج شدت سے انہیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہو رہا تھا۔

''ہمارا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے، پھر ان جاگیرداروں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، آج جسے سر پر بٹھائیں گے، کل اسے پیروں کی دھول بناتے انہیں دیر نہیں لگتی، میں ملک ریاض کو منع کر دوں گا، جو ہو گا دیکھا جائے گا، تم کل ہی اپنی بہن سے بات کرو، اسے شادی کی تاریخ طے کرنے کا کہو۔'' انہوں نے سوچ کر کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ آپا اس قدر افراتفری میں شادی کے لئے مانیں گی، پھر ابھی کامران کو نوکری بھی نہیں ملی۔'' آمنہ بے حد متفکر لگ رہی

تھیں اور وہ جو اس سارے قصے کا مرکزی کردار تھی، وہ کمرے کے اندر چارپائی پر بیٹھی آنے والے وقت کی آہٹیں سنتے ہوئے ہول رہی تھی، دوسرے دن آمنہ بیگم صبح ہوتے ہی شاکرہ آپا کی طرف گئیں اور مایوس لوٹ آئیں، شاکرہ آپا کے مالی حالات بیٹے کی شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے، انہوں نے انتظار کرنے کے لئے کہا تھا۔

☆☆☆

"ماسٹر صاحب میں آپا کی طرف گئی تھی انہوں نے منع کر دیا۔" آمنہ بیگم نے بجھے دل سے کہا۔

"مجھے یہی خدشہ تھا بہرحال آنے دو ملک ریاض کو میں انکار کر دوں گا۔" مومنہ چائے لے آئی تو ماسٹر الیاس چائے پینے لگے چہرے پر فکر و تردد کی تحریر رقم تھی، دو روز بعد شام کے وقت ملک ریاض کی دوبارہ آمد ہوئی،، ماسٹر الیاس نے ہی دروازہ کھولا تھا، مومنہ اندر کمرے میں جا چکی تھی، ملک ریاض کو اپنے سامنے دیکھ کر ماسٹر صاحب کا بجھا ہوا دل مزید بجھ گیا۔

"السلام علیکم۔" وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اندر چلا آیا۔

"پھر کیا سوچا آپ نے۔" اس کے مخاطب ماسٹر الیاس تھے، جبکہ آمنہ بیگم ایک جانب کھڑی تھیں۔

"آپ بیٹھیے، آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" ماسٹر الیاس نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں آج میں ذرا جلدی میں ہوں، آپ بتائیے آپ نے کیا طے کیا ہے۔" ملک ریاض نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا جیسے واقعی کہیں جانے کی جلدی ہو۔

"بات کچھ یوں ہے کہ ہم مومنہ کی شادی خاندان سے باہر کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اس کی منگنی توڑنے کے حق میں نہیں ہیں۔" کچھ توقف کے بعد ماسٹر الیاس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا، ان کی بات سن کر ملک ریاض کے نقوش ایکدم تن سے گئے، چہرے پہ ناگواری کے تاثرات پھیل گئے۔

"صاف صاف کہیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔" ملک ریاض نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کو مایوس لوٹاتے ہوئے شرمندہ ہوں میں اپنی بیٹی کی شادی آپ سے نہیں کر سکتا۔" ماسٹر الیاس نے سبھاؤ سے کہا، ان کی بات سن کر ملک ریاض کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"چلیں یہ بھی ٹھیک ہے، آپ کو جو مناسب لگا وہ آپ نے کہا اور مجھے......" وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

"اچھا میں چلتا ہوں، دعا ہے کہ آئندہ آپ سے کسی اچھے موقع پر ہی ملاقات ہو۔" وہ انہیں حیران چھوڑ کر چلا گیا، ماسٹر الیاس اور آمنہ بیگم ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

"اس نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا اور اس طرح چلا گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" آمنہ بیگم پریشان تھیں۔

"اللہ میری بیٹی کے حق میں بہتری کرے۔" ماسٹر الیاس کے دل میں اچانک اضطراب نے گھر کر لیا اور مومنہ وہ تو اندر ہی اندر سہم رہی تھی، جیسے کوئی طوفان اس کا راستہ دیکھ رہا ہو۔

☆☆☆

دو روز بعد آج وہ کالج آئی تھی، کالج میں کلاسز اور پھر دوستوں کے ساتھ باتوں میں اس کا دل بہل گیا تھا، کالج سے نکلنے میں اسے دیر ہو گئی تھی، اس کی ساتھ کی لڑکیاں جا چکی تھیں، وہ متوازن چال چلتی ہوئی گلی میں داخل ہو گئی، گلی

میں ایک طرف بلیک سٹی کھڑی تھی، وہ اپنی دھن میں گاڑی کے نزدیک سے گزرنے لگی تھی کہ یکا یک کسی نے اسے گاڑی کے اندر کھینچ لیا تھا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

☆☆☆

"دوپہر سے رات ہو گئی ہے آخر ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" آمنہ بیگم کے لئے قیامت کے پل تھے مومنہ صبح کالج گئی تھی اور اب تک لوٹی نہیں تھی۔

"سب ممکنہ جگہوں پر دیکھ آیا ہوں، اس کی تمام سہیلیوں کے گھر گیا تھا، کالج میں بھی دیکھ آیا ہوں، پر اس کا کہیں پتا نہیں چلا۔" ماسٹر الیاس ایکدم بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے۔

"اب کیا ہو گا ماسٹر صاحب۔" آمنہ بیگم کو بیٹی کی فکر تو تھی ہی پر ساتھ ہی متوقع بدنامی کا سوچ کر ان کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔

"نجانے مومنہ کس حال میں ہو گی۔" آنسو ان کی آنکھوں کا در چھوڑ کر چہرے پر پھسلے جا رہے تھے، سیاہ رات نے اجالے کی چادر اوڑھ لی تھی۔

"ماسٹر صاحب اب میرا صبر جواب دے چکا ہے، خدارا آپ تھانے جا کر رپورٹ درج کروائیے، میری بیٹی پر جانے کیا مصیبت ٹوٹی ہے۔" آمنہ بیگم کا صبر چھلک چکا تھا، ماسٹر الیاس جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ اٹھے تھے، تاکہ تھانے جا کر رپورٹ لکھوا سکیں، اسی اثناء میں کمرے کے اندر رکھے ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی، دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دوسرے ہی پل دونوں اندر کی جانب لپکے، ماسٹر الیاس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" وہ دوسری جانب سے آنے والی آواز سننے لگے، لمحہ لمحہ ان کے چہرے کی رنگت متغیر ہوتی جا رہی تھی، فون بند کر کے وہ نزدیکی صوفے پر گر سے گئے۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بستر پر لیٹے پایا، وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی، اس کا سر چکرا رہا تھا، اسے یاد آیا کہ وہ کالج سے گھر جا رہی تھی کہ کسی نے اسے گاڑی کے اندر کھینچ لیا تھا اور پھر اچانک اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا تھا، نجانے کتنا وقت گزرنے کے بعد اسے ہوش آیا تھا، اس نے اردگرد نظر دوڑائی یہ ایک درمیانے سائز کا کمرہ تھا اس کا دوپٹہ سائیڈ پر رکھا تھا جسے اس نے اٹھا کر شانوں پر پھیلا لیا اور بیڈ سے نیچے اتر آئی، دائیں جانب دروازہ تھا جو کہ اس وقت بند تھا، اس نے دروازے کے پاس پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"کوئی ہے دروازہ کھولو، مجھے باہر نکالو۔" وہ دروازہ پیٹنے کے ساتھ ساتھ خود بھی چیخ رہی تھی کافی دیر تک جب دوسری جانب کوئی ردعمل نہ ہوا تو وہ تھک ہار کر بستر پر آ بیٹھی۔

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے، مجھ سے کوئی کیا چاہتا ہے۔" وہ سوچنے لگی پر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کافی وقت اسی طرح گزر گیا، باہر سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی، وہ اضطراب کے عالم میں ہاتھ ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی، دروازہ باہر سے کھولا گیا تھا اور اب کوئی ذی نفس اندر داخل ہوا تھا، مومنہ اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر پتھر کا بت بن گئی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہونے والا شاندار مرد ملک ریاض تھا، لبوں پر گہری اور پر غرور مسکراہٹ لئے وہ والہانہ انداز میں مومنہ کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے، مجھے واپس

جاتا ہے۔" وہ خود کو سنبھال کر گویا ہوئی۔

"لانے کا مقصد بھی بتا دیتا ہوں اور رہی گھر کی بات تو اب جہاں میں رہوں گا وہی تمہارا گھر ہوگا، تمہیں یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ تم میرا چین اور قرار لوٹ چکی ہو، تمہارے بغیر اب زندگی مجھے بہت مشکل لگنے لگی ہے، یہاں اسی گھر میں ہمارا نکاح ہوگا، بہت جلد۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"یہ کیا بکواس ہے، میں انگیجڈ ہوں، ہمارے ہوں اس طرح شادیاں نہیں ہوتیں۔" وہ چلا کر بولی۔

"میں نے اپنی سی کوشش کر لی کہ ہماری شادی روایتی انداز میں ہو، مگر ماسٹر صاحب کو اس پر اعتراض ہوا سو مجھے یہ دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔" وہ پرسکون انداز میں بولا۔

"میں اس شادی پر تیار نہیں ہوں، مجھے میرے گھر بھجوا دو۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہیں خود سے دور کر دوں، رہی شادی کی بات تو یہ تم پہ منحصر ہے، تمہاری کیا مرضی ہے، رہنا تو تمہیں میرے سنگ ہی ہے، میں تو تمہیں جائز طریقے سے حاصل کرنا چاہتا ہوں، تم کیا چاہتی ہو شام تک سوچ کر جواب دے دو، اگر بیوی بننا چاہتی ہوں تو بھی سر تسلیم خم ہے، کچھ دیر بعد میری ملازمہ تمہیں عروسی سامان دے جائے گی شام تک تیار ہو جانا۔" وہ اٹل لہجے میں کہتا چلا گیا، جبکہ مومنہ کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی اس کی کھلی ڈلی گفتگو سن کر، ملک ریاض کے بعد اس کی ملازمہ عروسی لباس اور دیگر سامان لے کر کمرے میں آئی تھی، تب مومنہ نے فیصلہ کر لیا اور ملازمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ملک ریاض اس کے والدین کو بلوا لے تاکہ وہ اکلوتی بیٹی کے نکاح میں شریک ہو سکیں، کچھ ہی دیر بعد اس کے والدین کو لایا گیا اور یوں وہ ملک ریاض کی دوسری بیوی بنا دی گئی، اس کے اندر سے جینے کی امید ختم ہو چکی تھی، وہ مٹی کی ایک ایسی مورت تھی جو سانس لیتی ہے، لیکن اس کے اندر سے زندگی ناپید ہو چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ اس کے غریب باپ کے پاس نہ تو دولت کے انبار ہیں نہ ہی وسائل ہیں کہ وہ اسے ملک ریاض جیسے طاقتور شخص کے چنگل سے چھڑا سکے۔

☆☆☆

ملک ریاض ہر پل مومنہ سے محبت کا دم بھرتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ مومنہ ہنستی مسکراتی رہے، اسی آس میں وہ مومنہ کو ہر آسائش مہیا کر رہا تھا، مگر مومنہ کے لبوں سے ہنسی روٹھ گئی تھی، وہ ملک ریاض کے بچے کی ماں بننے والی ہے، دوسری یہ کہ ماسٹر الیاس نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لیں تھیں، مومنہ کا غم انہوں نے دل سے لگا لیا تھا، دنیا نے الگ ان کا جینا دشوار کر دیا تھا، دونوں خبروں نے مومنہ کو بے تحاشا رلایا تھا، باپ سے ابدی جدائی اور ماں کی تنہائی کے احساس سے اس کا دل پھٹنے لگا تھا، اسے ملک ریاض سے نفرت تھی سو اپنی زندگی سے بھی عداوت ہو چلی تھی، وہ ہرگز بھی ملک ریاض کے بچے کی ماں نہیں بننا چاہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات ضائع کر دیتی تھی، دوسری جانب ملک ریاض کی سرشاری کا عالم ہی جدا تھا، وہ تو یوں خوش تھا جیسے پہلی بار باپ بننے جا رہا ہو اور کیوں نہ ہوتا، مومنہ کو اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا، جس طبقے سے اس کا تعلق تھا، وہاں من پسند چیز کو طاقت کے بل پر حاصل کرنا معیوب نہیں تھا اور یہی ملک ریاض نے کیا تھا، مومنہ کو حاصل کر کے ملک ریاض زیادہ تر اس کے پاس شہر میں ہی رہتا تھا، بہت کم وہ گاؤں جاتا تھا، جوں جوں مومنہ کی ڈیلیوری کے دن نزدیک آ رہے تھے، ملک ریاض بے قرار سا رہنے لگا تھا، مومنہ کی گائناکولوجسٹ کے مطابق مومنہ بہت کمزور بھی۔

وہ جاڑے کی ایک اداس شام تھی جب مومنہ نے ایک گل گوتھنے سے وجود کو جنم دیا تھا، اس کا بلڈ پریشر بہت ہائی تھا، اسی رات اس کے دل میں شدید درد اٹھا تھا جو اس کی جان لے کر ہی ٹلا تھا، وہ اپنی بیٹی کو بنا دیکھے ہی چلی گئی تھی، اس کے لئے یہ خیال جان لیوا تھا کہ اس نے اپنے جیسی ہی ایک کمزور مخلوق کو جنم دیا ہے، مومنہ کے مرنے کا سن کر ملک ریاض کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا، آمنہ بیگم ننھی سی نواسی کو اپنے گھر لے آئیں، ملک ریاض کو چار دن بعد ہوش آیا تھا، اسے سنبھلنے میں بہت وقت لگا تھا، جب وہ اپنی بیٹی کو لینے ماسٹر الیاس کے در پر آیا تو آمنہ بیگم نے ہاتھ جوڑ کر اس سے التجا کی کہ وہ سمانہ کو ان کے پاس رہنے دے، جانے کیوں ملک ریاض خالی ہاتھ لوٹ گیا۔

☆☆☆

نانو کو گزرے آج پانچ روز ہو چکے تھے، دن میں پڑوس کی عورتیں اس کے پاس بیٹھنے کے لئے رات کو گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، خفیف سے خوف کا احساس بھی اس کے چاروں جانب پھیل جاتا تھا، عمر نہ تو خود آیا تھا نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا تھا، اسے خود بھی عمر سے رابطہ کرنے کا خیال نہیں آیا تھا، البتہ ملک ریاض دن میں دو مرتبہ لازمی اسے کال کرتے تھے، ایسے میں کہ جب اس کے پاس کوئی اپنا نہیں رہا تھا اسے ملک ریاض کے فون کا لاشعوری طور پر انتظار رہتا تھا، ایسا نہیں تھا کہ اس نے ملک ریاض کو معاف کر دیا تھا، اس وقت بھی بستر پر لیٹے لیٹے یہی سوچیں اسے ڈس رہی تھیں کہ اگر ملک ریاض نے مومنہ کو جبراً حاصل نہ کیا ہوتا تو آج وہ ایک مکمل گھر میں زندگی گزار رہی ہوتی، ماں ہوتی، باپ ہوتا، چاہے غریب ہی ہوتا، بہن بھائی ہوتے، ملک ریاض کی ہٹ دھرمی نے تو اسے تنہا کر دیا تھا۔

"میں آپ کو کبھی بھی معاف نہیں کروں گی۔" اس نے اپنا عہد دہرایا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے ملک ریاض صاحب آپ بہت بے چین لگ رہے ہیں۔" زہرہ نے خلاف مزاج استفسار کیا، وہ جانتی تھی کہ اتنے ماہ و سال ملک ریاض کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی وہ اس کے دل میں اس جگہ کو حاصل نہیں کر پائی جہاں مومنہ مرنے کے بعد بھی براجمان ہے، آج کل تو ملک ریاض پر ہر وقت بیٹی کی فکر سوار تھی۔

"آہاں...... سمانہ کی وجہ سے پریشان ہوں، وہ شہر میں تنہا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کے پاس جاؤں اور ایک دو ملازم اس کے پاس چھوڑ آؤں، پر یہاں ایک کے بعد ایک کام نکلا چلا آ رہا ہے۔" ملک ریاض نے جھنجھلا کر کہا۔

"ملک درید بھی امریکہ گیا ہوا ہے، ورنہ وہ یہاں ہوتا تو آپ کو جاگیر کی فکر نہ ہوئی، آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ سمانہ کو یہاں حویلی میں لے آئیں۔" زہرہ نے سادگی سے کہا وہ ان عورتوں میں سے تھیں جو شوہر کے پالتو جانور سے بھی پیار کرتی ہیں، سمانہ تو پھر ملک ریاض کی بیٹی تھی۔

"کوشش کروں گا کہ وہ یہاں آنے پر رضا مند ہو جائے، شایان کا کب تک آنے کا ارادہ ہے پڑھائی تو ختم ہو چکی۔" ملک ریاض نے بیٹے کے بارے میں استفسار کیا۔

"آج بات ہوئی تھی اس سے کہہ رہا تھا آپ کو کل فون کرے گا۔" زہرہ نے بتایا، ملک ریاض نے سر ہلا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھا

لی، اس کا مطلب تھا کہ اب وہ مزید کوئی بات نہیں کریں گے، سو زہرہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

☆☆☆

کھٹکے کی آواز پر اس کی آنکھ کھل گئی تھی، خوف محسوس ہوتے ہی وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی، اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکلتی، اچانک صحن کے جانب دھپ دھپ کی آواز آئی، جیسے صحن میں دیوار سے کوئی کودا ہو، آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ کودنے والے ایک سے زیادہ ہیں، خوف کی ایک شدید لہر اس کے رگ وپے میں سرائیت کر گئی، زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ ایک کمزور لڑکی ہے، گھر میں داخل ہونے والوں کے ارادے نجانے کیا ہیں، وہ اس سے کیا چاہتے ہیں، اس کا وجود ہولے ہولے کانپنے لگا تھا، اسی اثناء میں اس کے کمرے کا دروازہ پیٹا جانے لگا، وہ چند لمحے تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کو دیکھتی رہی، پھر یکایک اسے امید کی کرن نظر آئی، اس نے نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں بیڈ پر سے سیل فون اٹھایا اور اپنی بائیس سالہ زندگی میں دوسری بار ملک ریاض کا نمبر ملایا، اس یقین کے ساتھ کے وہی اسے بچا سکتے ہیں۔

''یس ملک ریاض اسپیکنگ۔'' دوسری جانب سے غنودہ سی آواز سنائی دی۔

''میں...... میں سمانہ بول رہی ہوں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' اس نے رک رک کر دھیمی آواز میں بتایا۔

''ہاں بیٹا بولو کیا ہوا؟'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''گھر میں کوئی گھس آیا ہے اور میرے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، میں کیا کروں۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

''اوہ گاڈ!'' چند لمحے خاموش ہو کر سوچنے لگی اور پھر گویا ہوئے۔

''جس علاقے میں تم موجود ہو، میں وہاں کے ایس پی کو کال کرتا ہوں، تھانہ زیادہ دور نہیں ہے، تم کوشش کرو کہ وہ لوگ تمہارے کمرے میں داخل نہ ہوں، بیس منٹ میں پولیس تمہاری حفاظت کے لئے پہنچ جائے گی۔'' انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا، سمانہ کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، باہر موجود شخص اب چیخ رہا تھا۔

''دروازہ کھول، تم اب بچ نہیں پاؤں گی۔''

سنگھار میز کو دیکھتے ہی ایک کوندا سا دماغ میں لپکا تھا، وہ آگے بڑھ کر سنگھار میز گھسیٹ کر دروازے تک لانے لگی، ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی تھی، اب وہ کچھ دیر تک تو محفوظ رہ ہی سکتی تھی، شاید اس بات کا اندازہ باہر موجود لوگوں کو بھی ہو گیا تھا، اسی لئے کچھ دیر کو باہر خاموشی چھا گئی تھی، وہ پر سکون ہو کر دیوار کے سہارے زمین پر بیٹھ گئی اور اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی، اسی اثناء میں کمرے کی اکلوتی کھڑکی کے باہر کھٹکا ہوا، سمانہ نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا، اس کی آنکھوں سے خوف و دہشت جھانک رہی تھی، وہ غنڈے اب باہر سے کھڑکی کھولنے کی کوشش کر رہے تھے، کھڑکی کے باہر لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی، باہر سے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔

''ماجد ذرا کٹر نکالنا گرل کاٹنی پڑے گی۔''

سمانہ نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لیں، وہ لوگ تندہی سے گرل کاٹنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے، جبکہ سمانہ اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی جس نے ماجد سے کٹر مانگا تھا اور چند لمحوں کے بعد ہی اسے یاد آ گیا وہ آواز اس نے کب اور کہاں سنی تھی، اسے یقین ہو گیا کہ چند لمحوں میں وہ لوگ گرل کاٹ کے کمرے میں کود آئیں گے، اس کی دھڑکنیں مدھم ہونے لگیں تھیں اور آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا تھا۔

''نانو! آپ کیوں مجھے چھوڑ کر چلی گئیں، میں بہت تنہا ہو گئی ہوں، میرا کوئی نہیں ہے۔'' وہ فرش پر لیٹ چکی تھی، ذہن پر اندھیرے کی چادر پھیلنے لگی تھی، اسے لگا کہ کھڑکی سے کود کر کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسی وقت پولیس کی گاڑیوں کا سائرن سنائی دینے لگا تھا۔

☆☆☆

ملک ریاض لینڈ کروزر میں شہر کے لئے روانہ ہو چکے تھے، ان کے انگ انگ سے اضطراب جھلک رہا تھا، ان کی جیپ اندھیرے میں تیزی سے سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی، ملک ریاض خود ہی ڈرائیونگ کر رہے تھے، جبکہ ڈرائیور افضل ان کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا، وہ وقفے وقفے سے اپنے مالک پر نظر ڈال لیتا تھا، اس نے آج سے پہلے کبھی ملک صاحب کو اتنا پریشان نہیں دیکھا تھا، اس وقت بھی نہیں جب ملک شایان کا فرنگیوں کے دیس میں ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، گاڑی کی رفتار بے حد تیز تھی، ملک ریاض کی پیشانی کی سلوٹیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''نجانے کس کی وجہ سے ملک صاحب اس قدر پریشان ہیں۔'' افضال نے سوچا، اسی اثناء میں ڈیش بورڈ پر رکھا ملک ریاض کا موبائل تھرتھرانے لگا، ملک ریاض سرعت سے دایاں ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا اور یس کا بٹن دباتے ہوئے موبائل کان سے لگا لیا۔

''ہاں، ایس پی منہاج کیا رہا؟''

''ملک صاحب جب ہم لوکیشن پر پہنچے تو لڑکی بے ہوش تھی، ملزم جو کہ تعداد میں تین تھے، چند لمحوں پہلے ہی لڑکی کے کمرے میں داخل ہوئے تھے، لڑکی محفوظ ہے اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے، ملزموں کو گرفتار کر لیا گیا ہے، جلد ہی تفتیش شروع کر دی جائے گی، مزید کوئی پیش رفت ہوتے ہی آپ کو اطلاع کر دوں گا۔'' ایس پی بتاتا چلا گیا۔

''ٹھیک ہے میں شہر ہی آ رہا ہوں۔'' ملک ریاض کی بات سن کر ایس پی چونکا۔

''کیا رشتہ ہے اس لڑکی کا ملک ریاض سے جو وہ اپنا آرام چھوڑ کر آدھی رات کے وقت اس کے لئے گاڑی سے شہر تک کا سفر کر رہے ہیں۔''

''ایک بات پوچھوں ملک صاحب لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے۔'' اس نے اپنی سوچ کو لفظوں کا روپ دیا۔

''میری بیٹی ہے وہ، میری دوسری بیوی کی نشانی، ایس پی اس کا بہت خیال رکھنا میں جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' ملک ریاض نے ایس پی کو مزید کچھ پوچھنے کا موقع دیئے بنا رابطہ منقطع کر دیا، دوسری جانب ایس پی ہکا بکا سوچتا رہ گیا کہ ملک ریاض کی بیٹی اس معمولی سے گھر میں کیا کر رہی تھی، حیران تو افضل بھی تھا گاؤں کے بزرگو سے سنا تھا کہ ملک ریاض نے شہر میں دوسری شادی کی تھی، پر ان کی کوئی بیٹی بھی تھی اس سے افضل انجان تھا، اب ملک صاحب کی پریشانی اس کی سمجھ آ گئی تھی۔

☆☆☆

''تمہاری تفتیش کہاں تک پہنچی ایس پی۔''

ملک ریاض ہسپتال میں سمانہ کو دیکھنے کے بعد تھانے پہنچے تھے، دن طلوع ہو چکا تھا، ایس پی منہاج تھانے میں ہی موجود تھا۔

''ملک صاحب ان کا کہنا ہے کہ آپ کی بیٹی نے ان کے ساتھی کو بیچ چوراہے پر جوتوں

سے مارا تھا۔"

"خوامخواہ تو نہ مارا ہوگا، کچھ نازیبا حرکت ضرور کی ہوگی اس نے۔" ملک ریاض پر سوچ انداز میں بولے۔

"ملک صاحب وہ لڑکا مس ملک کو فون پر تنگ کرتا رہا تھا، جب مس ملک نے توجہ نہ دی تو اس نے انہیں راستے میں روکا تھا۔" ایس پی نے سنجیدگی سے بتایا۔

"پھر تو سمانہ نے بالکل ٹھیک کیا اور تم ایس پی میری بات غور سے سنو، جتنا پیسہ چاہیے تمہیں مل جائے گا، مگر ان غنڈوں کو چھوٹنا نہیں چاہیے، لمبا کیس بنواؤں اور اگر تم ایسا نہ کر سکے تو ذہن میں رہے کہ جیسے ہی وہ جیل کی دیواروں سے باہر آئے میں انہیں قبر کے اندھیروں میں پہنچا دوں گا، میری بیٹی پر بری نظر ڈالنے کی انہیں جرأت کیسے ہوئی۔" ملک ریاض سفاکی سے بولے تھے، ایس پی منہاج سر ہلا کر رہ گیا۔

"مس ملک کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ایس پی نے پوچھا۔

"اسے ابھی ہوش نہیں آیا ہے، لیکن ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے ہسپتال جانا ہے کوئی بات ہو تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔" ملک ریاض اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے، ایس پی نے بھی ان کی پیروی کی۔

"ملک صاحب آپ ان لوگوں سے ملیں گے نہیں۔" ایس پی نے پوچھا۔

"نہیں اگر وہ میری نظروں کے سامنے آئے تو میں خود پر قابو نہیں کر پاؤں گا۔" ملک ریاض لمبے لمبے ڈگ بھرتے تھانے سے باہر آ گئے، اب ان کی جیپ کا رخ ہسپتال کی جانب تھا، البتہ اب کے ڈرائیونگ سیٹ افضل نے سنبھال رکھی تھی، دوپہر تک اسے ہوش آ گیا تھا ملک ریاض اس کے بیڈ کے نزدیک صوفے پر بیٹھے اضطرابی انداز میں دایاں پیر ہلا رہے تھے، سمانہ کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر ان کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا، اپنے آپ کو محفوظ پا کر وہ ایکدم رو پڑی، اسے وہ خوفناک رات اپنی پوری جزئیات کے ساتھ یاد آ گئی تھی، ملک ریاض کا دل اس کی حالت دیکھ کر کڑھنے لگا۔

"سمانہ تم محفوظ ہو میری جان!" ملک ریاض نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا، وہ اسی طرح ہچکیوں سے روتی رہی۔

"پولیس صحیح وقت پر پہنچ گئی تھی، وہ غنڈے اب پولیس کی تحویل میں ہیں، تم اطمینان رکھو۔" بہت دیر تک آنسو بہانے کے بعد وہ خاموش ہوئی تو ملک ریاض نے کھانا منگوا کر اپنے ہاتھ سے اسے کھلایا۔

شام تک اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا، وہ بالکل خاموش تھی نہ اس نے کچھ پوچھا نہ کہا، ملک ریاض اسے اپنے ساتھ جیپ میں بٹھا کر گاؤں کے لئے روانہ ہوئے تب بھی اس کی خاموشی نہ ٹوٹی، حویلی میں زہرہ اس کے لئے شاندار استقبال کے لئے تیار تھی، ملک ریاض نے ٹیلیفون کے ذریعے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا اسی لئے زہرہ نے صدقے کے بکرے بھی منگا لئے تھے، اس کے علاوہ انہوں نے اپنی جیٹھانی کو بھی بلوا لیا تھا جو کہ پاس کے گاؤں میں اپنی بیٹی اور نواسی سے ملنے گئی ہوئی تھیں، ملک درید عباس کی بہن سارہ اپنی پھپھو کے گھر بیاہی ہوئی تھی ملک ریاض کی بیٹی کی حویلی میں آمد کا سن کر وہ بھی حویلی آ چکی تھی، حویلی میں ہونے والے شاندار استقبال نے بھی سمانہ کی چپ کو نہ توڑا سب کی باتیں توجہ سے سنتی تھی، جہاں کوئی اسے سننا چاہتا تو وہ ہاں یا نہ میں جواب دے کر اس جگہ سے ہٹ جاتی، ملک ریاض اس کی حالت دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے، لیکن اسے کچھ کہنے سے گریز کرتے تھے، ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ زندگی کی جانب لوٹ آئے، وہ دل ہی دل میں سمانہ کے احسان مند تھے کہ وہ بلا چوں چراں کئے ان کے ساتھ حویلی آ گئی تھی، اسے اس حویلی میں چلتا پھرتا دیکھنے کے وہ برسوں سے آرزو مند تھے، اب جا کر ان کی آرزو پوری ہو رہی تھی، اسے حویلی آئے پندرہ روز ہو چکے تھے۔

☆☆☆

دھوپ کا سفر قریب الختم تھا، سمانہ لان میں رکھی کرسی پر بیٹھی سوچوں کا گرداب میں پھنسی ہوئی تھی، جب میرون لینڈ کروزر آ کر احاطے میں رکی اور اس کا اگلا دروازہ کھول کر ملک درید عباس باہر نکلا، بلیو جینز اور لیدر کی جیکٹ میں اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا، سرد ملک کے موسم نے اس کی صحت اور رنگ روپ پر اچھا اثر ڈالا تھا، افضال اسے دیکھتے ہی دوڑ آیا۔

"سلام ملک صاحب!"

"گاڑی میں سے سامان نکالو۔" گردن کی جنبش سے سلام کا جواب دے کر اس نے افضال کو ہدایت دی اور خود اندر جانے کے لئے مڑا تھا کہ نظر اس پر ٹھہر گئی۔

"ارے یہ تو مجھے پردیس میں بھی کئی بار دکھائی دی ہے، کیا حماقت ہے ملک درید۔" وہ سر جھٹک کر خود پر ہنستا اسے واہمہ قرار دیتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

"کیا ارادہ ہے گاؤں میں ہی رکو گے یا پھر واپس شہر جانے کا ارادہ ہے۔" فرصت سے بیٹھنے پر ملک ریاض نے دریافت کیا۔

"فی الحال تو گاؤں میں ہی ہوں، چند روز بعد میرے دوست بھی آنے والے ہیں۔" اس نے اپنے خوبصورت بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔

"میری مانو تو اب شادی کر لو بہت آزاد پھر لئے۔" ملک ریاض نے مشورہ دیا تو اس کے تصور میں چھم سے اس دلربا کا سراپا لہرایا جس سے پہلی ملاقات قطعی خوشگوار نہیں تھی۔

"ٹھیک کہا تم نے ملک ریاض، میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ اب بہو آ جائے، پر ملک درید راضی ہو تو۔" اس کی والدہ حاجرہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"فی الحال میں خود کو شادی کے لئے آمادہ نہیں پاتا جیسے ہی میرا ذہن بنا آپ کو بتا دوں گا۔" اس نے عذر تراشتے ہوئے ماں کو بہلایا، تب ہی نوراں سیڑھیاں اترتی ہوئی اس حصے میں آئی جسے بیٹھک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

"بڑے ملک صاحب وہ چھوٹی بی بی کھانا نہیں کھا رہی ہیں، انہیں بخار بھی ہو رہا ہے۔" نوراں کو ملک ریاض نے سمانہ کے کاموں کے لئے مخصوص کر دیا تھا، نوراں کی بات سن کر ملک ریاض مضطرب ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سرعت سے سیڑھیوں کی جانب بڑھے، زہرہ نے بھی ان کی پیروی کی جبکہ ملک درید نے استفہامیہ انداز میں اپنی والدہ کی جانب دیکھا۔

"ملک ریاض اپنی بیٹی کو حویلی میں لے آیا ہے، نانی کے مرنے کے بعد وہ تنہا ہو گئی تھی۔" حاجرہ نے غنڈوں کے گھر میں گھسنے کا واقعہ بھی اسے کہہ سنایا، ملک درید بھی بس اتنا ہی جانتا تھا کہ ملک ریاض کی بیٹی اپنی نانی کے پاس رہتی ہے اور یہ کہ ملک ریاض نے اس کی ماں سے پسند کی شادی کی تھی، اس سے زیادہ کی بھی اس نے کرید

نہیں کی تھی۔
"اتنا کچھ ہو گیا ہمارے خاندان کی لڑکی کے ساتھ اور آپ لوگوں نے مجھے خبر تک نہیں کی۔" اس کا جاگیردارانہ خون کھول اٹھا۔
"تم ملک سے باہر تھے اور صد شکر کے بچی کی عزت محفوظ رہی، ریاض نے ان لڑکوں کو بڑے کیس میں الجھا دیا ہے۔" انہوں نے بتایا۔
"بہت اچھا کیا، ایسے لوگ اسی سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔" اس نے تنفر سے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"مجھے کچھ ضروری کالز کرنی ہیں، میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔" وہ یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا، حاجرہ عباس بھی تسبیح کرنے لگیں، ملک درید عباس کی ذات خامیوں اور خوبیوں کا مجموعہ تھی، دولت مندوں والی بعض خامیوں سے قطع نظر وہ ایک اچھا مسلمان تھا، پنج وقت نماز کا پابند تھا، آج بھی عادتاً وہ فجر کے وقت ہی بیدار ہو گیا تھا، مسجد میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر جب حویلی پہنچا تو تاروں بھری رات پر صبح اپنا آنچل پھیلا چکی تھی، پھولوں کی مسحور کن مہک ماحول کی خوابناک بنا رہی تھی، وہ باغیچے میں ٹہلتے ہوئے گہرے گہرے سانس لینے لگا، اجالا اب پوری طرح پھیل چکا تھا، سو وہ بھی مرکزی عمارت کی جانب بڑھا، اسے اب ناشتے کی طلب ہو رہی تھی، تین اسٹیپ کے بعد برآمدہ تھا، اور پھر عمارت کا دروازہ جو کہ عموماً بند ہوتا تھا وہ سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر ٹھٹکا، دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکائے وہ پھر سے اسے دھوکا دینے کے لئے موجود تھی، مگر اب وہ جانے کس موڈ میں تھا کہ دو اسٹیپ چڑھ کر اس کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش میں اس پر انکشاف ہوا کہ یہ لڑکی اس کی نظر کا دھوکا ہرگز نہیں تھی، بلکہ وہ اس حویلی میں مجسم موجود تھی، وہ سرعت سے اٹھا اور اسٹیپ طے کر کے برآمدہ عبور کیا اور دروازہ دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا، بے اختیار ہی اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی، وہ جذبہ جو دل کے کسی کونے میں سویا پڑا تھا، انگڑائی لے کر جانے کب بیدار ہوا اور اسے خبر بھی نہیں ہوئی۔
"یہ یہاں کیسے آئی، سمانہ الیاس۔" اس نے زیر لب کہا، سمانہ کے چہرے پہ گہری اداسی کا رنگ چھایا ہوا تھا، درید کو دیکھ کر بھی نہ وہ چونکی تھی نہ ہی اپنی جگہ سے ہلی تھی، عجیب بے خبری کا عالم تھا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ حاجرہ کے کمرے میں داخل ہوا، وہ قرآن پاک پڑھنے کے بعد اسے جزدان میں لپیٹ رہی تھیں، اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر مسکرا دیں، پھر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری۔
"ناشتہ بنواؤں تمہارے لئے۔" قرآن پاک شیلف میں احتیاط سے رکھ کر انہوں نے پوچھا۔
"جی، لیکن پہلے یہ بتایئے کہ نیچے سیڑھیوں پر جو لڑکی بیٹھی ہے وہ کون ہے؟" اس کے لہجے میں قدرے بے قراری کا عنصر تھا۔
"وہی تو ریاض کی بیٹی ہے۔" حاجرہ نے سادگی سے بتایا۔
"پر وہ تو سمانہ الیاس ہے۔" اس نے تصحیح کی۔
"وہ اپنے نام کے ساتھ نانا کا نام لگاتی ہے، ریاض نے بتایا تھا مجھے۔" بیٹے کی بے قراری انہیں کچھ سمجھا رہی تھی۔
"حیرت ہے، وہ تو بحیثیت صحافی کے اپنے کالمز میں چاچا جی پر کڑی تنقید کرتی رہی ہے، ایک دفعہ اس سلسلے میں بات کرنے کے لئے میں اس کے دفتر بھی گیا تھا۔" وہ غائب دماغی سے بولا۔
"ریاض کو وہ اپنی ماں کا قاتل سمجھتی ہے، نفرت کرتی ہے باپ سے، اس کے پاس اگر کوئی اور سہارا ہوتا تو ہرگز بھی وہ یہاں نہ آتی اور اب کہ جو حادثہ اس کے ساتھ ہوا ہے اس نے تو لڑکی کو بالکل توڑ کر رکھ دیا ہے، نہ ہنستی ہے نہ بولتی ہے۔" حاجرہ کے لہجے میں آزردگی جھلک رہی تھی، وہ ملک ریاض کی پھپھو زاد بھی تھیں ملک ریاض ان سے ہر بات شیئر کرتے تھے۔
"کہیں آئے گی جائے گی تب ہی تو سنبھلنے میں آسانی ہو گی، میں سوچ رہی ہوں زہرہ سے کہوں اسے عدیلہ کی طرف لے جائے، وہاں سارہ اور اس کی بیٹی ہے، شاید اس طرح اس کا دل بہل جائے۔" بیٹھے بیٹھے ہی حاجرہ نے پروگرام ترتیب دے دیا، وہ گھر کی بڑی بہو تھیں سو عملی طور پر ان کا حکم ہی مانا جاتا تھا، زہرہ بھی انہیں بڑی بہنوں جیسی عزت سے نوازتی تھیں۔
"جو آپ بہتر سمجھیں، وہ کیجئے میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ وہ لڑکی ہنستی ہوئی ہی اچھی لگتی ہے، اس طرح گم سم تو وہ بالکل اجنبی لگتی ہے۔" اس کے لہجے میں سمانہ کے لئے درد رچا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں کچھ دیر آرام کروں گا۔" وہ جانے کے لئے مڑا۔
"ناشتہ تو کر لو۔" انہوں نے پکارا۔
"نہیں اماں جی ابھی دل نہیں چاہ رہا۔" وہ پیشانی مسلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ حاجرہ ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں۔

☆☆☆

شام کے وقت وہ کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا، ذہن و دل پر سمانہ بری طرح سوار تھی، راہداری میں اس نوراں نظر آ گئی، اس سے سمانہ کا پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ ٹیرس پر ہے، ملک درید سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ٹیرس پر آ گیا، حویلی قدیم اور جدید طرز تعمیر کا مجموعہ تھی، سمانہ ٹیرس پر ریلنگ سے ٹکی گاؤں کی خوبصورتی کا نظارہ کر رہی تھی، سورج کی الوداعی کرنیں اس کے چہرے کو بوسہ دے رہی تھیں، یہ منظر اس کے حسن میں مزید اضافہ کر رہا تھا، وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے نزدیک چلا آیا، چونکہ وہ صبح کی طرح بے خودی کا شکار نہ تھی سو چونک کر گردن ترچھی کر کے ملک درید کو دیکھا تھا، جب اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی بھی رمق نظر نہ آئی تو ملک درید اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔
"ہیلو مجھے ملک درید کہتے ہیں، میں ملک سے باہر تھا، کل ہی واپس آیا ہوں، تمہیں یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے تمہیں اپنا گاؤں کیسا لگا سمانہ۔" اس کا انداز دوستانہ تھا۔
"پتا نہیں۔" وہ مختصر کہہ کر پھر لہلہاتے کھیتوں کو دیکھنے لگی۔
"پتا ہو گا بھی کیسے، جب کچھ دیکھا ہی نہیں، بہت خوبصورت ہیں ہماری زمینیں، تمہیں دیکھنے میں بہت مزا آئے گا۔" وہ اسے بولنے پر اکسا رہا تھا۔
"مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ بیزاری سے بولی۔
"او کے جیسے تمہاری مرضی پر اس طرح تنہا رہ کر کے سزا دے رہی ہو تم۔" وہ اب اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔
"آپ...... مجھے......" وہ تلخی سے کچھ کہنے لگی تھی، مگر بنا بات پوری کئے وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی، لیکن اس کی سیاہ

آنکھوں کی اداسی نے بہت دیر تک ملک درید کو اداس رکھا وہ شخص جو اداسی کے معنی نہیں جانتا تھا۔

☆☆☆

حاجرہ کے بہت اصرار پر بھی وہ عدیلہ کی طرف جانے کے لئے راضی نہیں ہوئی، ملک ریاض کو اندر ہی اندر اس کا دکھ کھائے جا رہا تھا، وہ ان کے ساتھ حویلی آ گئی تھی پر اب تک اس نے انہیں باپ کا درجہ نہیں دیا تھا، البتہ رفتہ رفتہ زہرہ نے اس کی ذات کے گرد بنا خول اپنی محبت سے توڑ دیا تھا، شایان بھی اکثر اسے فون کالز کرتا رہتا تھا، ملک ریاض نے اتنے کو ہی بہت جانا، رہا ملک درید تو اس کا دل شب و روز سمانہ کی محبت کی آنچ سے سلگتا رہتا تھا، پھر وہ اسے اس کی پوری رضا مندی کے ساتھ اپنانا چاہتا تھا جس کے ابھی دور دور تک آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے، ملک درید کی آنکھوں سے جھانکتی محبت شاید سمانہ کو بھی نظر آ گئی تھی، تب ہی تو وہ اسے دیکھتے ہی راستہ بدل لیتی تھی، آج جانے اس کیا سوجھی کہ وہ افضال کو ساتھ لے کر زمینیں دیکھنے نکل کھڑی ہوئی، حالانکہ ملک ریاض اسے کئی بار کہہ چکے تھے کہ وہ ان کے ساتھ زمینیں دیکھنے چلے مگر وہ خاموش رہی تھی، زہرہ نے کھانے پینے کا کافی سامان گاڑی میں رکھوا دیا تھا، نوراں کی کل سے طبیعت خراب تھی سو وہ حویلی نہیں آ رہی تھی، زہرہ نے افضال کو سختی سے تاکید کی تھی کہ سمانہ کا خیال رکھے، اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دے، دراز قد اور گندمی رنگت کے مالک افضال کے لئے تو یہ اعزاز کی بات تھی کہ سمانہ اس کے ساتھ زمینیں دیکھنے جا رہی تھی، حویلی سے باہر کے ماحول نے اس مزاج پر خوشگوار اثر ڈالا تھا، وہ تتلی کی طرح اڑتی پھر رہی تھی، اس نے ٹیوب ویل کے پانی سے دھو کر آم کھائے جو کہ بہت مزیدار تھے،

افضال نے سب سے اس کا تعارف ملک ریاض کی بیٹی کی حیثیت سے کروایا تھا، دوپہر کا کھانا ایک گھر میں دونوں نے کھایا اور پھر آگے کی طرف روانہ ہوئے، شام اپنے پر پھیلا رہی تھی، کتنے عرصے کے بعد اس نے ہرے بھرے باغات میں اس نے زندگی میں زندگی کو محسوس کیا تھا۔

''افضال میوزک لگاؤ۔'' اس نے ترنگ میں آ کر کہا، افضال نے فریکوئنسی سیٹ کرتے ہوئے بیک ویو مرر میں سے جھجکتے ہوئے اسے دیکھا، استحقاق تو کسی قسم کا بھی اسے حاصل نہیں تھا، رعایا ہوتے ہوئے دل کے ساتھ ساتھ نظریں بھی بے اختیار ہو رہی تھیں، راحت فتح علی خان کی آواز گاڑی کی فضا میں اپنا جادو پھیلا رہی تھی۔

کوئی دل میں آ رہا ہے دستک دیئے بغیر
دل جا رہا ہے ہم سے رخصت لئے بغیر

وہ چپس کھانے کے ساتھ ساتھ کھڑکی سے باہر کے مناظر سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی، یکایک ہی کالی گھٹا چھائی اور آسمان برسنے لگا، گاڑی کی باڈی پر تڑ تڑ بوندیں برس رہی تھیں، اندھیرے کے باوجود افضال مہارت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

''افضال ہم حویلی تک خیریت سے پہنچ تو جائیں گے نہ۔'' یکایک اسے موسم کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''جی بی بی انشاء اللہ۔'' گاڑی سیاہ سڑک پر رواں تھی سمانہ پھر سے ایف ایم سے لطف اندوز ہونے لگی، ایک دھچکا لگا اور گاڑی رک گئی۔

''کیا ہوا افضال؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''میں دیکھتا ہوں جی۔'' وہ دروازہ کھول کر

گاڑی سے باہر نکل گیا، بارش کا زور بڑھ چکا تھا، چند لمحوں میں افضال کے سارے کپڑے بھیگ گئے تھے، وہ بونٹ اٹھائے گاڑی کی خرابی چیک کر رہا تھا کچھ دیر بعد اس نے کھڑکی سے جھانک کر بتایا۔

''بی بی گاڑی کی خرابی ٹھیک ہونے والی نہیں لگ رہی، حویلی فون کر کے دوسری گاڑی منگوا لیتا ہوں۔''

''ٹائم تو لگے گا، مگر فی الحال یہی بہتر ہے۔'' سمانہ کے اثبات میں سر ہلانے پر وہ گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور ڈیش بورڈ سے موبائل اٹھا کر کال ملانے لگا، لیکن اسے مسلسل ناکامی کا سامنا تھا۔

''کیا ہوا افضال؟'' وہ تشویش سے بھرپور لہجے میں پوچھنے لگی۔

''بی بی جی نیٹ ورک کام نہیں کر رہا۔'' وہ مایوسی سے بولا، تب سمانہ نے اپنے سیل فون سے حویلی کا نمبر ملانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

''اب کیا ہوگا؟'' وہ خوفزدہ ہو گئی، ایک حادثے نے اس لڑکی کا سارا اعتماد ختم کر دیا تھا، اس وقت وہ ایک ڈری سہمی دبو سی لڑکی لگ رہی تھی۔

''بی بی یہاں قریب ہی ملک درید کا ڈیرہ ہے، آپ وہاں سکون سے رات گزار سکتی ہیں، ملک درید بھی آج ڈیرے پر ہی ہیں، شہر سے ان کے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔'' افضال نے سوچ کر کہا۔

''لیکن میں...... چلو ٹھیک ہے ڈیرے پر ہی چلو۔'' وہ کچھ کہتے ہوئے رک گئی تھی۔

''آپ گاڑی میں بیٹھیے میں چھوٹے ملک صاحب سے بات کر کے اور چھتری لے کر آتا ہوں۔'' وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکلنے لگا۔

''نہیں نہیں...... افضال میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔'' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور سرعت سے افضال سے پہلے دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر گئی، تب افضال نے لب بھینچ لئے، مالکن کے آگے لب کشائی کو اس نے فضول جانا، وہ افضال کی راہنمائی میں چلنے لگی، افضال کے پاس ٹارچ تھی جسے اس نے روشن کر لیا تھا، کیونکہ اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا، بادل اب بھی اسی رفتار سے برس رہے تھے، چند ہی لمحوں میں سمانہ کا لباس پانی سے شرابور ہو چکا تھا، اس کے چپل بری طرح پانی اور کیچڑ میں لتھڑ چکے تھے، اس پر مستزاد راستہ بھی ناہموار تھا، اسے کہاں ایسے راستوں پر چلنے کی عادت تھی۔

''آؤچ......'' اس کے پیروں کے نیچے ایک پتھر آ گیا تھا، جس کی ٹھوکر سے بچنے کے چکر میں اس کا پیر بری طرح مڑ گیا۔

''سب ٹھیک تو ہے بی بی۔'' افضال نے دیکھا وہ اس سے دو قدم پیچھے رک گئی تھی۔

''افضال میرا پیر، مجھے لگتا ہے موچ آ گئی ہے مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''اوہ۔'' افضال نے ہونٹ سکوڑے، وہ اس قدر بااختیار نہیں تھا کہ اس شہزادی کو ڈیرے تک سہارا دے کر لے جاتا۔

''بی بی وہ سامنے جو عمارت ہے وہی ڈیرہ ہے آپ ٹھہریے میں ملک درید کو لے کر آتا ہوں۔'' وہ سمانہ کا جواب سنے بنا تیزی سے ڈیرے کی جانب بڑھ گیا، جہاں سے تیز میوزک کی آواز ہوا کے دوش پر سنائی دے رہی تھی، ملک درید، افضال کو دیکھ کر چونکا اور جب افضال نے پریشانی بتائی تو وہ افضال کو چھتری لانے کا کہہ کر تیزی سے باہر کی جانب لپکا، افضال کے جانے کے بعد وہ ایک پیر پر دباؤ ڈالے، برستے پانی

میں بھیگ رہی تھی، دائیں پیر میں ہونے والی شدید تکلیف سے اس کی آنکھیں بھی بہہ رہی تھیں، آنکھوں سے بہنے والا پانی بارش کے پانی کے ساتھ مل رہا تھا، ملک درید چھتری تانے افضال اس کے نزدیک چلا آیا تھا۔

''کیا ہوا، چلا نہیں جا رہا؟'' ملک درید نے تشویش سے پوچھا۔

''بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔

''افضال تم ڈیرے پر جا کر مائی جیناں سے کہو کہ پچھلا دروازہ کھولے، میں سمانہ کو لے کر آ رہا ہوں۔'' اس نے تحکم سے کہا تو افضال چھتری اسے تھما کر تیزی سے ڈیرے کی جانب بڑھ گیا، جبکہ ملک درید نے اپنا بازو اس کے گرد پھیلایا اور اسے چلنے میں مدد دینے لگا، تکلیف کے باعث اس کے لبوں سے دبی دبی کراہیں برآمد ہو رہی تھیں، جنہیں سن کر ملک درید کا دل پارہ پارہ ہو رہا تھا، مائی جیناں پچھلا دروازہ کھولے ان کی منتظر تھی، دروازہ عبور کرتے ہی ملک درید نے چھتری مائی جیناں کو تھما دی، وہ پچاس سالہ فربہ عورت تھی، جس کی رنگت گہری سانولی تھی، ملک درید اسے ایک کمرے میں لے آیا جو فرنیچر کے اعتبار سے بیڈ روم معلوم ہوتا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ملک درید نے اس کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

''مائی بی بی کے لئے تولیہ لے آؤ۔'' مائی سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کا لہجہ قدرے نرم تھا، مائی کے جانے کے بعد وہ پھر سے سمانہ کی جانب متوجہ ہوا۔

''تم اس طرح روتی ہوئی بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہیں، دکھاؤ مجھے پیر۔'' وہ خود ہی زمین پر دوزانوں بیٹھ گیا اور اس کے متاثرہ پیر کا معائنہ کرنے لگا، جبکہ سمانہ نے جھنجلا کر پیر پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

''گندے ہیں۔'' اس نے ملک درید کو خبردار کیا۔

''موچ آ گئی ہے، میں مائی جیناں کے ہاتھ مرہم بھجوا دیتا ہوں، وہ خود ہی لگا دیں گی، تم کھانا کھا کر آرام کرو، صبح تک آرام نہ آیا تو میں ڈاکٹر کو بلوا لوں گا، میرے دوست میرا انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ آہستگی سے اس کا پیر چھوڑ کر اٹھا اور ایک بھرپور منظر اس کے شبنمی چہرے پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

بارش میں بھیگنے کی وجہ سے یا پھر پاؤں کی تکلیف کے باعث وہ صبح بخار میں پھنک رہی تھی، درید تمام دوستوں کو رخصت کر کے فجر کے بعد کہیں جا کر سویا تھا، ساڑھے دس بجے کا وقت تھا جب وہ سو کر اٹھا تھا، پہلا خیال اسے سمانہ کا آیا تھا، اس نے مائی کو بلا کر سمانہ کا پوچھا، مائی سے سمانہ کے بخار کا سنتے ہی وہ نائٹ گاؤن میں ہی کمرے سے باہر نکل آیا، سمانہ تک پہنچتے ہوئے وہ موبائل پر ڈاکٹر کو کال کر چکا تھا، سمانہ کمبل اوڑھے بستر پر دراز تھی، بخار کی شدت سے اس کی رنگت انگارہ ہو رہی تھی، درید نے مائی سے پانی اور کپڑا منگوایا اور کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے نزدیک بیٹھ گیا اور سمانہ کی پیشانی پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے لگا۔

''ملک جی میں پٹیاں رکھوں۔'' مائی نے اپنی خدمات پیش کیں۔

''تم رہنے دو، بلکہ ایسا کرو کہ حویلی فون کر کے زہرہ چاچی کو بتا دو کہ سمانہ ڈیرے پر ہے، بخار کا مت بتانا اور وہ افضال کہاں ہے۔'' اس

نے پوچھا۔

''باہر ہی ہوگا جی اس نے کہاں جانا ہے۔'' مائی نے جواب دیا، وہ سر ہلاتے ہوئے پھر سے سمانہ کی جانب متوجہ ہو گیا، دو دن کہیں جا کر اس کی طبیعت سنبھلی تھی، ان دو دنوں میں درید دنیا بھلائے اس کی پٹی سے لگا بیٹھا تھا، اس وقت بھی وہ سوپ پی رہی تھی اور ملک درید نزدیک ہی کرسی پر بیٹھا موبائل پر مصروف تھا، اس کے خوبصورت براؤن بالوں کی نمی بتا رہی تھی کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی نہایا ہے۔

''اب کب تک میں یہاں رہوں گی، مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ بیزاری سے گویا ہوئی۔

''آج کا دن آرام کر لو، کل لے چلوں گا۔'' وہ سوپ کے پیالے کو دیکھ کر بولا جسے وہ سائیڈ پر رکھ چکی تھی۔

''افضال کہاں ہے، میں اس کے ساتھ آئی تھی۔'' سمانہ نے استفسار کیا۔

''حویلی میں اس کی ضرورت تھی سو میں نے اسے واپس بھیج دیا۔''

''آپ جانا چاہیں تو چلیں جائیں، خوامخواہ میری وجہ سے آپ پریشان ہو گئے ہیں۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''میرا یہاں بیٹھنا تمہیں برا لگ رہا ہے؟'' اس نے جانچتی نظروں سے سمانہ کو دیکھا۔

''مجھے کیوں برا لگے گا۔'' وہ بیڈ شیٹ کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔

''اگر تم رضا مند ہو تو میں عمر بھر اسی طرح تمہاری خدمت کے لئے تیار ہوں۔'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''سوپ بالکل مزے کا نہیں ہے، مائی سے کہیے کہ مجھے کچھ اور بنا دیں۔'' وہ اس کی آنکھوں کی چمک کو نظر انداز کر کے بات پلٹ گئی، درید اس کی چالاکی کو سمجھتے ہوئے مسکرا دیا۔

''او کے یوں ہی سہی۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، درید کے جانے کے بعد وہ سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی، دوسرے روز وہ درید عباس کے ساتھ اس کی لینڈ کروزر میں حویلی آ گئی، پیر کی تکلیف ٹھیک ہو چکی تھی، البتہ بخار کے بعد والی کمزوری ابھی باقی تھی، حویلی میں زہرہ نے اس کا والہانہ استقبال کیا تھا، ملک ریاض شہر سے اب تک لوٹے نہیں تھے۔

''سمانہ تمہاری رنگت تو زرد پھٹک ہو رہی ہے بیمار ہو گئی تھی کیا۔'' زہرہ نے اسے گلے لگا لیا۔

''محترمہ کو بخار آ گیا تھا، خوب خدمتیں کروائیں ہیں مجھ سے۔'' درید بتا رہا تھا، وہ زہرہ کے کندھے سے سر ٹکائے مسکراتی رہی، زہرہ کی آغوش میں اسے بے انتہا سکون ملتا تھا۔

''ارے تو ہمیں کیوں خبر نہ کی۔'' زہرہ پریشان ہو گئیں۔

''اسی لئے کہ آپ پریشان نہ ہوں۔'' درید عباس بے نیازی سے کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا، زہرہ بھی اسے ساتھ لئے اندر آ گئیں۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ تم زمینیں دیکھنے جاؤں گی اور بیمار پڑ جاؤ گی، میں خود تمہارے ساتھ نہ چلتی، ملک صاحب کو پتا چلا کہ تم زمینیں دیکھنے گئی ہو تو وہ بھی مجھ پر گرم ہو رہے تھے، کہہ رہے تھے، زہرہ تمہیں اس کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔'' ملک ریاض کا نام سن کر اس نے ہونٹ بھینچ لئے، خود کو بہت سمجھانے کے باوجود وہ دل میں ملک ریاض کے لئے جگہ نہ بنا پا رہی تھی، لیکن اسے اس بات سے بھی انکار نہیں تھا، کہ حویلی میں اس کی جو آؤ بھگت ہوتی ہے، زہرہ اس پر جان نچھاور کرتی ہیں، یہ لاڈ، پیار، عزت، مان اسی نسبت سے تھا

کہ وہ ملک ریاض کی اکلوتی بیٹی تھی، حاجرہ بیگم بھی اس کی بیماری کا سن کر متفکر ہوئی تھیں، ان کے دل میں اسے بہو بنانے کی تمنا تھی پر ملک درید پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا تھا۔

☆☆☆

صبح وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی تو دیکھا کہ زہرہ تخت پر بیٹھی رو رہی ہیں اور حاجرہ بیگم انہیں دلاسا دے رہی تھیں۔

''کیا ہوا اماں جی؟'' وہ تخت کے پاس آ گئی۔

''پتر تیرے بابا کو اٹیک ہوا ہے وہ ہسپتال میں ہے۔'' زہرہ کے بجائے حاجرہ نے جواب دیا تھا، سمانہ نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھ لیا، اسے خود پر حیرت ہوئی کہ وہ کیوں اس قدر بے اختیار ہو رہی ہے، دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر ہسپتال پہنچ جائے ملک ریاض کے پاس۔

''تائی جی آپ لوگ ہسپتال نہیں جائیں گے۔'' اس نے حاجرہ بیگم سے پوچھا۔

''نہ پتر ہمارے گھر کی عورتیں ہسپتال میں نہیں جاتیں۔'' حاجرہ بیگم کی بات سن کر وہ حیران رہ گئی اسے تو ملک ریاض نے کبھی بھی کہیں بھی آنے جانے سے نہیں روکا تھا، حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ سمانہ شام ڈھلے گھر لوٹتی ہے پر انہوں نے کبھی بھی اس کے کسی بھی معاملے میں دخل نہیں دیا تھا نہ ہی کوئی پابندی اس پر لگائی تھی۔

''بابا کے پاس کون ہے؟'' اس کی آواز یکا یک بھرا گئی تھی۔

''درید اس کے پاس گاؤں کے دوسرے لوگ بھی ہیں، تو فکر مت کر۔'' حاجرہ کو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کی اندرونی حالت کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا، وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں کاؤچ پر ٹک گئی تھی، جبکہ زہرہ جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی تھیں، حاجرہ بیگم تخت پر بیٹھے بیٹھے تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

''سمانہ ناشتہ تو کر لے۔'' انہیں خیال آیا۔

''نہیں تائی جی، دل نہیں چاہ رہا۔'' اس نے منع کر دیا، دوپہر کا وقت ہو گیا تھا پر ہسپتال سے کوئی خیر خبر نہیں آئی تھی، وقفے وقفے سے ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی، عزیز و اقارب ملک ریاض کی خیریت جاننے کے لئے بے قرار تھے، شام کے چار بج رہے تھے جب تو اتر سے فون کی گھنٹی بجنے لگی، سمانہ نے خوفزدہ نظروں سے ٹیلیفون انسٹرومنٹ کو دیکھا، اس کی ہر سانس ملک ریاض کے لئے دعا گو تھی، اس پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ دنیا میں ملک ریاض سے زیادہ اس کے لئے کوئی اہم نہیں ہے، ماں اور نانو کے بعد اب وہ ملک ریاض کو کھونا نہیں چاہتی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں بلکہ خوفزدہ نظروں سے ٹیلیفون کو دیکھتی رہی تو حاجرہ کو اٹھ کر کال رسیو کرنی پڑی، دوسری جانب ملک درید مژدہ جانفزا سنا رہا تھا، ملک ریاض کی حالت اب خطرے سے باہر تھی، حاجرہ نے یہ خبر سن کر خدا کا شکر ادا کیا، زہرہ نے شکرانے کے نفل کی نیت باندھ لی، سمانہ کی آنکھیں تشکر کے احساس سے بھیگنے لگیں، حاجرہ نے اس کے آنسو دیکھے تو نزدیک آ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''جھلی رو کیوں رہی ہے، اب اس کی طبیعت ٹھیک ہے، سمانہ تو اب اسے معاف کر دے، اس کی سزا ختم کر دے، بہت چاہتے ہیں وہ تجھے، تیری بے رخی نے اس کے دل کو زخمی کر دیا ہے۔'' وہ خاموشی سے سن رہی تھی، حاجرہ بیگم اسے کچن میں لے گئیں اور گلو سے کھانا لگانے کا کہا۔

''کچھ کھا لے اب پھر سے بیمار ہونا ہے

تجھے۔''

ملک درید صبح شام انہیں ملک ریاض کی خیریت سے آگاہ کرتا رہتا تھا، چوتھے روز اس نے حاجرہ بیگم سے کہا کہ وہ لوگ شہر والی کوٹھی میں آ جائیں، ہسپتال سے ڈسچارج ہوتے ہی وہ ملک ریاض کو شہر والی کوٹھی میں ہی لے جائے گا، لمبا سفر فی الحال ملک ریاض کے لئے مناسب نہیں ہے۔

حاجرہ نے فوراً ہی رخت سفر باندھا تھا، زہرہ اور سمانہ تو پہلے ہی ملک ریاض کو دیکھنے کے لئے بے قرار تھیں، بلیک پجارو میں وہ تینوں روانہ ہوئی تھیں، ڈرائیونگ کے فرائض انجام دینے کے لئے افضال ان کے ساتھ تھا، شام ڈھلے ان کی پجارو اس جدید انداز میں تعمیر کی گئی پجارو کے پورٹیکو میں رکی تھی، ملک درید بھی کچھ دیر پہلے ہی ہسپتال سے آیا تھا، بلیک ٹراؤزر اور بلیو ہاف سلیوز شرٹ میں وہ قدرے قدرے تھکا تھکا دکھائی دے رہا تھا، ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی، براؤن آنکھوں کی سرخی اس کی شب بیداری کی غماز تھی۔

''سفر کیسا کٹا؟'' اس نے حاجرہ سے دریافت کیا۔

''بس بیٹا ریاض کی فکر ہی سوار تھی ذہن پر۔''

''درید تمہارے چچا جی گھر کب تک آ جائیں گے۔'' زہرہ نے پوچھا۔

''انشا اللہ کل صبح، چاچی اب آپ لوگ آرام کیجئے اور سمانہ تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے نظر بھر کر سمانہ کے موہنے سے روپ کو نظر بھر کر دیکھا اور اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا، زہرہ نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے اور پھر اسی لئے، سمانہ درید کی ہمراہی میں چلتی ہوئی سٹنگ روم میں آ گئی، درید نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، جس پر سمانہ نے عمل کیا۔

''طبیعت کیسی ہے تمہاری؟'' اس کی نظریں سمانہ کی اٹھتی گرتی گھنی پلکوں پر تھیں۔

''ٹھیک ہوں۔'' اسے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ ملک درید کیا کہنے والا ہے۔

''تم چاچا جی کے ساتھ بہتر رویہ اختیار کرنے کی کوشش نہیں کر سکتی ہو۔'' درید نے اسے دھیمے لہجے میں سمجھانے کی سعی کی، جواباً وہ اسے خاموشی سے دیکھنے لگی، پتا نہیں کیا تبدیلی آئی تھی اندرون ذات کے اسے ملک درید کی کسی بات سے اختلاف کرنے کا دل نہیں چاہتا تھا، ملک ریاض کے معاملے میں تو وہ پہلے ہی ہتھیار ڈال چکی تھی۔

''سمانہ میں چاچا جی سے بہت محبت کرتا ہوں، ان کے خلاف جانے والوں کو میں کسی صورت بخشتا نہیں ہوں، جب میں تمہارے کالمز پڑھتا تھا، جو تم ان کے خلاف لکھتی تھیں تو میں اکثر چاچا جی سے بحث کرتا تھا کہ انہوں نے ایک معمولی صحافی کو اتنی ڈھیل کیوں دے رکھی ہے، میں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا، پر چاچا جی مجھے روک دیتے تھے، اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم ان کی بیٹی ہو، پہلی بار میں نے تمہیں منسٹر ہاؤس میں دیکھا تھا، اس وقت تم مجھے اپنے دل کے بہت قریب لگیں تھیں، پر جوں ہی مجھے پتا چلا کہ تم سمانہ الیاس ہو جو چاچا جی کے خلاف لکھتی ہے، تو میں نے اپنے دل کو ڈانٹا ڈپٹا کہ یہ لڑکی جو چاچا جی کی دشمن ہے، اسے میں اپنے دل میں جگہ نہیں دوں گا، میرے والد کے گزرنے کے بعد چاچا جی نے ہی مجھے اولاد کی طرح پالا ہے، ایک بار میں چاچا جی کو بنا بتائے تمہارے آفس آیا تھا

اور تمہیں دھمکایا بھی تھا، میرے ہوتے ہوئے انہیں کوئی نقصان پہنچائے میں یہ گوارہ نہیں کر سکتا۔" اس نے کچھ توقف کیا، سمانہ آنکھوں میں حیرانی بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں شاید اس بات کا بالکل بھی احساس نہیں ہے کہ وہ تمہیں بے تحاشا چاہتے ہیں تمہاری والدہ سے بھی انہوں نے بہت محبت کی ہے۔" ملک درید نے مزید کہا۔

"لیکن انہوں نے میری ماں کو اپنانے کے لئے غلط راستہ اختیار کیا تھا، ان کی ضد کی وجہ سے میں، میں نے اپنا سارا بچپن ماں کی ممتا کے بغیر گزارہ، مجھے تو معلوم ہی نہیں ہے کہ ماں کیا ہوتی ہے۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"طریقہ غلط تھا پر دونوں کے درمیان جو رشتہ تھا وہ تو شرعی تھا، ہم جس ماحول کے پروردہ ہیں، وہ ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ جو چیز اچھی لگتی ہے اسے حاصل کر لو، چاہے جیسے بھی ممکن ہو اور اب آخری بات سنو تمہاری والدہ اتنی ہی عمر لکھوا کر لائی تھیں، اس میں چاچا جی کا کیا قصور ہے، میں نے بارہا انہیں تنہائی میں تمہاری والدہ کو یاد کر کے روتے دیکھا ہے، تمہارے لئے تڑپتے دیکھا ہے۔" سمانہ کے آنسو بتا رہے تھے کہ اس کے دل سے بدگمانی کے سارے بادل چھٹ چکے ہیں۔

"کل جب تم چاچا جی سے ملو تو انہیں بتا دینا کہ تم انہیں معاف کر چکی ہو۔" درید کی بات پر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اور میں، میرے ارمان کب پورے ہوں گے، کب اپنے ہاتھوں میں میرے نام کی مہندی رچاؤ گی۔" وہ آج ہی سارا حساب بے باق کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔

"آپ بھی بابا کے نقش قدم پر چل کر مجھے میری رضا مندی کے بغیر نہیں اپنا سکتے۔" وہ اچانک تلخ ہوئی۔

"میں چاچا جی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تو اب تک تم میرے نام ہو چکی ہوتیں، میں تمہیں تمہاری پوری رضا مندی اور خوشی کے ساتھ اپنانا چاہتا ہوں۔" اس کے عنابی لبوں پر خوبصورت مسکان آٹھہری تھی۔

"پھر تو آپ کو انتظار کرنا ہوگا کہ کب میرے دل میں خواہشوں کا موسم آ کر بسیرا کرتا ہے۔" وہ نرم ہوئی۔

"ٹھیک ہے میں اس دن کا انتظار کروں گا۔" درید نے سر ہلایا۔

☆☆☆

دوسرے روز ملک ریاض ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے، وہ بے حد نحیف و نزار دکھائی دے رہے تھے، آنکھوں میں ویرانی چھائی ہوئی تھی، سمانہ کو اپنے لئے پریشان دیکھ کر وہ حیران ہوئے تھے، زہرہ کے اصرار پر بھی سمانہ ملک ریاض کے پاس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھی، وہ ان کی پٹی سے لگی بیٹھی تھی، زہرہ کچن میں چلی گئیں ملک ریاض کے لئے سوپ بنوانے، کچھ مہمان آئے ہوئے تھے ملک درید ان کے ساتھ مصروف تھا، جبکہ حاجرہ نماز ظہر ادا کرنے میں مصروف تھیں۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم میرے پاس بیٹھی ہو اور میرے لئے اس قدر پریشان ہو۔" ملک ریاض کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ در آئی، اس نے بے اختیار ان کے ہاتھ تھام لئے۔

"آئی لو یو بابا، میں غلط تھی، مجھے معاف کر دیجئے۔"

"سمانہ میری جان آج تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے، مجھے بابا پکار کر۔" ملک ریاض کو گویا یقین اقلیم کی دولت مل گئی ہو، مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔

"بابا آپ جلد ٹھیک ہو جائیے۔" اس نے مسکرا کر فرمائش کی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا، میری ساری بیماری بھاگ گئی، اپنی بیٹی کو اپنے پاس دیکھ کر۔" اس روز وہ رات تلک ملک ریاض کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی، چند روز میں ملک ریاض کی طبیعت مزید بہتر ہو گئی تو وہ سب لوگ گاؤں لوٹ آئے جہاں ملک درید نے ملک ریاض کے غسل صحت پر شاندار ضیافت کا انتظام کیا تھا، دن گزرتے رہے ملک ریاض اب جاگیر کے اہم امور پر حصہ لینے لگے تھے۔

ملک ریاض چیک اپ کروانے شہر گئے ہوئے تھے، ملک درید ان کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن ایک جھگڑا نمٹانا تھا، درید ملک جا چکا تھا، حاجرہ بھی لڑکیوں کے اسکول کی استانی کی عیادت کے لئے گئی ہوئی تھی، اسی دن عمر اور اس کی والدہ غیر متوقع طور پر آ گئے تھے، عمر نے بڑی مشکل سے اس کا پتا معلوم کیا تھا، دادا کے انتقال کے ایک ماہ بعد جب وہ لوٹے تو تب انہیں نانو کے انتقال کا پتا چلا تھا، عمر اور اس کی والدہ بتول خالہ نے دوپہر کا کھانا ان کے ساتھ ہی کھایا، زہرہ ان دونوں سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں، بتول خالہ بھی سمانہ کے والد کی امارت اور اونچی حویلی سے بہت متاثر نظر آ رہی تھیں، عمر کی شادی کا دعوت نامہ انہوں نے پر زور اصرار کے ساتھ دیا تھا، زہرہ نے شرکت کی حامی بھر لی تھی، ان کے رخصت ہونے کے بعد وہ سمانہ کے گھنے بالوں میں ناریل کے تیل سے مساج کرنے لگیں، حالانکہ نوراں موجود تھی پر پھر بھی سمانہ کی قربت ان کے دل کو سکون پہنچاتی تھی، ان کی اور ملک ریاض کی دلی تمنا تھی کہ سمانہ کی شادی ملک درید کے ساتھ طے پا جائے، نجانے کیوں ملک درید خاموش تھا۔

"اماں جی کیا سوچ رہی ہیں؟" اس نے زہرہ کی خاموشی محسوس کر کے پوچھا۔

"ملک درید کے بارے میں سوچ رہی ہوں، اتنے اختیارات ہونے کے باوجود وہ شادی کے معاملے میں خاموش کیوں ہے۔"

"تو کیا وہ تائی جی کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کر لیں گے۔" اس نے اپنے خدشے کو زبان دی، تائی جی بالا ہی بالا اس کے لئے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی تھیں۔

"شاید کر بھی لے۔" ان کا لہجہ مرجھایا ہوا تھا، تب ہی شیدا بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ملکانی جی وہ میلے میں جھگڑا ہو گیا تھا جی چھوٹے ملک کو گولی لگ گئی ہے۔"

"ہائے ربا۔" زہرہ نے دل تھام لیا، سمانہ کی دھڑکنیں بھی بین کرنے لگیں تھیں۔

"کہاں ہے وہ؟" زہرہ نے پوچھا۔

"وہ جی ان کے شہر والے دوست بھی ادھر ہی تھے، وہ انہیں ہسپتال لے گئے ہیں، گولی بازو میں لگی ہے، وہ میلے میں چوہدریوں کے لڑکے نے ہماری طرف کی لڑکی کا دوپٹہ کھینچ لیا تھا بس اسی بات پر جھگڑا ہوا اور دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی، چوہدریوں کے لڑکے ثروت کے علاوہ دو بندے اور بھی زخمی ہوئے ہیں۔" وہ سارا معاملہ بتا کر واپس ہسپتال چلا گیا، زہرہ اور سمانہ کی رنج و غم سے بری حالت تھی، بمشکل سمانہ نے خود کو سنبھال کر تائی جی کو فون پر درید کے زخمی ہونے کی اطلاع کی، وہ اپنے آنسوؤں پر بند باندھے ہچکیوں کا گلا گھونٹے ایک کونے میں بیٹھی تھی، تائی جی واپس آ چکی تھی، کچھ ہی دیر میں

حویلی کے احاطے میں درید کی لینڈ کروزر آ کر رکی تھی، پچھلا دروازہ کھلا اور عمار کے ساتھ ملک درید اترتا نظر آیا، اس کا دایاں بازو پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا، درید جانے کسی خیال کے تحت عمار کو بھی خواتین والے حصے میں لے آیا تھا، حاجرہ اسے دیکھتے ہی تڑپ کر اس کی جانب لپکی تھیں۔

"یہ کیا ہو گیا پتر!"

"میں ٹھیک ہوں اماں جی آپ پریشان نہ ہوں، میں کمرے میں جا رہا ہوں آپ عمار کے لئے چائے بھجوا دیجئے۔" وہ حاجرہ کو تسلی دے کر، ست قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا یا تو اس کی نظر ستون کے سہارے بیٹھی سمانہ پر نہیں پڑی تھی یا پھر اس نے سمانہ کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، اس کے جانے کے بعد سمانہ بے اختیار رونے لگی، اس کے آنسوؤں نے حاجرہ اور زہرہ دونوں کو ٹھٹکا دیا، پھر زہرہ ہی سنبھل کر آگے بڑھیں۔

"میری دھی رانی کا دل بہت چھوٹا سا ہے۔" وہ اسے پچکارنے لگیں۔

جانے کیوں اسے اتنا رونا آ رہا تھا، درید کے زخم دیکھ کر، یا اس کا نظر انداز کر کے جانا اسے برا لگا تھا، وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہی تھی، البتہ اتنا ضرور جان چکی تھی کہ اس کے دل میں خواہشوں کا موسم پڑاؤ ڈال چکا ہے اور محبت جگنو کی صورت اس کی زندگی میں روشنی کرنے کو بے قرار تھی، اس حقیقت کا ادراک ہوتے ہی وہ درید سے ملنے کو مچل گئی پر اسے رات تلک موقع نہیں ملا اس سے ملنے کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، سارا اور پھپھو بھی آ گئی تھیں، رات کے وقت اس بات کا یقین کر کے وہ تنہا ہے، سمانہ اس کے کمرے میں چلی آئی، بھاری دروازہ دھکیل کر جب اس کے کمرے کے اندر قدم رکھا تو درید دایاں بازو آنکھوں پر رکھے بیڈ پر دراز تھا، وہ ست قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ کے نزدیک آ گئی اور اسے دیکھنے لگی جو بنا بتائے اس کے دل کا مکین بن بیٹھا تھا، اس کی آنکھیں اور پیشانی بازو سے ڈھلکا ہوا تھا، البتہ بقیہ چہرہ سمانہ کی نظروں کی زد میں تھا، خون بہہ جانے کے باعث اس کی سرخ و سفید رنگت میں زردی کی آمیزش ہو چکی تھی، کمرے کے ماحول میں مکمل سکوت طاری تھا، سمانہ کو اپنی دھڑکن کی آواز صاف محسوس ہو رہی تھی۔

درید کو کچھ انوکھا احساس ہوا تو اس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا اور نظروں کے سامنے سمانہ کو دیکھ کر اس کی گہری براؤن آنکھوں میں چمک ابھر آئی۔

"تم کب آئیں؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ دیر پہلے۔"

"بیٹھ جاؤ سمانہ۔" اس نے کہا تو سمانہ بیڈ کے نزدیک پڑی کرسی پر بیٹھ کر انگلیاں چٹخانے لگی۔

"خون خرابہ کیے بنا رہ نہیں سکتے آپ، اگر کچھ ہو جاتا تو۔" اس کی آنکھیں پھر سے ڈبڈبا گئیں، درید ملک نے سرشاری کے احساس میں ڈوب کر بغور اسے دیکھا۔

"کچھ ہو جاتا تو...... تو کیا ہوتا۔" اس نے دلچسپی سے پوچھا، نظر اس کی گھنی پلکوں پر اٹکے شبنمی موتی پر تھی۔

"مجھ سے آپ کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی۔" آنسو پلکوں کا بند توڑ کر گالوں پر پھسل آئے۔

"ارے رے...... اس سے زیادہ تکلیف میں پہلے بھی سہہ چکا ہوں، تم پریشان مت ہو۔" وہ سمانہ کو تسلی دینے کی غرض سے بولا۔

"میں نے تو پہلی بار آپ کو اتنی تکلیف میں دیکھا ہے۔" اس کے ہر لفظ سے اقرار کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

"عادت ڈالو نہ اب تمہیں شب و روز میرے سنگ ہی رہنا ہو گا، سو تمہیں میری تکالیف سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوا، سمانہ کے آنسو اس کے دل کا راز افشاء کر چکے تھے، اس راز کو پاتے ہی درید کا دل خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولنے لگا تھا، یہ احساس ہی جانفزا تھا کہ یہ پیاری سی لڑکی اس سے محبت کرنے لگی ہے۔

"میں ہرگز بھی سمجھوتا کرنے کو تیار نہیں ہوں، آپ کو اپنی عادتیں بدلنا ہوں گی۔" آنسو صاف کر کے وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"کس کس کی عادت کو بدلوں گا، تم سے محبت کرنا بھی میری عادت بن گئی ہے۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

"میں نہیں چاہتی کہ کل کوئی اور ملک ریاض کسی دوسری مومنہ کو طاقت کے بل پر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی، درید اس کی بات کا مفہوم جان گیا تھا۔

"تمہاری تمام شرطیں منظور، ہمارے بچوں کی پرورش تمہاری گود میں ہو گی، تم انہیں ملک ریاض مت بننے دینا، رہا میں تو مجھے بلاوجہ خون خرابہ کرنا پسند نہیں ہے، یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ مجھے دخل دینا پڑا، اب تم کیا کہتی ہو، اجازت ہے، میں اماں جی سے ہماری شادی کی بات کروں، ریئلی اب بہت اپنے صبر کو آزما چکا ہوں اس انتظار میں کہ کب تمہارے دل میرا طلب گار بنے گا۔" وہ دل میں اتر جانے والے لہجے میں گویا ہوا، اس کے لفظوں نے سمانہ کے چہرے پر گلال بکھیر دیا تھا، اس کی گھنی پلکیں بار حیا سے جھک گئی تھیں، ملک درید تو جان ہی چکا تھا کہ سمانہ کے دل پر خواہشوں کا موسم بسیرا کر چکا ہے۔

☆☆☆

سندس جبیں

"نوفل......؟ کون نوفل......؟" ستارا نے پوچھا۔

"جی میں نوفل ہوں۔" دوسری طرف سے اسی روانی سے کہا گیا۔

"لیکن میں آپ کو نہیں جانتی۔" وہ محتاط ہوئی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے میں تو جانتا ہوں۔" دوسری طرف سے بڑے سکون سے کہا گیا۔

"دیکھیں پلیز مجھے تنگ مت کریں، میں آپ کو نہیں جانتی، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ رندھی آواز میں بمشکل بولی، دوسری طرف چند لمحوں کے لیے سکوت چھا گیا۔

"میرا مقصد قطعاً تمہیں پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ میں تو تمہاری پریشانی شیئر کرنا چاہتا ہوں۔" وہ آہستہ اور نرم لہجے میں بولا۔

ستارا کے دکھے ہوئے دل کو ایکدم جیسے کسی نے نرمی سے چھوا، بے اختیار اس کے آنسو بہہ نکلے۔

ناولٹ

"دیکھیں پلیز۔" وہ سسک اٹھی اور بات مکمل نہ کر سکی۔

"ستارا پلیز روئیں مت پلیز۔" وہ جیسے بے قرار ہوا تھا۔

"آپ فون بند کر دیں اور آج کے بعد مت کیجئے گا۔" وہ اپنی سسکیوں پر قابو پا کر بولی۔

"ٹھیک ہے لیکن پہلے تم رونا بند کرو۔" وہ پریشانی سے بولا۔

"کیوں آپ کو مجھ سے کیا ہمدردی ہے؟" وہ چیخ کر بولی۔

"کیا مہروز سے کوئی بات ہوئی ہے؟" وہ بڑے یقین سے پوچھ رہا تھا، ستارا ششدر رہ گئی تھی۔

"اس کا مطلب وہ جو کوئی بھی تھا ان دونوں

کے بارے میں جانتا تھا، ہوسکتا ہے مہروز کا کوئی دوست یا واقف کار ہو۔" ستارا نے سوچا۔

"اگر ہے بھی تو میں آپ کو کیوں بتاؤں؟" وہ سنبھل کر بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ کچھ ہوا ہے، کیا؟ وہ میں خود پتا چلا لوں گا، اب تم رونا بند کرو۔" نوفل نے فون بند کر دیا۔

وہ حیرانی سے فون کو دیکھنے لگی ریسوڈ کالز میں موجود نمبر مقامی سیریل کا تھا، وہ جو کوئی بھی تھا سنتوشا سے ہی کال کر رہا تھا اور اگر مہروز کا دوست ہوا تو؟ ستارا نے سوچا، ہوتا ہے تو ہو میں نے کون سا کوئی غلط بات کی ہے، وہ سر جھٹک کر اٹھ گئی، پہلے سوچا مہروز کو بتا دے گی، پھر یاد آیا وہ تو اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں، کجا کہ بات کرتا، کچن میں آ کر چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس نے سوچا، بھاڑ میں جائے نوفل اور جہنم میں جائے مہروز، اسے کیا اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں ایک خوشگوار اور سہانی شام اتری تھی وہ سب شام کی چائے کے لئے لان میں جمع تھے، بڑوں کا علیحدہ گروہ بنا ہوا تھا جو کہ چیئرز پر براجمان تھے، جبکہ ینگسٹرز گھاس پر لڑھک رہے تھے، چائے پی جا چکی تھی، رمشہ ہاتھ میں موبائل پکڑے ایس ایم ایس لکھنے یا کرنے میں مشغول تھی، کومل کے ہاتھ میں فریم تھا جس کا ڈیزائن وہ یشین بھابھی کے ساتھ ڈسکس کرنے میں مصروف تھی، عباس بھی گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا قریب ہی شاہ بخت نیم دراز تھا سر کے نیچے کہنی رکھے جبکہ علینہ مناسب فاصلے پر بیٹھی کوئی کتاب کھولے اسے رٹنے میں مصروف تھی، وقار چونکہ ابھی آفس سے لوٹے تھے اس لئے چینج کرنے کے لئے گئے تھے جبکہ بھابھی ان کی مدد کے لئے ان کے پیچھے گئی، زین، بخت کے اوپر چڑھ کر اٹکھیلیاں کر رہا تھا، بخت اسے گدگداتا تو وہ ہنستا ہوا پڑھا پھر سیدھا ہوتا اور اسے گدگدانے کی کوشش کرتا، جس پر بخت اسے مصنوعی ناراضی سے گھورتا اور کہتا "یار! مت تنگ کرو مجھے گدگدی نہیں ہوتی۔"

جب تین چار بار اس نے یہی جواب دیا تو رمشہ بول پڑی۔

"اُفوہ پتا ہے نہیں ہوتی مگر وہ معصوم بچہ ہے اس کے لئے تو ہنس دو، ویسے تو ہمیشہ سڑے رہتے ہو۔" وہ جل کر بولی تھی، بخت بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دیا، زین کھل اٹھا۔

"بخت چاچو! گدگدی ہوتی۔" وہ پھر بخت کو تنگ کرنے لگا، اسی وقت وقار بھی آ گئے، بخت نے زین کو ہٹایا اور بڑھ کر ان سے ملنے گیا۔

"کیسے ہو جوان؟ خوش ہو؟ ٹھیک ہے سب؟" وہ اس کی پیشانی چوم کر بولے، شاہ بخت کا چہرہ چمک اٹھا، وہ اس سے بے حد محبت کرتے تھے وہ جانتا تھا اور وقار کو شاید خود بھی کبھی سمجھ نہ آئی تھی کہ وہ بخت کو اتنا کیوں چاہتے ہیں، عباس، ایاز، شاہ نواز سب انہیں بے حد عزیز تھے مگر شاہ بخت میں تو جیسے ان کی جان بند تھی، اس کی کوئی بات نہ ماننا تو در کنار، ٹال بھی نہیں سکتے تھے، انہوں نے ہمیشہ شاہ بخت کی ہر ضد پوری کی، وہ ضد بھی جس کو ماننے سے سب انکار کر دیتے، حال ہی میں دوبئی ایونٹ بھی اس کی ایک مثال تھا۔

"میں ٹھیک ٹھاک ہوں، آپ سنائیں۔" وہ ان سے الگ ہو کر بولا۔

"الحمدللہ۔" وہ گھاس پر بیٹھ گئے، زین اب باپ سے چمٹ رہا تھا۔

"اور بھئی کیسا رہا ایونٹ؟ طلال کے ساتھ کام کر کے کیسا لگا؟" وقار اس سے پوچھنے لگے جبکہ زین ان کے کندھوں پر جھول رہا تھا۔

"اوہو بیٹا بات کرنے دو، جاؤ اپنی ماما کے پاس۔" انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر علیحدہ کیا، وہ منہ بسورتا ہوا ایک بار پھر بخت کی گود میں آ گھسا، بخت نے بے ساختہ اس کا گال چوما اور اسے خود سے لپٹا لیا، زین ہنستے ہوئے اب پھر اسے تنگ کرنے لگا۔

"ٹھیک رہا سب، بہت مزا آیا، بہت ہی اچھا ایونٹ تھا بہت زبردست ایکسپرینس رہا، طلال کے ساتھ کام کرنے کا۔" وہ انہیں بتانے لگا۔

"ڈسک لائے ہو ریکارڈنگ کی؟" رمشہ نے موبائل سے نگاہ ہٹا کر پوچھا۔

"ظاہر ہے وہ تو لایا ہوں۔"

"ڈفر! پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ جھلا گئی، فون گود میں رکھا اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر سب کو متوجہ کیا۔

"چلیں سب، اٹھیں بخت کی ماڈلنگ دیکھیں، پتا تو چلے جناب نے کون سا تیر مارا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں یار! چائے تو پی لی ہے اٹھو سب۔" وقار بھائی نے بھی کپ ٹرے میں رکھا۔

سب ایک ایک کر کے اٹھ گئے، عباس نے لاؤنج میں موجود ٹی وی کے ساتھ ڈی وی ڈی اٹیچ کی، تھوڑی دیر بعد بخت سیڑھیاں اترتا ہوا آیا تو اس کے ہاتھ میں ڈسک تھی، عباس نے ڈسک اس سے لے کر ایڈجسٹ کی، چند لمحوں بعد ویڈیو سٹارٹ ہو گئی، وہی روایتی سا ریمپ اور اسٹیج تھا، بے تحاشا ہجوم چمکتے مسکراتے چہرے اور بے فکرے لوگ، کچھ دیر بعد شو شروع ہو گیا، میل ماڈلز کی واک شروع ہو گئی، مختلف اقسام کے خوبصورت اور منفرد ڈنر سوٹوں میں ملبوس ماڈلز میں ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک تھا، علینہ نے سب سے پیچھے پڑے صوفے پر براجمان بے چینی سے پہلو بدلا اور ناگواری سے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اسکرین میں گم حاضرین کو دیکھا، پھر نظریں سامنے پڑی کتاب پر جما دیں، کچھ دیر بعد اس نے نظر دوبارہ اسکرین پر جما دی اور اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

"اونو، بخت تم کدھر ہو؟" عباس نے کچھ جھلا کر پوچھا۔

"بس اب میری ہی انٹری ہے یار!" بخت نے جواب دیا اور چند سیکنڈز بعد وہ اسکرین پر نمودار ہو گیا، شاہ بخت اس وقت سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا جس کے کالر اور فرنٹ پر بے حد خوبصورت اور یونیک سٹائل کا ڈیزائن تھا، کوٹ کا صرف ایک بٹن بند کیا گیا تھا شرٹ پہننے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا فراغ کشادہ سینہ بہت نمایاں تھا، شہد رنگ بالوں کا منفرد ہیئر سٹائل بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں کی دلکش چمک اور پر وقار چال، وہ ریمپ پر نہیں وہاں موجود لوگوں کے دلوں پر چل رہا تھا، اس کا اندازہ بے پناہ چیخوں، آوازوں، تالیوں کے شور اور بجنے والی سیٹیوں سے ہو رہا تھا، کھٹا کھٹ کیمروں کے فلش چمک رہے تھے۔

"Oh, God! I am speechless۔" رمشہ کی چیخ نما آواز پر جیسے سب سحر سے نکلے۔

علینہ نے چبھتی ہوئی تیز نگاہوں سے رمشہ کو

دیکھا اور پھر بخت کو، سینے سے ایک آنچ سی نکل رہی تھی جو رفتہ رفتہ پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، وہ خاموشی سے اٹھی، اب کوئی بھی خاموش نہیں تھا سب اپنی اپنی رائے دینے میں مگن تھے، وہ باہر نکل آئی، یہ جانے بغیر کہ شاہ بخت نے اس کی غیر موجودگی کو فوراً نوٹ کیا تھا، لان میں مٹیالا سا اندھیرا تھا، کین کی چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں اترتی خفیف سی دھند کو ہاتھ سے رگڑا اور غیر ارادی طور پر کتاب پر نظر دوڑائی جس پر اس نے کچھ لکھا تھا۔

"You are looking fabulus, alliganet and terrific"۔

اس نے وحشت کے عالم میں اپنے ہی لکھے الفاظ پر سختی سے بال پوائنٹ چلا دی، جیسے تقدیر کے لکھے کو مٹانے کی کوشش کر رہی ہو، لاؤنج سے اب شور شرابے کی آوازیں اٹھ رہی تھیں جن میں سب سے بلند آواز رمشہ کی تھی جو کہ شاہ بخت سے ٹریٹ کا تقاضا کر رہی تھی، وہ ہنستا کھلکھلاتا نخرے دکھا رہا تھا، آنکھوں میں اترتی دھند اب علینہ کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

☆☆☆

اسید مصطفیٰ بدل گیا تھا اور یہ یقیناً کسی اسد نامی شخص کا کمال تھا، حبا نے اسی شام مرینہ سے پوچھا تھا۔

"ماما! یہ اسد کون ہے؟"

"کیوں کیا ہوا؟" مرینہ کس قدر چونک گئیں۔

"وہ اسید بہت ذکر کر رہا تھا۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"وہ عمر بھائی کا بیٹا ہے۔" انہوں نے اپنے بڑے بھائی کا نام لیا

"اوہ تو اسید کا کزن ہے۔" حبا نے [illegible] ہوئے سر ہلایا۔

"ہوں، اسید کا زیادہ وقت اسد کے ساتھ ہی گزرا ہے نا جبھی وہ اسے مس کر رہا ہوگا۔" مرینہ نے کہا، حبا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اسید بہت بدل گیا ہے ماما۔"

"ہاں، وہ بہت بدل گیا ہے اور میں [illegible] خوش ہوں کیونکہ یہ تبدیلی بہت مثبت ہے۔" [illegible] چمکتی آنکھوں سے مسکرائیں تھیں۔

ایک خوبصورت مسکراہٹ نے حبا کے لبوں کا احاطہ کیا تھا، تبدیلی واقعی بہت مثبت تھی اس [illegible] حبا کے ساتھ رویہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا، وہ [illegible] کول اور پولائیٹ ہو گیا تھا حبا کو یقین نہ آ [illegible]

ایک دن بعد ہی اسید کا رزلٹ تھا، وہ صبح سے [illegible] بے چین اور بے تاب سا پھر رہا تھا۔

"ماما! آپ دعا کریں نا۔" وہ لجاجت [illegible] مرینہ سے بولا۔

"اپنی محنت پر اعتماد ہے نا۔" وہ مسکرائیں [illegible] اسید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اللہ پر بھروسہ ہے نا؟" انہوں [illegible] مزید کہا۔

"بالکل ہے۔" اس نے مزید زور و شور [illegible] سر ہلایا۔

"تو پھر کس بات کا ڈر ہے؟ میری دعا [illegible] تمہارے ساتھ ہیں بچے۔" انہوں نے اس [illegible] پیشانی چومی۔

کچھ دیر بعد ہی اسید کا کوئی دوست [illegible] لینے آ گیا، وہ دونوں بائیک پر سوار رزلٹ معلوم کرنے کے لئے چلے گئے، آدھے گھنٹے بعد وہ [illegible] تو خوشی سے دیوانہ سا ہو رہا تھا، گیٹ سے ہی [illegible] اونچا بولتا وہ لاؤنج میں آیا اور سیدھا مرینہ [illegible] لپٹ گیا، چہرہ خوشی اور جوش سے سرخ ہو رہا تھا،

"میرا اے پلس گریڈ آیا ہے ماما 85 پرسنٹ مارکس۔" مرینہ نے اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔

"مبارک ہو اسید۔" حبا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"تھینکس۔" اسید نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر زور سے دبایا اور چھوڑ دیا۔

"میرے فرینڈز ٹریٹ مانگ رہے ہیں ماما۔" وہ لاڈ سے مرینہ کے گلے میں جھول گیا تھا۔

"کیوں نہیں بیٹا۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

تیمور احمد دو دن کے لئے بزنس کے سلسلے میں کراچی گئے ہوئے تھے، شاید یہ بھی اسید کے حق میں ایک پلس پوائنٹ ثابت ہوا تھا جبھی وہ پورے زور و شور سے اپنی خوشی سیلیبریٹ کر رہا تھا، اگر تیمور گھر میں ہوتے تو شاید یہ ممکن نہ ہوتا، شام میں جب وہ اسٹائلش سی شرٹ اور پاکٹ ٹراؤزر میں ملبوس بائیک کی چابی ہوا میں اچھالتا، باہر جا رہا تھا، حبا پر نظر پڑی تو رک گیا۔

"حبا! تمہاری ٹریٹ ڈیو رہی، ابھی تو میرے دوست ہیں ساتھ، کل تمہیں لے کر جاؤں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"کہاں؟" حبا نے بے ساختہ کہا۔

"جہاں تم کہو۔" وہ فراخدلی سے کہتا مڑ گیا، حبا ایک خوبصورت پل کے حصار میں جکڑی ساکت کھڑی تھی۔

اتنا اچھا......؟

اتنا کیرنگ......؟

یہ اسید مصطفیٰ تھا؟ حبا ناقابل یقین نظروں سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی، کتنا پیارا لگ رہا تھا وہ، کتنا ہینڈسم، سرخ سفید رنگت، چمکتی آنکھیں اور دراز قد امت وہ ابھی صرف سولہ سال کا تھا مگر اس کی ہائیٹ کسی طور پونے چھ فٹ سے کم نہیں تھی، جبکہ اس کے آگے کھڑی گڑیا سی لگتی۔

ہم گرفتار رنگ
ہم اسیر صبا
تتلیوں کی طرح
ہم بھی زنجیر خوشبو سے باندھے گئے
ہم کہ قیدی ہوئے
ان کہی بات کے!!!

☆☆☆

ستارا کے ساتھ آنے والے کئی دنوں میں مہروز کا رویہ بدستور وہی رہا، اس نے ستارا کو ہر طرح سے منانے کی کوشش کی، پیار محبت سے نرمی سے اور پھر سختی سے، وہ اس پر دو مرتبہ ہاتھ بھی اٹھا چکا تھا، مگر وہ ستارا احمد تھی، اپنی ہٹ کی پکی، اس کی ناں، ہاں میں نہیں بدلی تھی اور ان دنوں میں جبکہ وہ حد درجہ حساس اور ذود رنج ہو رہی تھی "نوفل" کس مہربان فرشتے کی مانند اس کی زندگی میں داخل ہو گیا تھا، یہ نوفل ہی تھا جسے وہ دوسرے ہی روز فون آنے پر سب بتا بیٹھی اور شاید بجی ستارا کے اپنے اندر تھی وہ خود کسی روزن کی تلاش میں تھی، کوئی چور دروازہ ٹھنڈی ہوا کے لئے کوئی در دریچہ ڈھونڈ رہی تھی، جذبات کا ابلتا ہوا آتش فشاں ذرا سی ٹھیس لگتے ہی پھٹ گیا، اس نے نوفل کو روتے ہوئے سب کچھ بتا دیا تھا، نوفل نے بڑے تحمل اور سکون سے اس کی بات سنی تھی اور اسے کہہ دیا تھا کہ وہ مہروز کی بات قطعاً نہ مانے ورنہ اس کا انجام بے حد خوفناک اور دل دہلا دینے والے ہوگا، کیونکہ ماڈلز صرف کمرشلز نہیں کرتیں اور بھی بہت کچھ کرتیں ہیں، یہ بھی شاید اس کی ہمدردی اور مورل سپورٹ کا نتیجہ تھا جو وہ اب تک مہروز کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی ورنہ شاید

وہ ہار مان لیتی، وہ سوچتی بعض لوگ کتنے دوغلے ہوتے ہیں کتنے منافق، اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اتنے خول تہہ در تہہ پرتیں اور حاصل وصول کچھ بھی نہیں، اسے مہروز سے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ اس کی شکل دیکھنے کو دل نہ چاہتا، گزشتہ کئی دن سے وہ لاؤنج میں سو رہی تھی، اس کا دل نہ مانتا بیڈ روم میں جانے کو، ایک ایسا انسان جو شرابی اور زانی تھا جس میں ہر اخلاقی برائی تھی، قطعاً اس کا حقدار نہ تھا، کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا وہ سب یہیں چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے، کہیں دور بہت دور جہاں مہروز نہ ہو، نہ اس کے گھٹیا اور گندے مطالبے اور نہ یہ مجبوری کہ وہ اس کی بیوی تھی، کبھی کبھی وہ سوچتی وہ نوفل سے مدد مانگے، پھر اسے خود ہی اپنے خیال پر ہنسی آتی، بھلا وہ اس کی مدد کیسے کر سکتا تھا وہ تو خود کسی ورکشاپ پر ملازم تھا اور وہیں سوتا بھی تھا پتا نہیں اسے فون کیسے کرتا تھا، ابھی تک ستارا اس سے یہ راز نہیں اگلوا سکی تھی کہ وہ اسے کیسے جانتا تھا کیوں کہ یہ بات وہ اسے خود بتا چکا تھا کہ مہروز سے اس کا کسی قسم کا ریلیشن نہیں تھا، آج پھر اس کا فون آیا تو ستارا الجھ پڑی۔

''نوفل! مجھے فون مت کیا کرو۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

''کیوں؟'' پھر وہ پرسکون لہجے میں بولا۔

''مجھے فون کر کے آخر تمہیں کیا ملتا ہے؟'' وہ تیز آواز میں بولی، مہروز اسٹوڈیو جا چکا تھا۔

''سکون۔'' وہ اسی متوازن لہجے میں بولا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

''بہت خود غرض ہو تم، اپنے سکون کے لئے میرا سکون تباہ کر رہے ہو، جانتے ہو اگر مہروز کو سب پتا چل گیا تو کیا ہو گا؟'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

وہ خاموش رہا، اتنی دیر کہ ستارا کو لگا شاید فون کٹ گیا ہے، جب وہ بولا تو وہ ایک دم چونکی۔

''اگر اسے...... پتا...... چل گیا...... تو کیا ہو گا؟'' وہ اسی روانی سے رک رک کر بولا۔

''بڑے سکون سے پوچھ رہے ہو، وہ صرف اتنا ہی ہو گا کہ وہ اپنی نافرمان بیوی کو اسی سکون سے بد کرداری کا سرٹیفکیٹ دے دے گا۔'' وہ [illegible] اٹھی تھی۔

''بد کرداری کا سرٹیفکیٹ...... مائی فٹ۔ ہونہہ...... وہ خود کیا ہے؟'' وہ سرد مہری سے بولا۔

''ٹھیک کہا تم نے اور اب جبکہ وہ خود ایک [illegible] کردار کا نہیں ہے تو مجھے خود بخود یہ حق حاصل [illegible] ہے کہ میں بھی جو چاہوں کروں ہے نا۔'' وہ طنزیہ ہنسی، وہ خاموش رہا۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میرا آئی کیو لیول اس لیول کا نہیں کہ تمہارے مطلب مطالب سمجھ سکے۔'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

وہ چپ ہو گیا، خاموشی کا ایک لمبا وقفہ درمیان میں آیا۔

''نوفل! میری زندگی پہلے ہی بہت مشکل ہے، خدا کے لئے اسے مزید مشکل مت بناؤ۔'' تھکے ہوئے لہجے میں کہتی رو پڑی۔

''میں ایسا کچھ نہیں کر رہا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولا، انداز میں قطعیت تھی۔

ڈپریشن اور فرسٹریشن سے اٹے ستارا کے دماغ میں جیسے آندھیاں سی چل پڑیں، وہ اس وقت کسی پکے ہوئے پھوڑے کی مانند ہو چکی تھی جسے معمولی سی ٹھیس اور ہلکا سا پش کرتے ہی بہنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح نوفل کی یہ [illegible] بات ستارا کی سوئی کی نوک کی طرح چبھی اور اندر ہی اندر پکتا لاوا پھٹ پڑا۔

''میری جان چھوڑ دو، کیوں پیچھے پڑ گئے ہو [illegible] ایسا کونسا قرض دینا ہے میں نے تمہارا؟ [illegible] مجھے خائن اور بد کردار بنانا چاہتے ہو، [illegible] مجھے اکساتے ہو کہ میں اس چور دروازے [illegible] اپنا لوں، کیوں؟ کیا مل رہا ہے تمہیں نوفل؟ بولو [illegible] تم مہروز کو نہیں جانتے، وہ ایک مکمل طور پر [illegible] اور پست ذہنیت کا شخص ہے اسے بھنک بھی [illegible] نا، ہمارے اس تعلق کی تو وہ طوفان اٹھا دے [illegible] وہ خود چاہے جو بھی کرتا رہے اور جو چاہے مجھ [illegible] منوانا چاہتا ہو، یہ...... یہ کبھی برداشت نہیں [illegible] کرے گا کہ میں کچھ ایسا کروں جس سے اس کی [illegible] اور غیرت کو چوٹ پہنچے، خدا کے لئے نوفل بس [illegible] میرا پیچھا چھوڑ دو، مت کیا کرو مجھے فون [illegible] ڈر لگتا ہے مہروز سے بہت زیادہ ڈر کیوں کہ [illegible] مرنا نہیں چاہتی، کیوں کہ میں بزدل ہوں، [illegible] زیادہ تم کیوں مجھے اور کمزور کرنا چاہتے ہو، [illegible] کیا ملے گا تمہیں بولو، کچھ ملے گا تو مجھے بتاؤ؟'' [illegible] بلند آواز میں چلاتی رہی پھر سسکیاں لینے لگی۔

چند لمحے پراسرار خاموشی میں بیت گئے [illegible] کے گھٹے ماحول میں ستارا کی سسکیاں [illegible] ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

''خدا کے لئے تارا۔'' وہ تڑپ کر بولا تھا [illegible] ستارا کے آنسو کہاں برداشت ہوتے تھے۔

''مجھے فون مت کیا کرو نوفل۔'' وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر بولی۔

''یہ میرے اختیار میں نہیں۔'' وہ بے بس تھا۔

''تو پھر کیا چاہتے ہو تم؟'' وہ حلق کے بل [illegible]

''خائن بن جاؤں۔''

نوفل جو بڑی دیر سے ضبط کے بند باندھ رہا تھا، پھٹ پڑا۔

''میں...... خائن بنانا چاہتا ہوں تمہیں؟ میں......؟ یہ تم کہہ رہی ہو؟ وہ بھی اس شخص کو جو تمہارے لئے مر رہا ہے، جانتی ہوئے پاگل ہوں تمہارے لئے اس لئے جی بھر کر ذلیل کرو اور گالیاں دو، اس شخص کے لئے جو تمہارے وجود کی قیمت لگا چکا ہے اور مجھے بتاؤ کیا کرے گا وہ؟ وہ خود کتنا کرپٹ ہے یہ جانتی ہو تم؟'' وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

''تم مجھے یہ مت بتاؤ وہ کیا ہے؟ وہ جیسا بھی ہے میرا شوہر ہے۔'' وہ چیخی تھی۔

''وہ تمہارا شوہر ہے نا، تو پھر مان لو اس کی بات کیوں انکار کر رہی ہو؟'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

ایک پل کے لئے ستارا سانس نہیں لے سکی، اسے یقین نہیں آیا اسے یہ مشورہ دینے والا 'نوفل' تھا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو نوفل؟'' وہ صدمے سے سن سی ہو گئی۔

''یہی تو سننا چاہتی تھیں تم۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

''اپنی بکواس بند کرو، تم مجھے ذلیل کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے سنا تم نے، فون مت کرنا آج کے بعد مجھے۔'' وہ پھولے تنفس کے ساتھ چلائی اور فون آف کر کے بیڈ پر پھینک دیا، اس کا سارا جسم لرز رہا تھا، لب بھینچتے ہوئے اس نے اپنے آنسوؤں اور لرزتے جسم پر قابو پانے کی کوشش کی مگر وہ دونوں میں ناکام تھی، آنسو بے اختیار گالوں پر بہہ رہے تھے اس نے دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لئے اور سر گھٹنے پر ٹکا کر دھواں دھار انداز میں رونے لگی۔

☆☆☆

''آؤ علینہ! تم بھی آؤ نہ۔'' رمشہ نے لان میں بیٹھی علینہ کو بھی اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی، وہ سب تیار ہو کر بخت کی طرف سے دی گئی ٹریٹ اڑانے جا رہے تھے، علینہ نے غور سے اس کا جائزہ لیا، سفید لانگ شرٹ اور بلیک فلیپر میں وہ اپنے اسٹیپس میں کٹے بال کھولے ہوئے تھی۔

''صبح میرا ایگزام ہے اور میرے پاس ان بیکار کاموں کے لئے وقت نہیں۔'' علینہ نے زور دار آواز کے ساتھ کتاب بند کی اور اٹھ کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی، رمشہ حیران سی کھڑی تھی۔

''اسے کیا ہوا؟'' اس نے اپنے ساتھ کھڑے افراد میں سے کس سے پوچھا، تو کوئی نہیں جان سکا۔

شاہ بخت خاموشی سے کھڑا تھا جبکہ کومل بھی حیران تھی، عباس نے شانے اچکائے اور کہا۔

''اسے ایگزامز کی ٹینشن ہے۔'' کومل نے حیرانی سے اس کی بات سنی اور نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''ایسی بھی بات نہیں اسے ویسے ہی باہر جانا پسند نہیں۔'' اس کی بات پر چند لمحوں کے لئے خاموشی چھائی رہی پھر شاہ بخت نے قدم بیرونی دروازے کی طرف بڑھا دیئے گویا کسی قسم کے تبصرے کو غیر ضروری سمجھا تھا، سب نے اس کی تقلید کی تھی، رمشہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شاہ بخت کو کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا مگر اس کے سپاٹ چہرے سے کسی قسم کا تاثر اخذ کرنا ناممکن تھا، رمشہ نے سر جھٹکا۔

شاہ بخت گلاسز آنکھوں پر لگا کر اپنے باقی ماندہ تاثرات بھی محفوظ کر چکا تھا، اس کے اندر طوفان سا اٹھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی شفاف سڑک پر رینگتی ہوئی، ''شیرٹن'' کے آگے رک گئی خوبصورت ماحول تھا، من چاہا ساتھی بھی تھا، رمشہ کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا، سنس آف ہیومر کمال کی تھی، اس وقت بھی اس کے تیکھے جملوں اور لطیفوں پر کھلکھلا رہے جب اچانک رمشہ نے ہاتھ بڑھا کر شاہ کے گلاسز اتار لئے۔

''انہیں تو اتار دو، پتا ہے کبھی کبھی ہے یہ گلاسز بہت منافق ہیں، بندے کی میں کیا ہے، سب چھپا لیتے ہیں، بالکل اس جیسے کم بخت دل کوئی نہیں جان سکتا کہ دو کے دل میں کیا ہے؟'' سب رمشہ کی عجیب منطق پر ہنسے تھے۔

''یہ تمہیں کم ''بخت'' کہہ رہی ہے۔'' نے گویا شاہ بخت کو احساس دلایا۔

شاہ بخت کے تاثرات میں کوئی تبدیلی آئی۔

''تو تمہارا مطلب ہے کہ انسان کا دل کے جسم کے باہر ہونا چاہیے تھا تا کہ وہ باآ دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہو سکے؟'' نے کہا۔

''بالکل۔'' رمشہ نے سر ہلایا۔

''یہ اللہ کا احسان مانو رمشہ بی بی نہیں ہے ورنہ انسان ایک دوسرے برداشت نہ کر پاتے۔'' شاہ بخت کی سنجید عباس کو ٹھٹکایا۔

''وہ کیسے؟'' کومل نے بھی حصہ لیا۔

''اس لئے کہ اچھے برے خیالات دل میں آتے رہتے ہیں، کبھی اپنے بارے دوسروں کے بارے میں اور کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی دوسرا اس کی سوچ رسائی حاصل کرے۔'' شاہ بخت نے

رنگ خوشنما آنکھیں رمشہ پر مرکوز کرتے ہوئے سرد مہری سے کہا، ایک لمحہ کے لئے رمشہ کو دھچکا سا لگا تھا۔

''تمہارا مطلب کیا ہے؟'' رمشہ نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''یہی کہ میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ تم میرے خیالات و احساسات سے آگاہ ہو جاؤ جو اس وقت تمہارے حوالے سے میرے دل میں ہیں۔'' شاہ بخت نے یکدم ٹون بدلی۔

''کیسے خیالات؟'' وہ مسکرائی۔

''بہت قاتلانہ خیالات پیدا ہو رہے ہیں جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں اس ریسٹورنٹ سے اٹھا کر باہر پھینک دوں۔'' شاہ بخت نے جیسے دھماکہ کیا۔

عباس کا قہقہہ بے اختیار تھا جبکہ رمشہ کی حالت دیکھنے والی تھی۔

''شرم کرو، میں نے تمہیں کون سا تیر مار دیا ہے؟'' وہ جھلا کر اس پر الٹی۔

شاہ بخت کے لبوں کی تراش میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے پل بھر کے لئے جھلک دکھائی اور غائب ہو گئی، رمشہ کو یک گونہ سکون ہوا ورنہ شاہ بخت کا موڈ اسے چونکانے لگا تھا۔

''دیکھا تم نے عباس! پھر تم کہتے ہو جھگڑا میں شروع کرتی ہوں۔'' رمشہ نے عباس کو منصف بنایا۔

''یہ تمہارا آپس کا معاملہ ہے بھئی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' عباس نے فوراً ڈپلومیٹک اسٹائل اپنایا۔

رمشہ نے حیرت و تاسف سے اسے دیکھا پھر سر ہلایا اور کہا۔

''ظاہر ہے تم تو اس کی فیور کرو گے ہی، مرد ہو ناں۔'' رمشہ نے طنز کیا۔

''ایسی بات بالکل نہیں، تم ایک فضول بات کو لے کر بحث کر رہی ہو۔'' عباس نے کہا۔

''چلو مان لیتی ہوں، تم یہ بتاؤ میرے لئے کیا لے کر آئے ہو؟'' رمشہ نے توپوں کا رخ پھر سے بخت کی طرف موڑا۔

وہ جو بری طرح فش فرائیڈ کے ساتھ طبع آزمائی میں مصروف تھا، چونکا پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے فورک ہاتھ سے رکھا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا، ایک گھونٹ لیا اور تسلی سے بولا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''کیوں؟'' رمشہ حیرت سے چیخ اٹھی۔

''کیوں کہ تم As a patriotic غیر ملکی پروڈکٹس کو پسند نہیں کرتیں۔'' وہ اطمینان سے کہتا اسٹرابری ٹارٹ اپنی پلیٹ میں نکالنے لگا، رمشہ چند لمحے خاموش رہی، پھر ہنس دی۔

''ٹھیک کیا تم نے۔''

کومل نے خاموشی سے دونوں کا جائزہ لیا اور کندھے اچکا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی، ان دونوں کی عجیب سی کیمسٹری سب کی سمجھ سے باہر تھی، وہ ایسے ہی تھے پل میں تولہ پل میں ماشہ۔

ٹیبل پر چار افراد کی موجودگی کے باوجود خاموشی تھی واپسی کے سفر میں رمشہ کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔

☆☆☆

اسید مصطفیٰ اور حبا تیمور میں بڑا عجیب سا رشتہ استوار ہو چکا تھا، وہ اپنے وعدے کے مطابق اگلے دن اسے فاسٹ فوڈ شاپ پر لے گیا جہاں اس نے زنگر برگر کھایا، ڈھیر ساری کیچپ ڈال کر اور ساتھ میں فرائیڈ چکن خوب انجوائے کیے تھے، وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا، پھر اس کا کوئی دوست اچانک وہاں آ گیا اور اس نے اسید سے ''حبا'' کے متعلق استفسار کیا تھا، جواباً اسید نے بڑے عام سے اور نارمل انداز میں اسے

بتایا کہ "حبا" اس کی بہن ہے، جس پر وہ مسکراتا ہوا انہیں وش کر کے چلا گیا۔

حبا بہت دیر تک کچھ بول نہیں پائی تھی، یہ اس کی وہ شناخت تھی جو آٹھ سال پہلے تیمور احمد نے اس سے چھین لی تھی اور آٹھ سال بعد وہ شناخت، وہ رشتہ اسید مصطفیٰ نے پھر سے اسے لوٹا دیا تھا، وہ ہنستے ہوئے اس سے معمول کی باتیں کر رہا تھا، واپسی پر حبا بے حد خوش تھی، اس کے بعد گویا ان کی دوستی کا آغاز ہو گیا، یا شاید رشتہ پھر سے استوار ہو گیا۔

وہ اس کے ساتھ بچوں کی طرح کھیلتا، اس کے لئے نت نئی گیمز لے کر آتا، اسے کھیلنا سکھاتا اور پھر خود کھیلتا، صبا کو یہ سب کچھ ایک خواب کی طرح محسوس ہوتا، پھر وہ اس کی پڑھائی میں مدد کرنے لگا، چونکہ حبا کی ٹیوٹر ایک ماہ کی چھٹی پر تھی، جبھی مرینہ نے اسے اسید کے حوالے کر دیا، چند دنوں میں ہی اسید کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کتنی nil تھی، وہ حساب کا معمولی سا سوال اسے دس بار سمجھاتا تب کہیں جا کر وہ اثبات میں سر ہلا کر سمجھ میں آنے کا سگنل دیتی، وہ اس کے سامنے بالکل نہیں بولتی تھی جب وہ بولتا تو وہ مسحور سی اسے دیکھتی رہتی، وہ اس کی نوٹ بک پر کوئی سوال حل کر رہا ہوتا یا کچھ لکھ رہا ہوتا تو وہ بے اختیار اپنے سانولے ہاتھ اپنی گود میں چھپا لیتی، اسید کے سرخ و سفید ہاتھوں کے سامنے اسے اپنے سانولے اور بدصورت ہاتھ سخت شرمندگی سے دو چار کرتے، وہ اس کے پاس بیٹھا ہوتا تو وہ دھیمی سانسوں میں اس کے وجود سے اٹھتی مہک اپنے اندر اتارتی رہتی، وہ کچھ بولتا تو وہ ایک ٹک اسے دیکھتی رہتی، اس وقت وہ سکستھ اسٹینڈرڈ میں تھی، مگر اس کا دل چاہتا کہ وہ جھٹ سے اسید کے جتنی ہو جائے تاکہ وہ ایک ساتھ اسکول جائیں، ایک کلاس میں پڑھیں اور اکٹھے بیٹھیں۔

جب وہ بولتا تو اس کا دل چاہتا کہ بس اسے سنتی رہے وہ اکثر اسے ڈانٹتا۔

"تم اتنا کم کیوں بولتی ہو؟ اسی لئے کانفیڈنس اتنا کم ہے، مجھے یہ تو احساس دلایا کرو کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے یا نہیں؟"

وہ بس سر ہلا دیا کرتی۔

اس کے کمپلیکسز اتنے زیادہ اتنے بے شمار تھے انہیں ختم کرنے کے لئے شاید حبا تیمور کو دوبارہ جنم لینا پڑتا۔

وہ اتنا جینئس اور ہارڈ ورکنگ تھا کہ حبا کو رشک آتا اور وہ خود کتنی Nil اور کوڑھ مغز تھی، اسے ہمیشہ شرمندگی ہوتی جب وہ اسے ایک ہی چیز بار بار سمجھاتا، وہ کتنا خوبصورت تھا، بعض دفعہ وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہتی اسے لگتا شاید خوبصورتی اور وجاہت "اسید مصطفیٰ" پر ختم تھی اور وہ خود کیا تھی، سانولی رنگت اور عام سے نین نقش کچھ بھی تو خاص نہیں تھا اس میں، اسے اسید کی چمکدار سیاہ آنکھیں بے حد بھاتیں جو ذہانت کی چمک سے معمور تھیں، اس کی کھڑی ناک جو اس کے اٹل ارادوں کا پتا دیتی تھی اور اس کے بھورے بال جو اس نے بہت خوبصورت سٹائل سے پیچھے سیٹ کیے ہوئے تھے۔

کبھی کبھی وہ حیرت سے سوچتی کہ شاید اسید کو دنیا کی ہر چیز کا پتا تھا، ہر ٹاپک سے متعلق اس کے پاس اتنی انفارمیشن تھی کہ وہ آرام سے کسی سے بھی گفتگو کر سکتا تھا جبکہ حبا کو تو شاید یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کی سلیبس کی کتاب میں Stories کتنی تھیں۔

وقت کچھ مزید سرکا، "حبا اور اسید" کے رشتے میں مزید مضبوطی آئی تھی، جب وہ میٹرک میں آئی تب تک وہ اپنا کالج پیریڈ ختم کر کے

یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے چکا تھا، اتنے سالوں کی حبا پر کی گئی محنت رنگ لائی تھی، اس میں کافی حد تک بدلاؤ آ چکا تھا، وہ اسٹڈیز میں بہت اچھی ہو گئی تھی۔

وہ بھی کافی کانفیڈنٹ ہو چکی تھی، جس کا ثبوت اس کے گریڈز اور بڑھتی ہوئی شیلڈز کی تعداد تھی، اس کی یونیفارم پر ہیڈ گرل کی Sash کا اضافہ تھا۔

باوجود اس کے کہ اسید اب حد سے زیادہ مصروف ہو چکا تھا، وہ اس کے لئے وقت ضرور نکالتا، اسٹڈیز کے حوالے سے اسے گائیڈ کرتا، اس کی کامیابیوں کو سراہتا، اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتا، اس کی چھوٹی سی بات پر بھی تعریف کرتا اور اس کے ہاتھ کی کافی فرمائش کر کے بنواتا، حبا کے پاس اب ایک ڈھیر تھا کارڈز اور گفٹس کا جو اسید نے اسے مختلف مواقع پر دیئے تھے۔

بہت سے عید کارڈز تھے، سسٹرز ڈے کے کارڈز، نیو ائیرز کے کارڈز، بیسٹ وشز کے کارڈز، برتھ ڈے کارڈز، اور ویلنٹائن ڈے کے کارڈز بھی، جن پر وہ اپنی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں ہمیشہ لکھا کرتا۔

For my sweet sister hiba

وہ جب بھی ان کو دیکھتی نئے سرے سے خوشی اور سرشاری محسوس کرتی، وہ بدل چکی تھی، اسید مصطفیٰ نے اسے بدل دیا تھا، اس نے حبا تیمور کو کمپلیکسز کی دلدل سے دونوں ہاتھ تھام کر باہر کھینچ لیا تھا۔

وہ صورت کی بجائے سیرت کی خوبصورتی پر یقین رکھتا تھا اور حبا اس کی ہر بات پر ایمان لے آئی تھی اسے لگتا وہ صورت کے حوالے سے کمپلیکس کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی، اس کو اسید کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمیشہ نرمی اور انس نظر آتا، وہ اس کا سب سے پیارا دوست تھا۔

اس کے میٹرک کے بورڈ کے ایگزامز تھے، اسید کا سمیسٹر چل رہا تھا مگر اس کے باوجود اس نے حبا کو تیاری میں بھرپور مدد دی تھی۔

ایگزامز ختم ہونے کے بعد وہ لمبی تان کر سوئی تھی، دو دن میں اس کی تھکن اتری تو اسے نئی پریشانی نے آگھیرا ہمیشہ کی طرح اس نے اسید سے رجوع کیا تھا، وہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ بیڈ پر بیٹھا، ڈھیر سارے پیپرز اور بکس پھیلائے شاید نوٹس بنانے میں مگن تھا۔

"ہائے اسید۔" وہ دروازے میں کھڑے مسکرائی۔

"ہیلو۔" اس نے ایک لمحے کے لئے سر اٹھایا اور پھر مصروف ہو گیا، جب وہ اندر نہیں آئی تو اس نے دوبارہ سر اٹھایا۔

"وہاں کیوں کھڑی ہو، آؤ ناں۔"

"تم شاید کچھ بزی ہو؟" حبا نے بازو سینے پر باندھ کر چوکھٹ سے ٹیک لگا لی۔

"ہوں...... ہوں تو...... لیکن تو آؤ...... کیا بات ہے؟" وہ مسکرایا۔

وہی نرم اور دلکش مسکراہٹ، حبا کے اندر ایک خوبصورت احساس کا ڈیرا جمایا تھا، وہ آگے بڑھ آئی۔

"اسید! میں بور ہو رہی ہوں۔" حبا نے اس کے پاس دھم سے گرتے ہوئے کہا، وہ آہستہ سے ہنسا۔

"اچھا، ایگزامز کی تھکن اتر گئی؟"

"ہاں مجھے کوئی ایکٹویٹی نہیں ڈھونڈ رہی۔" حبا نے منہ بسورا اور تکیہ کھینچ کر دراز ہو گئی۔

اسید نے تیزی سے کچھ لکھتے ہوئے آخر میں لائن کھینچی اور پیپرز اکٹھے کرنے لگا۔

''ختم ہو گیا کام؟'' حبا نے پوچھا۔
''ہوں ہو گیا۔'' اس نے چیزیں سمیٹ کر رائٹنگ ٹیبل پر رکھیں اور نچلے دراز سے دو Lays کے پیکٹ نکال کر ایک اس کی طرف اچھال دیا اور خود بھی بیڈ پر آن بیٹھا۔
''ہوں کیا مسئلہ ہے تمہارا؟''
''بوریت۔'' حبا نے Lays کھاتے ہوئے کہا۔
''تم کوئی شارٹ کورس کر لو کمپیوٹر کا۔'' اسید نے حل بتایا۔
''کر لوں، مطلب؟ تم کراؤ گے، میں ہرگز کسی انسٹیٹیوٹ نہیں جاؤں گی۔'' حبا نے فوراً جواب دیا۔
''پتا ہے مجھے۔'' وہ گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔
''تو پھر صبح سے شروع کریں؟'' حبا نے خالی ریپر ڈسٹ بن میں پھینکا اور گلاس تھام لیا۔
''اتنی جلدی کس بات کی ہے؟''
''جلدی......؟ مجھے تو کرنے کو کچھ ملتا ہی نہیں۔'' وہ پانی کا گھونٹ لے کر بولی۔
''ماما کے ساتھ کچن میں ہیلپ کروایا کرو۔'' اسید نے اسے مفت مشورہ دیا، حبا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔
''ناممکن، سخت نفرت ہے مجھے کچن کے کاموں سے۔'' اس نے سر جھٹکا۔
''ہونہہ غلط بات، کل کو ہمیں تمہیں اگلے گھر بھی بھیجنا ہے۔'' وہ آہستہ سے مسکرایا، انداز میں شرارت تھی۔
کھلے دروازے سے تیمور جو بڑی دیر سے یہ منظر ملاحظہ کر رہے تھے خود پر قابو نہ پا سکے، تیزی سے اندر آئے تھے۔
''پاپا! آپ آئیے۔'' حبا بے ساختہ کھڑی ہو گئی۔
''اس گھر سے حبا نہیں تم جاؤ گے، سمجھے کیونکہ یہ حبا کا گھر ہے تمہارا نہیں۔'' وہ اسید کی طرف انگلی اٹھا کر بلند آواز میں بولے، اسید کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا۔
''پاپا! فار گاڈ سیک، بس کیجئے کبھی تو اپنی نفرت کی عینک اتار کر رشتوں کو جانچئے۔'' حبا تیزی سے ان کے سامنے آ کر بولی۔
انداز میں واضح بے خوفی اور سرکشی تھی، تیمور احمد کو یقین نہیں آیا، ان کی بیٹی حبا ان کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی وہ بھی اس اسید کے لئے؟ انہوں نے بے یقینی سے حبا کو دیکھا۔
''تم بیچ میں مت بولو۔'' انہوں نے سختی سے حبا کو ٹوکا۔
''کیوں نہ بولوں، میرا پورا حق ہے بولنے کا، کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہی نا کہ اسید میرا بھائی نہیں ہے تو فکر مت کیجئے، میں بہت اچھی طرح سے اس حقیقت سے آگاہ ہوں۔'' حبا نے بلند آواز میں کہا اور زوردار طریقے سے ہاتھ میں پکڑا گلاس زمین پر دے مارا، شیشے کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے، وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
تیمور نے نفرت سے اسید کو دیکھا اور خود بھی حبا کے پیچھے چلے گئے، حبا کمرہ میں بند ہو چکی تھی۔
''حبا! میرے بیٹے! حبا دروازہ کھولو حبا۔'' انہوں نے زور زور سے دروازہ پیٹا تھا مگر بے سود۔
وہ بھی حبا تیمور تھی، تیمور احمد سے زیادہ ضدی اس نے قطعاً ان کی پکار پر کان نہ رکھے تھے، وہ بیس منٹ تک دروازہ بجاتے رہے پھر تھک کر چلے گئے، رات میں انہوں نے بہت سرد اور کھردرے لہجے میں مرینہ سے کہا تھا۔
''اپنے بیٹے سے کہو، میری بیٹی سے دور رہے۔'' مرینہ نے ازحد افسوس اور دکھ سے انہیں دیکھا تھا مگر چاہنے کے باوجود یہ نہیں کہہ پائیں کہ۔
''تیمور احمد! وہ میری بھی بیٹی ہے۔'' اس کے برعکس وہ بولیں۔
''آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں تیمور؟''
''اپنا منہ مت رکھو اور جتنا میں نے کہا اتنا کرو، وہ خبیث اسے میرے مقابل لا رہا ہے، وہ میری بیٹی کو باغی بنا رہا ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں دھاڑے تھے۔
مرینہ زرد چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہیں، وہ کہنا چاہتی تھیں کہ ''خدارا! ان دونوں کا اتنا معصوم، پاکیزہ اور خالص رشتہ اپنی شکی فطرت سے گندہ مت کریں۔''
مگر وہ جانتی تھیں کہ یہ بے کار تھا، تیمور احمد نے کب ان کی سنی تھی جو آج سنتے، وہ خاموشی سے ان کی تلخ اور زہریلی باتیں سننے پر مجبور تھیں۔

☆☆☆

سنتوشا میں سرد موسم شروع ہو چکا تھا، درجہ حرارت بتدریج کم ہو رہا تھا، مگر موسم کی یہ خنکی ستارا کے اندر لگی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام تھی۔
رات پھر اس کا مہروز سے زبردست جھگڑا ہوا تھا، وہ ہر صورت اپنی بات منوانا چاہتا تھا، کمپنی کی طرف سے اس پر دباؤ بڑھ رہا تھا، دوسری طرف ستارا کسی صورت اس کی بات ماننے پر تیار نہ تھی، تلخ کلامی بڑھتے بڑھتے اس حد تک آ پہنچی تھی کہ مہروز نے اس پر ہاتھ اٹھا لیا تھا، اس نے بے دریغ ستارا کے چہرے پر تھپڑ مارے تھے اور اسے واضح الفاظ میں دھمکی دے چکا تھا کہ ''اسے بہر صورت اس کی بات ماننا ہو گی ورنہ وہ ہر حد پار کر جائے گا۔'' جس پر ستارا نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے دوبدو کہا تھا کہ ''بصد شوق، وہ دیکھے گی کہ اس کی کمینگی اور ذلالت کی آخری حد کیا ہے؟''
اس کی اتنی خودسری اور سرکشی پر مہروز نے اسے اپنا ٹرپ کارڈ بھی دکھا دیا تھا۔
''تم دیکھنا ستارا! میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑوں گا، میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور پھر دیکھوں گا اس اجنبی شہر میں تم کہاں جاتی ہو اور تمہارے گھر والوں کو صرف میرا ایک فون ہی کافی ہو گا میں انہیں بتاؤں گا کہ تم گھر سے بھاگ گئی ہو۔'' مہروز کا لہجہ جنونی اور خطرناک ہو گیا تھا۔
ستارا کے حواس اس کا ساتھ چھوڑنے لگے، زمانے بھر کی خباثت اور شیطانیت جیسے اس پل مہروز کے چہرے پر سمٹ آئی تھی، ستارا کو اس کا چہرہ دیکھ کر ابکائی آنے لگی، اتنا گندہ، اتنا غلیظ؟ یہ کون سا مہروز کمال تھا وہ تو اس مہروز کمال کو نہیں جانتی تھیں، اس کا دل چاہا وہ اس چہرے پر تھوک دے۔
بے ساختہ وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل آئی اور اب وہ تقدیر کے اس موڑ پر ساکت سی بیٹھی تھی، وہ اکلوتا مددگار اور ہمدرد بھی اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیا تھا اور اس پل وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے اس مشکل کو حل کرے؟ کس سے مشورہ لے؟ ایک بار تو جی چاہا پاکستان فون کر کے اپنے گھر میں سب بتا دے پھر خود ہی اپنی سوچ پر افسوس ہوا، وہ بھلا اس کی کیا مدد کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ وہ صرف ٹینشن لے لیتے جا کر اس کے سسرال والوں سے الجھ پڑتے، مسئلہ تو پھر بھی وہیں تھا، جوں کا توں، اتنی دور کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آ سکتا تھا، اس نے بہر صورت خود کوئی عملی قدم اٹھانا تھا، لیکن کیا......؟ اور

کیسے......؟ یہ دو سوال مسلسل اسے تنگ کر رہے تھے اور وہ ان کے جواب ڈھونڈتی، ڈھونڈتی تھک چکی تھی، ہر بار دھیان ''نوفل'' پر آ کر ٹھہر جاتا۔

اور وہ تھم جاتی، ایک بار دل چاہتا اسے صاف پوچھ دے کہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتا ہے؟ پھر نوفل کی کمزور اور ہلکی مالی پوزیشن کا خیال آتا تو خود ہی اپنی سوچ جھٹک دیتی، وہ بھی اس کے لئے کیا کر سکتا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اسے اپنے مسئلے کا کوئی حل ہی نظر نہ آتا تھا، مہروز کسی صورت اپنی بات سے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اس کی امید بھی نہیں تھی، تو کیا وہ واقعی اپنی دھمکی پر عمل کرے گا؟

اور اگر اس نے ایسا کر لیا، تو...... تو وہ کیا کرے گی؟'' سوچ سوچ کر اس کا سر، پھٹنے کے قریب ہو گیا، لیکن یہ فیصلہ تو وہ بہر حال کر چکی تھی کہ اسے نوفل کو سب بتا دینا تھا۔

اس دن کے بعد شاید وہ واقعی سخت خفا ہو گیا تھا، جبھی دو دن سے اس کا فون نہیں آیا تھا، وہ سارا دن بستر پر کسلمندی سے پڑی رہی، نہ ناشتہ کیا نہ چائے پی، دل ہی دل چاہ رہا تھا، اس وقت سہ پہر تین بجے کا وقت تھا وہ کمبل میں دبکی چھت کو گھور رہی تھی جب اچانک اس کے پاس پڑا فون بجنے لگا، اس نے نمبر دیکھا، نوفل کا نمبر جگمگا رہا تھا، اس نے بے تابی سے فون اٹھایا۔

''نوفل!'' وہ اتنا ہی کہہ کر رونے لگی۔

''تارا، کیا بات ہے؟ پلیز بتاؤ؟ کیا پھر مہروز سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ تارا دیکھو روؤ مت۔'' وہ بے تابی سے بولا۔

وہ چند لمحے اپنے آنسوؤں پر قابو پاتی رہی، پھر بولی۔

''ایک بات پوچھوں نوفل؟''

''کیا؟''

''میرے لئے کیا کر سکتے ہو؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''تم نے یہ سوال کیوں کیا تارا؟'' وہ عجیب اذیت و تکلیف سے بھرے لہجے میں بولا، وہ چند پل اپنے آنسوؤں پیتی رہی پھر بولی۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی نوفل، مجھے بتاؤ میں کیا کروں، وہ کہتا ہے وہ مجھے چھوڑ دے گا، اس اجنبی شہر میں اور مجھے پھر پتا چلے گا کہ یہاں کیسے گھاگ شکاری بیٹھے ہیں مجھے شکار کرنے کے لئے، وہ کہتا ہے......'' وہ روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی جب نوفل نے درمیان میں اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ صرف تمہیں ڈرا رہا ہے، وہ تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس میں اسی کا نقصان ہے وہ ہر صورت تمہیں منانے کی کوشش کرے گا۔'' نوفل نے یقین سے کہا۔

''مسئلہ تو پھر بھی وہیں ہے، جب میں کسی صورت نہیں مانوں گی تو وہ آخری حد پر اتر آئے گا۔'' ستارا نے کہا۔

''تمہیں لگتا ہے وہ تمہیں چھوڑ دے گا؟'' نوفل نے پوچھا۔

''ہاں مجھے لگتا ہے۔'' ستارا کی آواز میں خدشات و اوہام تھے، نوفل خاموش رہا، اس کی خاموشی ستارا کو چبھنے لگی۔

''تم چپ کیوں ہو؟ تم میری مدد نہیں کرو گے؟'' وہ آس و نراس کے درمیان ڈول رہی تھی۔

''میں...... میں ...... کیا مدد کروں؟'' وہ گڑبڑا گیا مگر ہچکچا کر بولا۔

''وہ مجھے چھوڑ دے گا، تو میں کہاں جاؤں گی؟ میں یہاں کسی کو نہیں جانتی؟'' وہ جھلا کر چلا اٹھی۔

''تم مفروضوں کی بات کر رہی ہو، اس نے تمہیں چھوڑا تو نہیں ناں؟''

''تمہارا مطلب ہے میں انتظار کروں کہ وہ مجھے دھکے دے کر اس گھر سے نکالے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''دیکھو تارا تم جانتی ہو میں میں کس طرح رہ رہا ہوں، میرے پاس تو اپنا گھر بھی نہیں، تو میں......'' وہ بے بسی سے وضاحت دینے لگا۔

امید کا آخری چراغ بھی تیز ہوا کی سپرد ہوا تھا، یکدم ہی زمین ستارا کے قدموں تلے ہلنے لگی، وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو نوفل! میں غلط ہوں، میں بالکل غلط سوچ رہی تھی، تم بھلا میری کیا مدد کر سکتے ہو، تم تو خود دو وقت کے کھانے کے لئے سارا دن مزدوری کرتے ہو تب کہیں جا کر......'' وہ رک گئی آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں کے بند توڑنے پر آمادہ تھا۔

''مجھے معاف کر دو نوفل، میں آج کے بعد قطعی تمہیں تنگ نہیں کروں گی، کبھی تمہیں مدد کے لئے نہیں کہوں گی، میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا نا، اس کے لئے مجھے معاف کر دو، میں مہروز کی بات مان لوں گی۔'' وہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، نوفل کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی۔

''فضول باتیں مت کرو تارا! تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔'' وہ سنبھل کر اسے تنبیہ کرنے لگا۔

''میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے نوفل!'' وہ ہارے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''راستہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے تارا، صرف ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے۔'' وہ مستحکم لہجے میں اسے تسلی دینے لگا۔

''لیکن میرے لئے نہیں ہے کیونکہ میں کوئی ولی یا پیغمبر نہیں ہوں جس کے لئے کوئی معجزہ ہو جائے، میں ایک عام سی بشر ہوں جسے اپنے مسئلے مسائل خود ہی حل کرنا ہیں۔'' وہ بھی سنبھلے ہوئے لہجے میں بولی اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

علینہ نے کتاب پر تھکی ہوئی نظر ڈالی اور بند کر کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دی، ساڑھے دس بج رہے تھے، اس نے ایک انگڑائی لے کر تھکن کو بھگایا اور اٹھ کر واش روم کی سمت بڑھ گئی، چند لمحوں بعد وہ بے بی پنک ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ملبوس نائٹ سوٹ پہنے باہر آ گئی، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے پھر اونچی سے پونی ٹیل بنائی اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی، اس سے پہلے کہ لائٹ آف کر کے نائٹ بلب روشن کرتی، دروازے پر دھیمی سے دستک ہوئی، وہ چونکی نہیں کیونکہ اس وقت سبین بھابھی ہی اسے دودھ کا گلاس دینے آتی تھیں۔

''آ جائیے۔'' اس نے نسبتاً بلند میں کہا۔

آہستگی سے دروازہ کھلا اور شاہ بخت اندر آ گیا، وہ توقع نہیں کر رہی تھی جبھی بری طرح چونکی اور بے اختیار کھڑی ہو گئی۔

''اوہ میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔'' وہ اسے نائٹ سوٹ میں ملبوس دیکھ کر ہنسا۔

اس کے لباس پر ننھی ننھی ڈولز بنی ہوئیں تھیں اور گلابی رنگ کا عکس اس کے چہرے پر جھلملا رہا تھا، شاہ بخت کی آنکھوں میں روشنیاں سی اتر آئیں تھیں۔

علینہ نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے بے تاثر انداز میں اسے دیکھا۔

''یقیناً کیونکہ یہ میرے سونے کا وقت ہے۔'' علینہ کا سپاٹ لہجہ کسی بھی قسم کی مروت سے

عاری تھا، شاہ بخت کے تاثرات واضح طور پر بدلے تھے۔

''ٹھیک ہے میں زیادہ وقت نہیں لوں گا، میں یہ لایا ہوں تمہارے لئے۔'' شاہ بخت نے اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوتے صلح جو انداز میں کہا، اشارہ ہاتھ میں پکڑے کیس کی طرف تھا، علینہ کے چتون اب بھی وہی تھے۔

''کیا ہے اس میں؟'' اس نے تیکھے انداز میں کہا۔

شاہ بخت نے بمشکل خود پر قابو پایا، ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ یہ کیس علینہ کے منہ پر مارے اور کمرے سے چلا جائے ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ یوں خود کو نظر انداز کیا جانا سہہ نہیں پا رہا تھا، حیرانی تو اسے اس بات پر تھی کہ آخر یہ چھٹانگ بھر لڑکی جسے سب گھر والے بچی سمجھتے تھے اس سے اتنا خار کیوں کھاتی تھی؟ آخر وہ اس کے ساتھ اتنا برا رویہ کیوں رکھتی تھی؟

''اس میں صرف ایک گھڑی ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ اپنے طیش پر قابو پا کر بولا۔

علینہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اپنی رسٹ واچ اٹھائی اور شاہ بخت کے سامنے لہرائی۔

''میرے پاس گھڑی ہے اس لئے مجھے آپ کی گھڑی کی ضرورت نہیں۔'' علینہ نے طنزیہ کہا، شاہ بخت کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''لیکن میں یہ تمہارے لئے لایا ہوں۔'' وہ خود کو نارمل کرتا بولا تھا، لیکن جبڑے بھینچ گئے تھے۔

''میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ یہ رمشہ آپی کو دے دیجئے۔'' علینہ نے تلخ لہجے میں کہا، انداز صاف جان چھڑانے والا تھا

شاہ بخت نے مٹھی بھینچ کر خود پر قابو پایا اور تیزی سے کمرے سے نکل آیا ورنہ شاید وہ علینہ کو ایک آدھ تھپڑ تو مار ہی دیتا اس کے سر کے دائیں حصے میں یکدم ہی شدید درد اٹھا تھا وہ نڈھال سا بیڈ پر گر گیا۔

''بہت غلط کر رہی ہو عینا، تم بہت غلط کر رہی ہو۔'' وہ غصے سے پاگل سا ہو رہا تھا، جنوں نے اس کی خرد کو کھا لیا تھا۔

تکیہ اٹھا کر کارپٹ پہ پھینکا اور دوسرے ہی لمحے سائیڈ ٹیبل پر پڑا موبائل پوری قوت سے دیوار پر دے مارا، موبائل کے پرزے اڑ گئے، پھر تو جیسے اس پر جنون سا طاری ہو گیا وہ بے اختیار اٹھا اور رائٹنگ ٹیبل پر پڑے کمپیوٹر سسٹم کی طرف بڑھ گیا، ماؤس اور کی پیڈ اٹھا کر فرش پر پھینکے، ان کی کنکٹیڈ وائرز بری طرح کھنچی گئیں، اس سے پہلے کہ وہ LCD بھی اٹھا کر توڑ ڈالتا، دروازہ زوردار طریقے سے دھڑ دھڑایا گیا، وہ بھرپور انداز میں چونکا۔

☆☆☆

تیمور کی اس تلخ کلامی کے اگلے دن ہی وہ لاہور چلا گیا تھا کسی ضروری کام کا کہہ کر، لیکن حبا جانتی تھی کہ اسے کوئی ضروری کام نہیں تھا، وہ اسد کے پاس گیا تھا، اتنے سالوں کی رفاقت میں وہ جان چکی تھی کہ ''اسد عمر'' اس کے لئے کیا تھا۔

''اسد عمر۔'' اسید مصطفیٰ کے ہر بند تالے کی چابی تھا، وہ اس کے لئے سورس آف کون سولیشن تھا، وہ اس کا سائیکالوجسٹ تھا۔

دو دن بعد وہ لوٹا تو بالکل نارمل تھا اس کا رویہ ہمیشہ کی طرح حبا کے ساتھ بہت نرمی سے انس لئے ہوئے تھا اور اس نے حبا کو کمپیوٹر کی ابتدائی چیزیں بھی سکھانا شروع کر دیں تھیں، حبا نے بارہا اس کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا، کچھ ڈھونڈنا چاہا مگر اسے اسید کا چہرہ ہمیشہ کی طرح نارمل ہی لگا، وہ پہلے سے بڑھ کر ہینڈسم اور شاندار نظر آتا تھا، حبا جب بھی اس کو دیکھتی اسے لگتا وہ پہلے سے بڑھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہو، اس کا دل چاہتا وہ اس کی ہر مسکراہٹ کا نذرانہ پیش کرے، ہر نظر پر اس کا صدقہ اتارے، اس کا دل چاہتا وہ اس کے سامنے رہے ہر پل، ہر گھڑی اور وہ اس چہرے کو دیکھتی رہے اور صرف اس آواز کو سنے باقی اس دنیا کی ہر چیز، ہر آواز معدوم ہو جائے، وہ جب اس سے بات کرتا یا اسے کچھ بتاتا تو اس کا دل چاہتا وہ آنکھیں بند کر کے اس کی ہر بات کا یقین کر لے۔

''محبت بڑھتی جاتی تھی۔''

''شاید عشق بن رہی تھی۔''

''یا شاید جنون......!!!''

مگر وہ اس کے سامنے بے بس تھی، سچ تو یہ تھا کہ وہ اس بہاؤ میں بہہ جانا چاہتی تھی، ایسا صرف اس کی ظاہری خوبصورتی کی وجہ سے نہیں تھا، وہ باطنی طور پر اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا، وہ بہت نرم دل ہمدرد فطرت اور حساس تھا، وہ بہت شائستہ اور نرم گو تھا، اس کا دل چاہتا وہ اس کا چوڑی ہتھیلی والا سرخ و سفید مضبوط ہاتھ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں سمیٹ کر بیٹھی رہے اتنی دیر کہ اس کے وجود کی ساری گرمی اس کے ہاتھوں سے اسید کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے، کبھی کبھی اسے رونا آتا ڈھیروں ڈھیر، وہ نم آنکھوں سے اس سے پوچھتی۔

''اسید مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں ہو گے نا۔'' وہ ہنس دیتا۔

''تم پاگل ہو حبا؟ میں تم سے ناراض ہو سکتا ہوں؟'' یونہی ہوتا ہے بعض انسان ہمارے اتنا قریب آ جاتے ہیں کہ ان سے جدائی سے بہتر موت لگتی ہے حبا کو لگتا اگر اس کی زندگی میں اسید مصطفیٰ نہ رہا تو کیا وہ زندہ رہ پائے گی؟ نہیں بالکل نہیں، اسید مصطفیٰ اس کی زندگی تھا، اور حبا تیمور کو اپنی زندگی سے بے حد پیار تھا۔

اس کا خوبصورت چہرہ حبا تیمور کی رگ جاں میں اس طرح اترا ہوا تھا کہ اس کی آنکھوں سے حبا تیمور کو یہ ساری زندگی بہت خوبصورت لگتی، یہ ساری دنیا بہت اچھی لگتی، اور اسے لگتا ہمیشہ ہی رہے گا، سب کچھ اسی طرح اچھا اور خوبصورت رہے گا۔

''اسید مصطفیٰ اس کا دیوتا تھا اور وہ اس کی داسی جسے دن رات دیوتا کی پرستش سے ہی فرصت نہ تھی۔''

ایک شام حبا نے اسے چائے دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اسید! ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں کہو۔'' وہ چائے کے گھونٹ لیتا بولا۔

اوائل اگست کے دن تھے، موسم بتدریج ٹھنڈا ہو رہا تھا، نرم نرم ہوا چلتی بے حد بھلی معلوم ہو رہی تھی، حبا نے نظریں جما کر اسے دیکھا اور بولی

''تمہیں پاپا کی باتوں پر غصہ آتا ہے نا۔''

وہ بری طرح چونکا اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح تبدیلی آئی تھی، لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں کسی قسم کا غصہ یا غصیلا پن نہیں تھا اس کے برعکس اس کا لہجہ سرد مہری اور تحکم لئے ہوئے تھا۔

''حبا! تم بچی ہو، آج کے بعد میں بالکل پسند نہیں کروں گا کہ تم ان معاملات میں دخل اندازی کرو سمجھی؟'' حبا کا رنگ پھیکا پڑ گیا، اسے اس لہجے کی عادت نہیں تھی۔

''سوری۔'' وہ فوراً معذرت کرنے لگی، اسید کے چہرے پر ایک نرم سا تاثر پھیل گیا۔

''اٹس او کے۔''

''فرسٹ ائیر کے متعلق کیا سوچا ہے؟'' اسید مزید پوچھنے لگا۔

''مجھے کیا سوچنا ہے؟ تم کس لئے ہو؟'' وہ گردن اکڑا کر کہنے لگی۔

اسید ہنس دیا، حالانکہ اسے یوں بھی تکلفی سے حبا کا تم کہنا اچھا نہیں لگتا تھا وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا اپنا احترام کروانے کے چکر میں حبا کو خود سے دور نہیں کر سکتا تھا۔

''رجحان کس طرف ہے تمہارا؟''

''انگلش لٹریچر۔'' وہ جھجکے بغیر جھٹ سے بولی، اسید کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''سب کچھ میرے جیسا ہی کرنا ہے؟'' اس نے کہا۔

''ہاں۔'' وہ مسکرائی چمکتی آنکھوں سے پھر بولی۔

''پتا ہے اسید میری خواہش ہے میں بالکل تمہارے جیسی بن جاؤں، میرا دل چاہتا ہے وہ سب چیزیں سیکھ لوں جو تم کرتے ہو، تمہاری ساری عادتیں اپنا لوں میں، میں نہ رہوں تم بن جاؤں۔'' حبا نے دل کو زبان دے دی تھی، اسید کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''اچھا مگر حبا اتنا شدت پسند ہو کر نہیں سوچتے، دیکھو ہر شخص کی اپنی پرسنالٹی ہوتی ہے، اپنا مزاج ہوتا ہے، انفرادی اختلافات ہی انسانی شخصیت کی پہچان ہوتے ہیں اور کوئی شخص کتنی بھی کوشش کرے وہ عادتیں تو بدل سکتا ہے، فطرت نہیں تمہیں اس لئے یہ مت سوچو کہ تمہیں اس جیسا بننا ہے یا اس جیسا بلکہ اس کے بجائے یہ سوچ رکھو کہ اپنی ایک منفرد شخصیت بنائی جائے۔'' وہ اسے سمجھانے لگا، حبا کو بے ساختہ اس پر پیار آیا تھا۔

''مگر مجھے منفرد نہیں بننا، مجھے صرف تمہارے جیسا بننا ہے اسید۔'' حبا کے لہجے میں شدتیں در آئیں تھیں۔

چند پل کے لئے اسید مصطفیٰ ساکت رہ گیا تھا پھر سر جھٹک کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

مہروز بال بناتے ہوئے ستارا کو دیکھا جو دو تین بار کمرے کا چکر لگا چکی تھی شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، چوتھی بار وہ بول پڑی۔

''میں نے ناشتہ لگا دیا ہے۔'' اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری۔

مہروز چونکا، گویا آج صلح ہو گئی، وہ بے ساختہ آگے بڑھا اور ستارا کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

''ستارا! میں......؟'' ستارا نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''ناشتہ تیار ہے۔'' وہ باہر نکل گئی۔

مہروز خفیف سا ہو گیا، آثار اچھے تھے اگر وہ تھوڑی سی محنت کرتا تو یقیناً اسے ٹریک پر لا سکتا تھا، وہ مسکراتا ہوا باہر آ گیا، ناشتہ میز پر تیار تھا، ستارا نے کافی دن بعد یہ عنایت کی تھی ورنہ وہ عموماً تیار ہو کر خود ہی ناشتہ بنا لیتا تھا۔

اس نے ناشتہ کرتے ہوئے سلیب کے ساتھ پشت ٹکائے کھڑی ستارا کو دیکھا جو کافی کے سپ لیتی ہوئی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔

''ستارا!'' مہروز نے اسے آواز دی۔

ستارا نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آج شام تیار رہنا، باہر چلیں گے۔'' مہروز نے مکمل طور پر امن کا جھنڈا لہراتے ہوئے گویا جنگ بندی کا اعلان کیا، ستارا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کسی کلب، بار یا کیسینو میں نہیں جاؤں گی۔'' مہروز بے ساختہ ہنس دیا۔

''ٹھیک ہے ہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانا کھائیں گے، اوکے؟'' مہروز نے تصدیق چاہی۔

''ٹھیک ہے۔'' ستارا نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

مہروز اسٹوڈیو چلا گیا تو وہ کچن سمیٹنے لگی، اس کے بعد گھر کی ڈسٹنگ کی اور پھر خود فریش ہونے چلی گئی۔

وہ باتھ لے کر لوٹی تو نظر سیل فون پر پڑی جو نجانے کب سے بجے جا رہا تھا، اس نے نمبر دیکھا، نوفل کا تھا، طویل سانس لے کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی، آہستگی سے ''یس'' پریس کیا اور کان سے لگا لیا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہ اسی بے تابی اور شدت سے پوچھ رہا تھا۔

''آج شام ہم کھانا باہر کھائیں گے اور تم وہاں آ رہے ہو۔'' ستارا نے اس کی بات نظر انداز کر کے حکمیہ انداز اپنایا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''مجھ سے ملنے۔'' وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔

''کیا یہ ضروری ہے؟'' وہ دھیمے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''بالکل ضروری ہے، کیا یہ جاننا ضروری نہیں ہے نوفل؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔

''نہیں، یہ ضروری نہیں ہے۔''

''یہ ہے میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں جسے میں نے پچھلے ایک ماہ سے پاگل کیا ہوا ہے۔'' ستارا نے تند لہجے میں کہتے اس کے الفاظ لوٹائے تھے، چند لمحے پراسرار خاموشی چھائی رہی۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' نوفل نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

''کیوں؟'' وہ اسی طرح بولی۔

''مجھے دیکھنے سے...... کیا...... ہو گا؟'' وہ رک رک کر بولا۔

''کیوں......؟ کیا تم بہت بدصورت ہو؟'' وہ ہنسی۔

''اگر میں کہوں ''ہاں'' تو......؟'' نوفل کا لہجہ شکستہ تھا، وہ چونکی۔

''اچھا...... کہیں تم وہ تو نہیں ہو افریقی نیگرو، او گاڈ مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے، سچی۔'' ستارا نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا، دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی۔

''نوفل! ہیلو کدھر ہو؟'' وہ جھلا گئی۔

''تم ٹھیک سمجھی ہو تارا! میں افریقی نژاد مسلم ہوں، بنیادی طور پر میرا تعلق جنوبی افریقہ سے ہے۔'' وہ بڑے سکون سے کہہ رہا تھا۔

ستارا کو لگا اس کی سانس رک گئی ہو، اتنی خوبصورت اور پیاری باتیں کرنے والا نوفل صدیق جس کا لب و لہجہ اور مدھم مگر گمبھیر بھاری آواز کسی کو بھی پاگل بنا سکتی تھی، جب وہ ہنستا تو یوں لگتا جیسے جھرنے گنگنا اٹھے ہوں، وہ نوفل صدیق ''افریقی'' تھا، ستارا کا دماغ سنسنانے لگا۔

''تم...... مذاق کر رہے ہو؟'' وہ ناقابل یقین نظروں سے فون کو دیکھ کر بولی تھی۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے آج تک تم سے مذاق نہیں کیا۔'' وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔

ستارا کے دماغ میں آندھیاں سے چلنے لگیں، اس اب تک یقین نہیں آیا تھا مگر نوفل کا

اتنا حتمی لہجہ، اسے یقین کرنا پڑا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر دوسری طرف سے فون بند کیا جا چکا تھا، اسے یکلخت احساس ہوا اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں، کیا اسے اتنا زبردست شاک لگا تھا، اسے خود پہ حیرت ہوئی، اسے کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل گر پڑی۔

"کیا میں اتنی حسن پرست ہوں؟ مجھے اتنا شاک کیوں لگا ہے؟ کیا یہ بات اہم نہیں ہے کہ وہ باطنی طور پر اتنا خوبصورت ہے؟ اور اگر وہ ظاہری طور پر مہروز جیسا ہوتا، ٹھیک ٹھاک اور باطنی طور پر بھی اس جیسا ہوتا غلیظ اور گندہ؟ تب ......تب میں کیا کرتی؟"

"کیا ظاہری خوبصورتی میرے لئے اہمیت رکھتی ہے؟"

وہ خود سے سوال پر سوال کر رہی تھی اور جیسے جیسے جواب اس کے سامنے آ رہے تھے، وہ بتدریج پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔

"کیا میں بھول جاؤں؟ تمہاری مدد، تمہارا دیا گیا حوصلہ، تمہاری ہمدردی، تمہارا احساس دل، کیسے بھول جاؤں میں؟ تم ان سفید رنگوں اور کالے دل والے لوگوں سے ہزار گنا بہتر ہو نوفل! تم اس دنیا کے سب سے پیارے انسان ہو۔" وہ سوچتی جا رہی تھی۔

ابتدائی جھٹکے کے بعد حیرت کی وہ شدت بھی ختم ہو چکی تھی، یقیناً اس کے سیاہ فام ہونے کی وجہ سے ہی اسے کہیں جاب نہیں ملتی تھی ورنہ اس نے ستارا کو بتایا تھا کہ وہ اچھا خاصا پڑھا ہوا تھا، شاید غربت اور بھوک کی مجبوری ہی تھی جو وہ کسی ورکشاپ پر مزدوری کرتا تھا۔

ستارا کے نازک دل میں نوفل صدیق کے لئے ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اس نے سیل فون اٹھایا اور مختصر سا ٹیکسٹ لکھ کر بھیجا۔

"I want to meet u"۔ فوراً فون پر نوفل کا نمبر جگمگا اٹھا، اس نے یس پریس کیا۔

"تم نے فون بند کر دیا...... کیوں؟" مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی، دوسری طرف، معمول کی خاموشی تھی۔

"اوفو! نوفل خاموشی کے اتنے لمبے وقفے نہ دیا کرو۔" وہ جھلا ہی تو گئی تھی۔

"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تارا؟" شکست خوردہ مگر ٹوٹی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"کس بات کا؟" ستارا نے تجاہل برتا۔

"انجان مت بنو۔" وہ جیسے تڑپا تھا۔

"نوفل مجھے اتنا سطحی سمجھتے ہو؟" وہ رنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تارا! باخدا نہیں...... میں تو بس۔ چھوڑو جانے دو۔" وہ یکدم بات بدل گیا۔

"کیا نوفل...... بتاؤ نا؟" وہ مصر ہوئی۔

"لڑکیاں مجھے پسند نہیں کرتیں، تارا! بتاؤ، کیا انسان کی شکل ہی سب کچھ ہوتی ہے؟ کوئی روح کیوں نہیں دیکھتا؟ کیوں دل نہیں دیکھتا؟" بڑے کاٹ دار سوالات تھے خاموش رہی۔

"مجھے ان سب کا نہیں پتا نوفل، میری زندگی میں آنے والے سب سے پیارے انسان ہو، اس سے زیادہ کیا کہوں؟" ستارا نے بڑے مضبوط اور مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو تارا! اگر میں کہ......" وہ بے یقینی سے کہتے کہتے رک گیا۔

"کہ کیا؟"

"چلو چھوڑو ابھی اس بات کا وقت آیا۔" وہ بات ہی ختم کر گیا، وہ چند لمحے ے سامنے دیوار کو گھورتی رہی۔

"پھر شام کا کیا پروگرام ہے؟" وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگی۔

"ہاں دیکھتا ہوں، پھر ٹیکسٹ کر دوں گا۔" وہ بھی سنبھلے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

"اوکے بائے۔" ستارا نے فون بند کر کے سائیڈ پر پھینکا۔

چند لمحے اسٹل بیٹھی رہی، شاک کی کیفیت تو ختم ہو چکی تھی مگر جھٹکا بدستور سخت تھا، اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

"کیا میرا ظرف اتنا چھوٹا ہے؟"

"نہیں مجھے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے سر جھٹکا اس کے ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے لمبا چوڑا مضبوط جسم کا حامل سیاہ فام اپنے موٹے موٹے ہونٹوں اور چمکتے دانتوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا اور جس کے اسکن ہیڈ نے اسے دہشت زدہ کر دیا، وہ جھٹکا کھا کر بیدار ہوئی شاید وہ بیٹھے بیٹھے خواب دیکھ رہی تھی۔

"اُف۔" اس نے اپنے دھڑکتے دل پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ کس امتحان میں ڈال دیا تم نے مجھے نوفل؟" اس نے بھیگی آنکھیں رگڑتے ہوئے سوچا۔

جی چاہ رہا تھا ابھی شام ہو جائے اور وہ اس کے روبرو ہو۔

☆☆☆

دستک کی آواز بے حد تیز تھی، شاہ بخت نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا اور بلند آواز سے بولا۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں عباس، کیا بات ہے بخت؟ یہ شور کیسا ہے؟" عباس کی آواز سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس نے تیزی سے کہتے ہوئے ہاتھ آئے واز کو پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔

ایک چھناکا ہوا اور پلاسٹر آف پیرس کا خوبصورت واز ٹکڑیوں میں بٹ کر کارپٹ پر بکھر گیا۔

"بخت! دروازہ کھولو۔" عباس نے پھر دروازہ بجایا۔

"میں نے کہا نا کچھ نہیں ہوا مجھے، جاؤ یہاں سے۔" وہ دھاڑا تھا اور کرسٹل کا نازک سا ڈیکوریشن پیس اٹھا کر آئینے پہ دے مارا جنونیت اور وحشت نے اسے پاگل کیا ہوا تھا، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے؟ وہ کیا کہے؟ شاید اس کے پاس اپنے کسی طرز عمل کا کوئی جواب نہیں تھا، مگر وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ یہ سب توڑ پھوڑ کر کے اسے ذہنی تسکین مل رہی تھی، اس کے غصے میں کمی آ رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ ایل سی ڈی بھی اٹھا کر اپنے طیش کی نظر کر دیتا، دروازہ ایک بار پھر بجا اور اس کے ساتھ ہی ہینڈل گھوما اور دروازہ کھلتا چلا گیا، دروازہ کھلتے ہی ایک جلوس سا اندر چلا آیا۔

سب سے آگے وقار تھے، انہوں نے تیزی سے بڑھ کر اسے تھاما اور بازوؤں میں لے کر بیڈ پر بیٹھ گئے، کمرے میں بے حد شور تھا سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے، رمشہ اس کے سر پہ کھڑی چیخ رہی تھی، اس کے اس طرز عمل کی وضاحت مانگ رہی تھی۔

بڑے تایا جان بھی اس سے پرسش کر رہے تھے، امی جان خاموشی سے آنکھوں میں آنسو لئے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں، سب تھے مگر وہ نہیں تھی، شاہ بخت کا سر درد سے پھٹنے لگا وہ وقار پر ڈھے سا گیا۔

"وقار بھائی! ان سب سے کہیں یہاں سے چلے جائیں پلیز، ورنہ شاید میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

وقار نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے بلند آواز میں آمنہ بھابھی کو پکارا۔

"آمنہ!" آمنہ فوراً ہی ان کی طرف بڑھی تھیں۔

"ان سب کو یہاں سے لے جاؤ اور یہ سب یہاں سے اٹھواؤ۔" انہوں نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

آمنہ نے فوراً صورتحال کا جائزہ لے کر ان کی زیرک نگاہی کو سراہا تھا اور کچھ دیر بعد وہ سب کو سمجھا بجھا کر کمرہ خالی کراوانے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔

سین بھابھی کے ساتھ مل کر انہوں نے سب ٹکڑوں کو اکٹھا کیا، پھر خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

وقار نے اسے سامنے کیا اور شاہ بخت کے چہرے پر موجود تاثرات نے انہیں دہلا دیا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور کچھ ضبط کرنے کی کوشش میں بار بار لب بھینچتا وہ انہیں چھوٹا سا بچہ لگا تھا، انہوں نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔

"کیا بات ہے بخت؟" انہوں نے اس کی پشت سہلائی۔

"بخت! میرے بچے بتاؤ آخر ایسی کیا بات ہو گئی ہے جس نے تمہیں اس حد پر اترنے پر مجبور کیا ہے؟ بتاؤ نا؟" وقار نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما اور دلگرفتہ انداز میں پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا، مجھ سے نہ پوچھیں، بس پتا نہیں کیا ہوا ہے؟ میرا دل چاہ رہا ہے اس پوری دنیا کو آگ لگا دوں، مجھے نہیں پتا...... مجھے سے نہ پوچھیں...... آہ...... میرا سر...... میرا سر پھٹ رہا ہے...... آہ......" وہ سر تھامے بستر پر گر گیا، وقار کے قدموں تلے سے یکلخت زمین سرک گئی۔

"عباس...... عباس!" وہ پھیپھڑوں کی پوری قوت لگا کر چلائے۔

عباس جو کہیں باہر ہی تھا تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"جی بھائی!" عباس نے پوچھا اور بخت پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا۔

"گاڑی نکالو فوراً۔" وقار شاہ بخت کو سنبھالتے نیم جاں ہو کر ہانپ سے رہے تھے، چلا کر کہا۔

اب اسے قے ہو رہی تھی، وقار نے بیڈ شیٹ کھینچ کر صاف حصے سے اس کا چہرہ صاف کیا اور اس شرٹ اتار کر ایک طرف پھینک دی پھر اسے بازوؤں میں اٹھایا اور باہر نکل آئے، بہت احتیاط مگر تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ نڈھال سے ہو گئے تھے۔

چچی جان روتی ہوئی ان کی طرف آئی تھیں، مگر وہ اس وقت کسی جواب دہی کی پوزیشن میں قطعاً نہ تھے جبھی تیزی سے باہر نکل گئے، جہاں عباس گاڑی کے دروازے کھولے ان کا منتظر تھا، عباس نے ان کے بیٹھتے ہی گاڑی تیزی سے آگے بڑھائی تیرہ منٹ کے قلیل عرصے میں، وہ جناح ہوسپٹل کے احاطے میں پہنچ چکے تھے، شاہ بخت کو فوراً ہی ایڈمٹ کر لیا گیا تھا، وقار، عباس سے تفصیل جاننے کے لئے بے چین تھے۔

"مجھے شروع سے بتاؤ عباس۔" انہوں نے تفکر سے پوچھا۔

"مجھے خود کچھ زیادہ نہیں پتا، میں تو اپنے کمرے میں جا رہا تھا کہ آوازیں سن کر رک گیا، یوں لگ رہا تھا جیسے کمرے کا سامان اٹھا کر پھینکا جا رہا ہو، میں نے دروازہ بجایا تو بلند آواز سے کہنے لگا کہ کچھ نہیں ہوا، جاؤ یہاں سے، میں نے دروازہ پھر بجایا پھر یہی جواب دیا تو میں آپ کو بلا لایا، مجھے یہی لگا تھا کہ دروازہ لاک ہے لیکن میں نے ہینڈل گھمایا تو کھل گیا، شاید اسے لاک کرنا یاد نہیں تھا، آگے تو آپ کو پتا ہی ہے۔" عباس خاموش ہو گیا، وقار بے چینی سے راہداری میں ٹہلتے رہے۔

"اتنا Severe reaction۔" وہ بڑبڑائے۔

"آخر ایسا کیا ہوا ہے؟" وہ عباس کی طرف پلٹے۔

"تم سے کوئی بات کی اس نے؟"

"نہیں، مجھ سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔" عباس نے نفی میں سر ہلایا۔

اس سے پہلے کہ مزید بات ہوتی، عباس کی جیب میں پڑا سیل فون بجنے لگا، اس نے نکال کر دیکھا تو گھر کا نمبر تھا، وقار کا فون تو کمرے میں ہی پڑا رہ گیا تھا، عباس نے فون ان کی طرف بڑھایا۔

"گھر سے فون ہے۔" انہوں نے فون تھاما اور لیس پریس کر کے کان سے لگا لیا۔

"ہاں اسے ایڈمٹ کر لیا گیا ہے ہاں ٹھیک ہے وہ، ڈسچارج کا ابھی کچھ پتا نہیں۔" انہوں نے مختصر سی بات کر کے آدھے جھوٹ اور آدھے سچ پر مشتمل تسلی دی تھی چچی جان کو اور فون بند کر کے پھر سے سابقہ پوزیشن میں ٹہلنے لگا، آخر تھک کر بینچ پر گر گئے۔

"کیا ہوا ہے آخر ایسا؟ جس نے شاہ بخت کو اتنا پاگل کر دیا ہے؟ آخر کیا......؟"

ان کی سوچ کا طائر ہر طرف پھڑ پھڑا کر پھر سے دماغ کی منڈیر پر آ بیٹھا، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کریں؟ آدھے گھنٹے کے جاں لیوا انتظار کے بعد ڈاکٹر سلطان باہر آتے دکھائی دیئے تو وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆

"حیا" نے وفاقی بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی تھی، حکومتی گاڑی اسے لینے آئی تھی، "تقسیم انعامات" کی تقریب میں شرکت کے لئے لے جانے کے لئے، تیمور تو خوشی سے پاگل ہو رہے تھے، ان کے تو قدم ہی زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔

وہ اور مریم اپنی گاڑی میں ان کے پیچھے چلے تھے، جبکہ اسید جو کسی گیٹ ٹو گیدر کے سلسلے میں دوستوں کے ساتھ تھا اسے بھی نیوز چینلز سے پتا چل گیا تھا وہ بھی بائیک پر وہاں آ گیا تھا، تب تک انہیں میڈلز پہنائے جا چکے تھے اور وفاقی وزیر تعلیم کی طرف سے کیش پرائز بھی مل چکے تھے، وہ اس وقت صحافیوں میں گھری کھڑی تھی۔

اسید نے دور سے ہی ہاتھ اٹھا کر اسے وش کیا تھا وہ بے ساختہ مسکرائی اور بے قابو ہو کر اس کی طرف لپکی۔

"اسید!" وہ بے ساختہ اور بے اختیار کسی تمغے کی طرح اس کے سینے سے لگ گئی۔

ایک تمغہ حیا کے سینے پر سجا تھا اور ایک اسید کے سینے پر اسید نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا اور اسے خود سے الگ کیا، ایک نجی چینل کے اینکر نے ان کا گھیراؤ کیا تھا۔

"جی مس حیا! یہ اسید ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی یہ اسید ہے۔" حیا نے مسکرا کر اکڑ کر کہا۔

"آپ اپنی کامیابی کا کریڈٹ اسید کو دیتی ہیں؟"

''جی بالکل Usaid! this is all because of you۔'' حبا نم آنکھوں سے بولی تھی، کیمرے کا فلش چمکا تھا، اسید چند لمحوں کے لئے Silent and still رہ گیا تھا۔

''اسید! کیا رشتہ ہے آپ کا مس حبا سے؟''

''حبا! میری بہن ہے۔'' اسید نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

''ان کی کامیابی میں آپ کا کس حد تک ہاتھ ہے؟''

''دیکھیں کامیابی صرف فرد واحد کی محنت کے بل پر تو نہیں مل سکتی، بہر حال اس میں سب سے زیادہ حصہ حبا کا اپنا ہے، آف کورس She has the ability اس کے بعد حبا کے اساتذہ کا ہے، میرا ہاتھ صرف اتنا ہے کہ میں نے اسے پراپر گائیڈنس دی ہے۔''

''چلیں جی بہت شکریہ، اللہ آپ کو مزید ایسی کامیابیوں سے نوازے۔'' رپورٹر رخصت ہو گیا۔

وہ اسید کے ساتھ ہی گھر لوٹی تھی، شام میں تیمور نے ایک شاندار پارٹی رکھی تھی جس میں اس کے اساتذہ اور دوستوں کو خصوصی طور پر انوائیٹ کیا گیا تھا، تیمور کے عزیز و اقارب بھی شامل تھے، بزنس کلاس کے احباب بھی موجود تھے، غرض ایک رنگا رنگ تقریب تھی جس میں حبا تیمور سفید فراک زیب تن کیے کسی تتلی کی مانند اڑتی پھرتی تھی اور تتلی کا مرکز سوائے اسید کے اور کون ہو سکتا تھا، تیمور احمد جو صبح سے ضبط کر رہے تھے اب جیسے آخری حد پر پہنچ کر پاگل ہونے کو تھے۔

وہ اس وقت تیزی سے اسید کی طرف بڑھے جو نسبتاً تاریک حصے میں تنہا کھڑا تھا۔

''میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ میری بیٹی سے دور رہو اور اپنے برادرانہ جذبات کو کنٹرول میں رکھو، میڈیا اور پریس کے سامنے یہ بیان دینے کی اجازت تمہیں کس نے دی؟ بڑے طرے سے فرما رہے تھے حبا میری بہن ہے کہاں سے ہے وہ تمہاری بہن؟ میں تمہارے اور تمہاری ماں کے مذموم عزائم بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں، تم میری معصوم بیٹی کو بہن بنا کر ورغلا رہے ہو، اسے اس کے باپ سے دور کر رہے ہو، کس بنا پر وہ اپنی کامیابی کا کریڈٹ تمہیں دے رہی ہے؟'' تیمور سارے لحاظ بھلائے زہر اگل رہے تھے۔

اسید ہکا بکا سا انہیں دیکھ رہا تھا، ان کی اتنی پست اور گندی سوچ کے مظاہرے نے اس کا خون کھولا کر رکھ دیا تھا، وہ بڑے ضبط سے کھڑا رہا، آج حبا کی خوشی تھی اور وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔

''کوئی اور بات کریں۔'' اسید نے پرسکون رہتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو، میں تمہیں لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں اسید مصطفیٰ میری بیٹی سے دور رہو۔'' وہ پھنکارا اٹھے تھے۔

''برائے مہربانی مجھے سمجھانے کی بجائے آپ اپنی بیٹی کو سمجھائیے۔'' وہ بھی بھڑک اٹھا۔

''تم مجھے چیلنج دے رہے ہو۔'' تیمور کی آنکھوں میں برق سی کوند گئی۔

''نہیں سمجھا رہا ہوں اگر آپ میں اسے مجھ سے دور رکھنے کی Ability ہے تو کر دیجئے اسے مجھ سے دور۔'' وہ اسی سکون سے بولا جو اس کا خاصا تھا۔

''میں تمہیں اور تمہاری ماں کو اس گھر سے اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' وہ جلال میں آ گئے تھے، اسید استہزائیہ انداز میں ہنس پڑا۔

''بصد شوق، یہ خواہش بھی پوری کر لیجئے۔''

وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

تیمور گہری سانسیں لیتے ہوئے خود پہ قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔

☆☆☆

ستارا نے شام کے لئے خصوصی تیاری کی تھی، اس نے آف وائٹ کامدار لانگ شرٹ اور ٹراؤزر منتخب کیا تھا، جس کے ساتھ اس نے پرل کے خوبصورت ائیر رنگ پہنے اور ساتھ آف وائٹ ہی نازک سی ہیل والی چپل، میک اپ کے نام پر صرف ہلکی پنک لپ اسٹک لگا لی، البتہ بال اس نے جوڑے کی شکل میں باندھ لئے تھے، وہ جانتی تھی وہ غلط کر رہی تھی۔

وہ جانتی تھی اس کا انجام کچھ اچھا نہ تھا، مگر وہ مجبور تھی، وہ کوئی چور دروازہ ڈھونڈ رہی تھی اور وہ اسے نوفل صدیقی کی شکل میں مل گیا، شاید اس کے اندر سے احساس گناہ مٹ گیا تھا، ایک نامحرم کے لئے اتنا بج سنور کے جانا اسے قطعی غلط نہیں لگ رہا تھا، وہ خود کو یکسر کم عمر سویٹ سکسٹین ایج کی لڑکی سمجھ رہی تھی جو پہلی بار اپنے محبوب کو ملنے جاتی ہو، اسے اپنے اندر ویسی ہی سنسنی اور تجسس محسوس ہو رہا تھا۔

ریسٹورنٹ کا نام وہ پہلے ہی مہروز سے پوچھ کر نوفل کو بتا چکی تھی، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے نوفل کو ٹیکسٹ کیا تھا۔

''I am coming۔'' ہمیشہ کی طرح فوراً ہی فون جاگ اٹھا۔

''کس کا فون ہے؟'' مہروز نے پوچھا۔

ستارا نے جواب دینے کی بجائے فون لیس کر کے کان سے لگا لیا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہ اسی وارفتگی اور شدت سے مخاطب تھا۔

''میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟'' ستارا نے مہروز پر اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے احتیاط سے کہا۔

''تم آ رہی ہو؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''ہاں اور تم؟'' ستارا نے کہا۔

''میں پوری کوشش کروں گا آنے کی، تم آخری لمحوں تک میرا انتظار کرنا، اوکے؟''

''اوکے۔'' ستارا نے فون بند کر دیا اور ساتھ ہی Recevied calls میں سے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔

مہروز اس ساری گفتگو سے یہ اخذ کرنے میں ناکام رہا تھا کہ مبادا دوسری طرف مرد تھا یا کوئی عورت؟

''کون تھا؟ پاکستان سے فون تھا؟'' مہروز نے پوچھا اس نے ستارا کے اردو بولنے سے یہی اخذ کیا تھا۔

''ہوں، ایک دوست تھی، حال چال پوچھ رہی تھی۔'' ستارا سرسری انداز میں کہتے ہوئے بے نیازی سے باہر کے مناظر میں گم ہو گئی۔

اس کے انداز پر مہروز بس اپنی برداشت کا امتحان لے کر رہ گیا تھا، ریسٹورنٹ پہنچ کر ستارا نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تھی، مگر بے سود، وہاں تو ایک بھی سیاہ فام نظر نہیں آ رہا تھا، ستارا نے قصداً ایسی ٹیبل کا انتخاب کیا تھا، جہاں سے داخلی دروازے پر نظر رکھی جا سکے، ظاہر ہے اگر نوفل آتا تو وہ داخلی دروازے سے ہی اندر داخل ہوتا اور یوں وہ فوراً اسے پہچان لیتی۔

مینو کارڈ سے اپنی پسند کی ڈشز لکھوانے تک وہ کتنی ہی بار پہلو بدل چکی تھی، کھانا لگنے سے پہلے مہروز اٹھ کر واش روم گیا، تو ستارا نے موقع غنیمت جان کر تیزی سے اس ٹیکسٹ بھیجا۔

''کہاں ہو؟'' اسی وقت Repley آیا تھا۔

''تمہارے بہت پاس۔''

ستارا کا دل دھڑک اٹھا، اس نے فوراً چاروں طرف نظر دوڑائی مگر وہاں کوئی نہیں تھا، کم از کم نوفل کے حلیے سے ملتا جلتا شخص قطعاً نہیں تھا۔

''ایگزیکٹ پلیس بتاؤ؟'' ستارا نے پوچھا۔

''تمہارے دل میں۔'' نوفل نے سمائلنگ آئی کون کے ساتھ ٹیکسٹ کیا، ستارا کا رنگ سرخ پڑا۔

''بدتمیز۔'' اس نے لکھا۔

''صرف تمہارا۔'' جواب آیا۔

''پلیز بتاؤ بتاؤ تو؟'' ستارا نے التجا کی۔

''ہاہاہاہا۔'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

''نوفل! یہ کیا ہے؟'' وہ تنگ کر لکھنے لگی۔

''محبت۔'' دل دھڑکاتا جواب حاضر تھا۔

ستارا کو حیرت ہوئی وہ اتنی عامیانہ باتیں کبھی نہیں کرتا تھا۔

''تمہارا دماغ درست ہے؟'' اس نے غصے سے سرخ ہوتے لکھا۔

''تمہیں دیکھنے کے بعد نہیں رہا۔'' Kissing i con کے ساتھ Repley آیا تھا۔

ستارا نے جواب دینے کی بجائے فون ایک طرف رکھ دیا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوفل کہہ رہا تھا، لیکن سوال یہ تھا کہ وہ خود کدھر تھا؟

فون پر ایک بار پھر I new message کی جگمگاہٹ ہوئی، اس نے میسج کھولا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو، بال کیوں باندھے ہیں؟ آف وائٹ رنگ تم پہ بہت سج رہا ہے اور یہ لباس بھی۔'' ستارا کی سانس رک گئی، وہ یہیں کہیں تھا، بہت قریب وہ اسے دیکھ رہا تھا، وہ بل نہیں سکی، اس نے نہایت احتیاط سے چاروں طرف نظر دوڑائی مگر وہ نہیں تھا، کہیں نہیں تھا، اسی وقت مہروز آ گیا، ستارا نے فون ہینڈ بیگ میں ڈال لیا تھا، چونکہ فون Silent پر تھا اس لئے اسے کوئی فکر نہ تھی، خواہ کتنے بھی میسج آتے یا کال آتی رہتی۔

باقی کا وقت بہت خاموشی سے کٹا تھا، وہ کھانا نہیں کھا سکی تھی ڈھنگ سے، بس نام کے چند لقمے لئے تھے، مہروز اس سے باتیں کرتا رہا، وہ سنے سمجھے بغیر ہاں ہوں کرتی رہی۔

واپسی پر مہروز کا موڈ سخت خراب تھا، اسے ستارا کے موڈ میں کوئی تبدیلی، مزاج میں کوئی لچک نظر نہیں آئی تھی، اب وہ مایوس ہو رہا تھا اور ستارا نہیں جانتی تھی کہ مایوس انسان کس حد تک جا سکتا ہے گھر آ کر اس نے خاموشی سے کپڑے بدلے اور منہ ہاتھ دھو کر ٹی وی کے آگے آن بیٹھی، پتا نہیں وہ آج کل اتنا ٹی وی کیوں دیکھنے لگی تھی، شاید یہ بھی فرار کا کوئی راستہ تھا، مہروز نے اسے بیڈروم میں سونے کے لئے نہیں کہا، وہ صوفے پہ نیم دراز چینل پہ چینل بدلتی رہی، جیسے ہی گھڑی نے بارہ کا گھنٹا بجایا۔

فون کی اسکرین چمک اٹھی، نوفل کا مخصوص جانا پہچانا نمبر جگمگا رہا تھا، اس نے جھپٹ کر فون اٹھایا، ٹی وی بند کیا اور سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہی مخصوص لہجہ۔

''بکواس بند کرو اپنی، کہاں تھے تم؟'' وہ بھڑک کر پوچھ رہی تھی۔

''میں نے کہا نا میں وہیں تھا، تمہارے پاس۔'' وہ اپنے مخصوص نرم اور دلکش لہجے میں کہنے لگا، ستارا کے تلوؤں پہ لگی سر پہ بجھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو نوفل، تم وہاں نہیں تھے، میں نے پورے ریسٹورنٹ کو چھان

مارا تھا اور معاف کرنا ابھی میری آنکھیں پورے طور پر کام کرتی ہیں، وہاں نیگرو تو دور نیگرو کا بچہ تک نہیں تھا۔'' وہ رکے بغیر بولتی گئی، انداز میں قطعیت تھی، وہ کھلکھلا کر ہنس دیا، وہی دلکش ہنسی۔

ستارا کے جلتے دل پہ جیسے نرم سی پھوار پڑی تھی، وہ طویل سانس لیتی صوفے پہ لیٹ گئی۔

''سچ بتاؤ کہاں تھے؟'' وہ اصرار سے پوچھنے لگی۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو تارا، ایک فائیو سٹار ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے کی میری اوقات نہیں ہے، اس لئے میں باہر تھا پارکنگ کے پاس۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا انداز میں رقت تھی، ستارا لمحوں میں ٹھنڈی پڑی تھی۔

''سوری...... میں...... بھول گئی تھی۔'' وہ خفیف سی شرمندگی سے بولی۔

''اوکے۔''

''پھر یہ بتاؤ، تم مجھے نظر کیوں نہیں آئے؟ میں ہر طرف ڈھونڈتی رہی؟'' وہ پھر پوچھنے لگی۔

''تم اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ، میں وہیں تھا۔'' نوفل نے مذاق اڑایا وہ کچھ خفت زدہ ہوئی تھی۔

''جی نہیں میں نے دیکھا تھا۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''چلو چھوڑو یہ بتاؤ مہروز سے مزید کوئی بات تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔'' وہ خاموش ہو گئی۔

''اچھا پھر بات کریں گے۔'' ستارا نے سلگتی آنکھوں کو رگڑا فون رکھ دیا۔

☆☆☆

ڈاکٹر سلطان نے وقار کو دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا، عباس بھی ساتھ ہو لیا، ڈاکٹر سلطان کے کمرے میں آ کر وہ چیئرز پر بیٹھے تھے جبکہ ڈاکٹر سلطان نے ہاتھوں سے گلوز اتار کر سائیڈ پر رکھے اور پانی پینے لگے، وقار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''مسٹر وقار!'' انہوں نے وقار کے چہرے کو فوکس کیا، وقار نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، انہوں نے سامنے پڑی فائل کھول لی تھی۔

''A nild attaek of megrine آدھے سر کا درد، میگرین کا معمولی سا اٹیک، فوڈ پوائزن اور شوٹ بی پی۔'' انہوں نے شاہ بخت کی کنڈیشن بتائی۔

''دو ماہ میں میگرین کا دوسرا اٹیک، زیادہ پریشانی کی بات نہیں، ہو جاتا ہے لیکن...... ان تینوں ڈیزیز کا ایک ہی وقت ہی پیشنٹ پر اٹیک حیران کن ہے، میں نے اپنی لائف ہسٹری میں ایسا پیشنٹ اور ایسی ہیٹ ٹرک نہیں دیکھی، میں نے آپ کو پہلے بھی انفارم کیا تھا مسٹر وقار ایسے مریضوں کی سب سے بڑی پرابلم ان کی حساسیت ہوتی ہے ان کی حد سے بڑھی ہوئی Senctivity ہی ان کا سب سے بڑا عذاب ہے، یہ لوگ ہر چیز کو Extremepoint پر جا کر دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں، شاہ بخت کی موجودہ کنڈیشن کچھ اس طرح سے کہ سب سے پہلے اس نے کسی بات کو، کسی انسیڈنٹ کو بہت شدت اور گہرائی سے محسوس کیا ہے، میگرین ہو سکتا ہے اسے صبح سے محسوس ہو رہا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سہ پہر کو شروع ہوا ہو، خیر یہ اتنا ہلکا تھا کہ شاہ بخت نے اس سے تکلیف محسوس نہ کی یا شاید وہ اسے اگنور کرتا رہا، تاوقتیکہ کہ وہ بات یا وہ واقعہ وقوع پذیر ہو گیا اور درد یکدم بڑھ گیا اور وہ واقعہ اتنا تکلیف دہ اور Heart,s touch تھا کہ اس کا بی پی شوٹ کر گیا اور اس کے ساتھ ہی فوڈ پوائزن، میرا سوال یہ ہے مسٹر وقار۔'' انہوں نے

میز پر ہاتھ رکھے اور دھیرے سے آگے جھکے۔

''کیا آپ کی فیملی میں کوئی کرائسس چل رہا ہے؟'' وقار نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر عباس کو۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ٹھیک کوئی فنانشل پرابلم؟'' انہوں نے اگلا سوال داغا۔

''الحمدللہ بالکل نہیں۔'' وقار نے پریشانی سے کہا۔

''ہوں کوئی کریئر کا پریشر؟'' انہوں نے پرسوچ انداز میں کہا۔

''جی نہیں ڈاکٹر، وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایم بی اے کر رہا ہے، اس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں۔'' اس بار عباس نے جواب دیا۔

''کسی قسم کا کوئی جھگڑا، حال ہی میں ہوا ہو، اس کنڈیشن سے پہلے؟''

''جی نہیں، ہمارے گھر کا ماحول بالکل ایسا نہیں ہے۔'' وقار نے کچھ برا مان کر کہا۔

''ٹھیک ہے، کسی لڑکی کا معاملہ تو نہیں ہے؟ کوئی Love کا چکر؟'' ڈاکٹر سلطان نے آخری سوال کیا۔

وقار اور عباس نے بیک وقت چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا، یہ واحد سوال تھا جب وقار کو عباس کی طرف دیکھنا پڑا، مگر وہ پھر محتاط ہو کر بولے تھے۔

''مجھے تو نہیں لگتا کہ ایسی کوئی بات ہے؟ تمہیں لگتا ہے عباس کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے؟'' انہوں نے عباس سے پوچھا۔

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' عباس نے پورے یقین سے کہا۔

''شیور؟'' ڈاکٹر سلطان نے کچھ الجھ کر دونوں کا چہرہ دیکھا۔

''دیکھیں مسٹر وقار!'' انہوں نے ایک بار پھر وقار کا چہرہ فوکس کیا۔

اسی وقت عباس کا سیل بول اٹھا وہ معذرت کرتا باہر چلا گیا۔

''آپ کا کہنا ہے کہ کوئی فیملی کرائسس نہیں ہے، فنانشل پرابلم نہیں ہے، کریئر کے لئے بھی پریشرائز نہیں کیا گیا، کوئی سخت جھگڑا بھی نہیں ہوا اور آخری بات وہ کہیں Emotionally بھی انوالو نہیں ہے تو آخر ایسی کون سی بات ہو گی جس نے اسے اس Condution پر پہنچا دیا۔''

ڈاکٹر سلطان نے ہاتھ زور سے میز پہ مارا۔

''میرا یقین کریں ڈاکٹر! میں سچ کہہ رہا ہوں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' وقار نے جیسے عاجز آ کر کہا، ڈاکٹر سلطان جیسے ٹھنڈے پڑ گئے۔

''دیکھیں مسٹر وقار! میں آپ کی بات پر یقین کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں آپ کو وارن کر رہا ہوں کہ شاہ بخت کی کنڈیشن بہت Unstable ہے ان کا بی پی کتنی مشکل سے کنٹرول ہوا ہے جانتے ہیں آپ؟ کچھ بھی ہو سکتا تھا، برین ہیمرج، پیرالائز وغیرہ کچھ بھی اور فوڈ پوائزن کی وجہ سے ان کے جسم کا پانی تیزی سے کم ہوا ہے، جس کی وجہ سے ان کی قوت مدافعت بہت کمزور ہو چکی ہے، یہ سب میں آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں تاکہ آپ اس وجہ کو ڈھونڈ سکیں جو انہیں اس کنڈیشن میں پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ ناراض یا کسی حد تک کرخت تھا۔

انہیں یقین تھا کہ وہ وجہ ان سے چھپا رہے ہیں۔

''اور جہاں تک بات ہے ریکوری کی تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ پیشنٹ کی ول پاور پر ڈیپینڈ کرتا ہے، بہرحال اس کی کنڈیشن Stable ہونے میں کم از کم دو دن لگ سکتے ہیں، اس سے

پہلے تو قطعاً نہیں اور آخری بات، اگر آپ کو شاہ بخت عزیز ہے اور اس کی زندگی بچانے میں ذرا سی بھی دلچسپی ہے تو براہ کرم اس کی اتنی ہائپر ٹینشن، فرسٹریشن اور اسٹریس کی وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' ڈاکٹر سلطان کا لہجہ بالکل پروفیشنل تھا۔

وقار کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا، وہ جیسے لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئے تھے۔

عباس انہیں باہر ہی مل گیا، تایا جان، چچا جان اور چچی جان بھی آ چکے تھے، وہ عباس کو بتا کر گھر چلے آئے، ان کے ذہن میں یکلخت یہ خیال آیا تھا کہ انہیں رمشہ سے پوچھنا چاہیے، ڈاکٹر سلطان نے ٹھیک کہا تھا اور مندرجہ بالا وجوہات نہیں تھیں تو لازماً آخری آپشن کوئی پرسنل انوالومنٹ ہی بچتا تھا۔

''ہو سکتا ہے رمشہ جانتی ہو؟'' انہوں نے گاڑی گیٹ پر روکتے ہوئے سوچا، آخر وہ اس کی اتنی اچھی دوست تھی، اتفاق ہی تھا کہ رمشہ انہیں لان میں مل گئی، وہ بے تابی سے ان سے بخت کی بابت دریافت کرنے لگی۔

وہ اسے جواب دیئے بغیر لان چیئر پر براجمان ہو گئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا، رمشہ حیران سی ٹک گئی۔

''مجھے صرف سچ بتانا رمشہ! یوں سمجھ لو یہ شاہ بخت کی زندگی کا سوال ہے۔'' انہوں نے دوٹوک کہا۔

''ایسی کون سی بات ہے بھائی؟'' رمشہ کا رنگ اڑ گیا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ شاہ بخت کہیں انوالو ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

رمشہ نے چونک کر انہیں دیکھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

''معمولی سا شبہ بھی ہے تو بتا دو۔'' انہوں نے اذیت کے عالم میں سر تھاما۔

''لیکن کیوں؟'' وہ حیران سی پوچھنے لگی۔

''جتنا پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

رمشہ چند لمحے بے چینی سے انگلیاں چٹخاتی رہی، وقار ہنوز منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے شک ہے، لیکن صرف شک، میں شیور نہیں ہوں۔'' رمشہ جھجک کر چپ ہو گئی۔

''میں نے کہا نا معمولی سی بات بھی اگنور مت کرو، یہ بہت ضروری ہے، بخت کی کنڈیشن بہت Unstable ہے رمشہ خدا کے لئے ہچکچاؤ مت۔'' انہوں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

رمشہ چند لمحے خاموش رہی اگر شاہ بخت کی زندگی کا سوال نہ ہوتا تو شاید وہ قیامت تک نہ اگلتی، مگر اس وقت معاملہ یقیناً بہت نازک تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ بخت......'' وہ پھر جھجک گئی۔

''ہاں...... ہاں...... بولو۔'' وہ بے تابی سے بولے۔

''مجھے لگتا ہے کہ بخت...... علینہ میں انوالو ہے۔'' رمشہ نے آخر کار بم پھوڑ ڈالا۔

''کیا......؟'' وقار بلند آواز میں چلائے تھے۔

(باقی آئندہ)

''گول......!''

''گول ہو گیا۔'' خوشی سے چلاتے ہوئے وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ ناچنے لگی تھی۔

''جی نہیں، یہ گول نہیں ہے یہ فاؤل ہے، آپ نے ہینڈ گول کیا ہے، چیٹنگ کی ہے۔'' عمر نے ان کے ہنگامے کے پروانہ کرتے ہوئے شور مچایا۔

''بکو نہیں، ہارنے لگے ہو تو اب رونا شروع ہو گئے ہو، یہ کلیئر کٹ گول تھا۔'' اس نے ہاتھ ہوا میں لہرا کر اعلان کیا۔

''جھوٹ، توبہ کریں پھپھو، آپ نے اللہ کو جان دینی ہے۔'' حارث بھی بولا۔

''ظاہر ہے اللہ کو ہی دینی ہے، تمہیں تو نہیں دینی۔'' اس نے مذاق سے اسے چھیڑا۔

''پھپھو یہ بہت چالاک ہیں، جب ان کی دفعہ ہم نے ہینڈ بال پر فاؤل کیا تھا تو انہوں نے مانا نہیں تھا، اب ہمارا گول ہو گیا ہے تو شور مچا رہے ہیں۔'' عثمان جو اس کی ٹیم کا گول کیپر تھا آگے آ کر بولا۔

''اچھا بس بحث ختم کرو، کھیلنا ہے تو کھیلو، ورنہ میں جا رہی ہوں اندر۔'' اس نے اپنی روایتی دھمکی دہرائی، اس کے بغیر ان سب کو کھیلنے کا مزا نہیں آتا تھا اور اس کے اندر جانے کا مطلب کھیل ختم تھا، جب سے ورلڈ کپ فٹ بال شروع

مکمل ناول
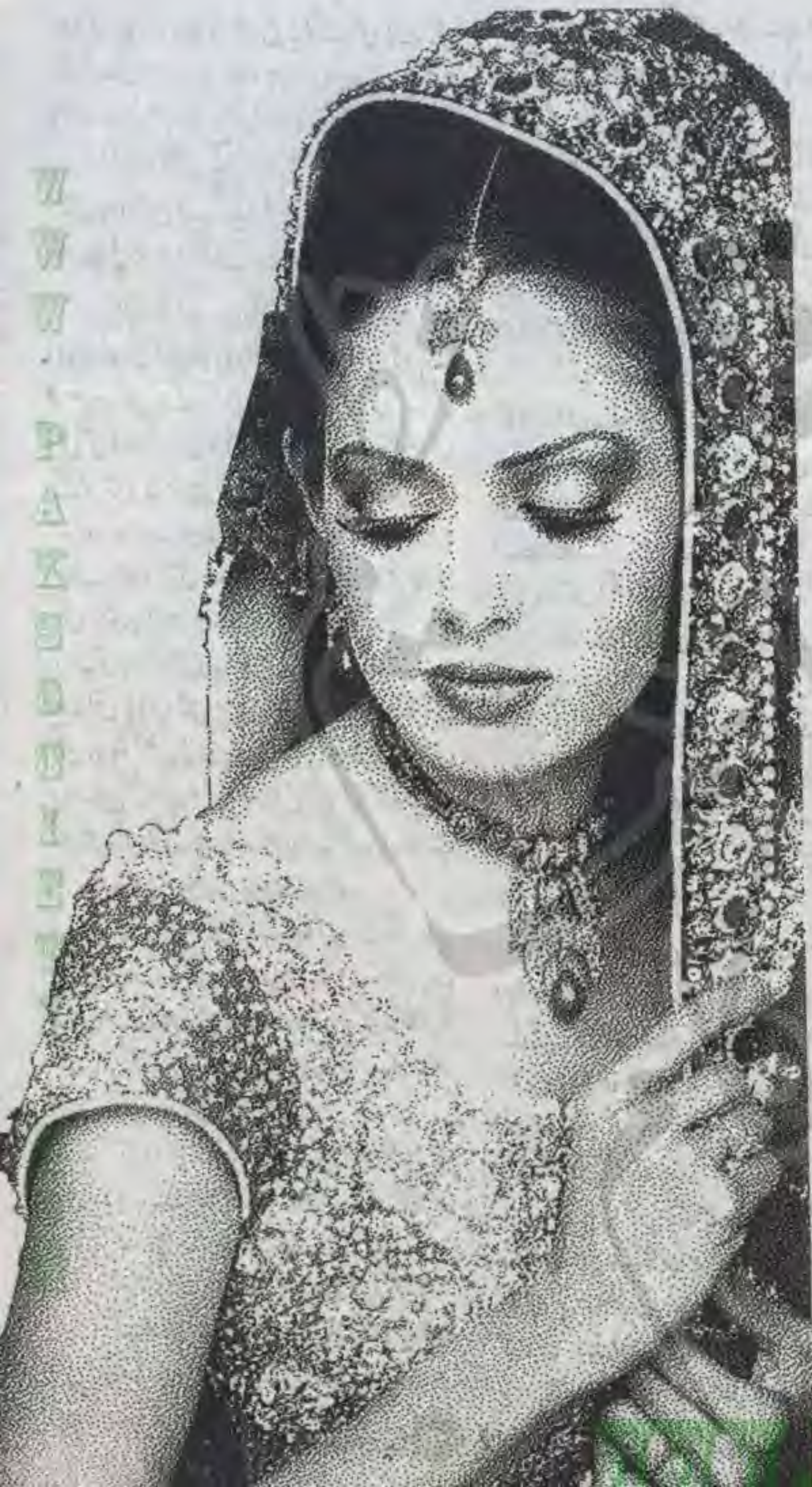
ہوا تھا، پوری دنیا کی طرح یہ لوگ بھی فٹ بال کے شیدائی ہو رہے تھے، ہر روز لان میں شام کو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ فٹ بال کھیلی جاتی تھی۔

''اچھا چلیں یوں کرتے ہیں یہ گول آپ کا نہیں ہوا، بس آپ ایک فری کک لے لیں۔'' حارث کی تجویز پر انہوں نے شور مچا دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، تم لوگ ویسے بہت بے ایمان ہو، یہ گول تھا ہمارا، مگر چلو خیر، ہم فری کک تو ضرور لیں گے۔'' اس نے ہار مان لی کہ غلطی اپنی تھی اور اگر ان والی غلطی کو وہ لوگ فالو کریں گے تو شاید دو منٹ میں جیت جائیں، ویسے بھی عمر اور حارث بہت اچھے پلیئر تھے، جبکہ وہ تو صرف چھینا جھپٹی اور رعب سے ہی کام چلاتی تھی، عثمان البتہ بہت اچھا گول کیپر تھا اور رہی آمنہ تو وہ ''کہیں یہ نگاہیں کہیں یہ نشانہ'' کے مصداق پاؤں میں پڑی بال کو کک نہیں لگا سکتی تھی، وہ تو محض خانہ پری یا اضافی بوجھ تھا، جو اس پر احسان عظیم کی طرح مسلط کیا گیا تھا کہ آپ کی ٹیم میں تین لوگ ہیں اور ہم دو، یہ الگ بات ہے کہ وہ دونوں ان تینوں پر بھاری تھے۔

''میں بھی ایسی کک لگاؤں گی کہ بال سیدھی تمہارے گول میں جا پڑے گی۔'' اس نے اعلان کرتے ہوئے غصے سے زوردار کک لگائی تو فٹ بال گول تو کیا گھر کی دیوار پار کر کے ساتھ والوں کے لان میں جا گرا تھا۔

''بس اتنی ہلکی کک لگانے کی کیا ضرورت تھی، زور سے لگاتیں تاکہ فرانس تو پہنچ ہی جاتا۔'' حارث نے طنز سے کہا۔

''جاؤ مانگ کر لاؤ۔'' اس نے عمر کو حکم دیا۔

''نہ بھائی، مانگنے والا کام میں نہیں کرتا۔'' اس نے صاف انکار کر دیا۔

''اوہو، میں کیا تمہیں سڑک پر بھیک مانگنے کو بھیج رہی ہوں، ہمارا اپنا فٹ بال ہے، جاؤ عثمان تم لے آؤ۔''

''نہ جی نہ میں نہیں جاتا، یہ آنٹی تو بہت سخت غصے والی ہیں، بڑا ستاتی ہیں، ایک دفعہ پہلے بھی بال ان کے گھر گر گئی تھی تو انہوں نے نہیں دی تھی۔'' دس سالہ عثمان نے خاصے سہمے ہوئے انداز میں کہہ کر اپنی جان بخشی طلب کی تھی۔

''کیا مصیبت ہے یار، کسی نہ کسی کو تو جانا ہو گا نا۔'' اس نے سبھی کے چہروں پر نظر ڈالی۔

''آپ! آپ خود جا کر لائیں، آپ نے ہی گرائی ہے۔'' عمر نے کہا تو اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں! مگر میں تو مہمان ہوں۔''

''ہماری ہیں، ان کی نہیں، ان کے گھر سے بال آپ ہی لائیں، آپ کو نئی مہمان سمجھ کر کچھ کہیں گی بھی نہیں، جائیں۔'' اس نے راہ فرار نہ پا کر اِدھر اُدھر مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

''ارے پھپھو آپ اتنی ڈر پوک ہیں، یہ ساتھ والے گھر سے فٹ بال نہیں لا سکتیں ویسے تو آپ بڑے دعوے کرتی ہیں کہ......''

''بس خبردار، جذباتی بلیک میلنگ کی اجازت نہیں دی جائے گی، جاتی ہوں۔'' اس نے آمنہ کو فوراً روک دیا، اگرچہ اس کا طعنہ خاصا نشانے پر لگا تھا، اس نے آہستہ سے گیٹ کھول کر اندر جھانکا اور لان کا منظر واضح ہوتے ہی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔

فٹ بال لان کے عین درمیان میں چائے کے کپ سمیت گھاس پر اوندھا پڑا تھا اور ایک کرسی پر براجمان وہ واحد فرد نہایت خشمگیں نگاہوں سے فٹ بال کو گھور رہا تھا، اگر بے چارے فٹ بال کی گردن ہوتی تو وہ یقیناً مروڑ چکا ہوتا، اتنے خطرناک تیور اور ایسی ہولناک صورت حال میں اندر جانا گویا ''آ بیل مجھے مار'' والی حماقت دہرانا تھا، مگر وہ واپس خالی ہاتھ بھی نہیں جا سکتی تھی، معاملہ اس کی عزت اور جرأت کا آ پڑا تھا، بزدلی کا طعنہ تو نہیں سننا تھا نا کہ اپنے لاڈلے بھتیجے، بھتیجیوں کی وہ بہادر پھپھو ایک فٹ بال نہ لا سکی۔

''ایکسکیوز می سر! یہ فٹ بال لے لوں۔'' ہمت کر کے وہ قریب آ کر ایئر ہوسٹس والی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر معصومیت سے بولی، اس بندے نے حیرت اور غصے کے ملے جلے تاثرات سمیت اس سر سے پاؤں تک گھورا۔

''یہ فٹ بال آپ کا ہے۔'' اس نے یوں پوچھا جیسے کسی نافرمان شریر بچے کی ماں سے پوچھا جا رہا ہو۔

''جی...... جی سر۔''

''ہوں...... کس نے پھینکا تھا یہ بال ادھر۔''

''جی میں نے، میں نے کک لگائی تھی۔'' اس نے فخر سے سر اٹھا کر کہا۔

''کیوں؟'' خاصے کڑے انداز میں پوچھا گیا۔

''کیا مطلب کیوں؟ ہمارا میچ ہو رہا تھا، میں نے فری کک لی تو بال ادھر آپ کے لان میں آ گرا۔'' اس نے اس کی لاعلمی پر خاصی تفصیل سے صورت حال بتائی۔

''یہ بال۔'' وہ بال کی طرف بڑھی، تو اس نے پیر سے بال کو اپنی طرف کھینچ کر پیر اس پر رکھ دیا، گویا مکمل قبضہ فاتحانہ اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں، دنیا میرے قدموں کے نیچے ہے۔

''یہ تو اب آپ کو نہیں ملے گا۔''

''جی! مگر کیوں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''محترمہ آپ کی فری کک نے میری محنت سے بنائی ہوئی چائے گرا دی، بلکہ کپ بھی ٹوٹ گیا ہے لہٰذا اب آپ کو یہ فٹ بال نہیں ملے گا۔''

''ارے اس میں غلطی نہ اس بے جان معصوم فٹ بال کی ہے اور نہ میری بلکہ سراسر آپ کی اپنی غلطی ہے۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''میری غلطی۔'' اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''جی ہاں، اتنے بڑے لان میں آپ کو چائے پینے کے لئے صرف یہ ہی جگہ ملی تھی، عین بیچوں بیچ آپ بیٹھ کر چینی کے کپ میں چائے پی رہے تھے، چائے آپ کو ڈائننگ روم میں ٹیبل پر بیٹھ کر پینی چاہیے تھی، کھانے پینے کے مینرز ہوتے ہیں۔'' اس نے حیرت سے اسے دیکھا، کیا اعتراض اٹھایا تھا۔

''واہ محترمہ خوب، یعنی میرے گھر میں مجھ پر ہی اعتراض، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔''

''دیکھیں سر، نہ میں چور ہوں اور نہ آپ کوتوال، اگر آپ کو چائے نہ پینے کا اتنا ہی صدمہ ہے تو اور بنوا لیں۔'' اس نے مفت مشورے سے نوازا۔

''کس سے بنوا لوں، یہ چائے میں نے خود بہت محنت اور مشکل سے بنائی تھی، جو آپ کی وجہ سے پی نہ سکا، اب یہ فٹ بال نہیں ملے گا۔'' وہ اس کی نظریں بال پر جمی دیکھ کر بولا۔

''کیا ہوا پھپھو، السلام علیکم انکل۔'' عمر نے خاصی دیر انتظار کے بعد خود ہی جا کر صورت حال دیکھنے کا فیصلہ کیا، اسے ڈر تھا کہ کہیں آنٹی اور پھپھو میں لڑائی ہی نہ ہو جائے۔

''وعلیکم السلام ہاؤ آر یو عمر۔'' اس بندے

نے ہنستے ہوئے عمر سے ہاتھ ملا کر پوچھا۔

''انکل یہ ہمارا بال ادھر آ گیا ہے۔'' اس نے اس کے پاؤں تلے دبے فٹ بال پر نظر ڈال کر کہا۔

''ہاں اور اب تم بھی اسے لینے آئے ہو۔''

''جی انکل۔'' عمر نے تائید میں سر ہلایا۔

''یہ صرف ایک شرط پر ملے گا، مجھے یہ ایک چائے کا کپ بنا کر دیں۔'' اس نے نگہم کی طرف اشارہ کیا۔

''میں۔'' اس نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔

''جی، کیونکہ چائے آپ کی وجہ سے گری تھی لہٰذا آپ مجھے چائے کا ایک کپ بنا کر دے دیں تو میں فٹ بال واپس کر دوں گا، کپ کی قیمت بھی چھوڑ دی۔'' اس نے احسان عظیم جتاتے ہوئے اسے خاص رعایت دی، نگہم نے پہلے عمر کو دیکھا پھر اسے۔

''یاد کرو گے عمر بھر، کسی نے چائے پلائی تھی، میں کبھی بھی نہ بناتی، مگر اب۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے دل میں سوچا۔

''انکل میں ابھی چائے بنوا کر لاتا ہوں۔'' عمر کو اچھا نہیں لگا کہ پھپھو کو آرڈر دے۔

''ارے نہیں، تم رکو عمر، میں بنا دیتی ہوں۔'' اس نے عمر کو روکا تو اس کے ساتھ ساتھ اس بندے نے بھی حیرت سے اسے دیکھا، شاید اسے اتنی جلد مان جانے کی توقع نہ تھی۔

''کچن۔'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''دائیں طرف ادھر۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''پھپھو بالکل ہمارے گھر والا ہی نقشہ ہے اس گھر کا بھی۔'' عمر نے اسے اطلاع دی۔

''اوکے۔'' وہ اندر چلی آئی، اتنا تو جانتی تھی کہ کینٹ میں تقریباً تمام گھر ایک ہی طرح سے ڈیزائن کیے جاتے ہیں، خصوصاً ایک ہی قطار کے گھر تو بالکل ملتے جلتے ہوتے ہیں۔

چائے تیار کر کے اس نے کپ میں ڈالی نہایت سلیقے سے ٹرے میں رکھی اور چار چمچ بھر کر نمک کے اس میں ملا دیئے، اس کے ساتھ شوگر پاٹ اور چمچ بھی رکھ دیا، وہ باہر آئی تو دونوں میں مصروف تھے، اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھی اور عمر کی طرف دیکھ کر اسے چلنے کا اشارہ دیا۔

''ارے بھئی آپ نے صرف ایک کپ بنایا ہے، اپنے لئے نہیں بنائی اور عمر کے لئے بھی نہیں۔''

''نو انکل، میں چائے نہیں پیتا۔''

''میں بھی نہیں پیتی شکریہ، چلو عمر۔'' اس نے اپنے اوپر خاصی سنجیدگی، بلکہ رنجیدگی طاری کر رکھی تھی۔

''ارے آپ بیٹھیں میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' نگہم نے غصے سے اسے دیکھا۔

''کم بخت اب بنائے گا، پہلے کیا ہاتھ ٹوٹ گئے تھے۔'' اس نے سوچا۔

''نو نو شکریہ سر چلو عمر۔'' اس نے جلدی سے آگے قدم بڑھائے، مبادا وہ روک ہی نہ لے، گھر تک اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

''اتنی دیر؟ کیا فٹ بال سیالکوٹ لینے گئے تھے۔'' حارث نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''یہی سمجھ لو۔'' وہ جل کر بولی۔

''ارے کیا آنٹی نے پکڑ لیا تھا، کہیں ان کی بیٹھک تو نہیں کروا رہی تھیں۔'' عثمان نے اس کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

''نہیں خیر، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی، اور وہاں آنٹی نہیں انکل تھا۔''

''انکل، انکل بوسنیا سے آ گئے کیا؟'' آمنہ نے حیرت سے عمر کو دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں بھئی وہ انکل عبداللہ کے کزن میجر اسامہ مبین آج کل آنٹی کے ساتھ رہ رہے ہیں۔''

''یار یہ ہٹلر خاندان کی باقیات کو تمہارے ہمسائے ہی میں رہنا تھا۔'' اس نے فلور کشن پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''واہ، واہ ہٹلر خاندان کی باقیات، کیا سیاسی قسم کا خطاب دیا ہے۔'' حارث نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ویسے پھپھو یہ چائے بنانے پر آپ اتنی آسانی سے کیسے تیار ہو گئی تھیں۔'' عمر نے راز داری سے قریب آ کر پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''تمہاری وجہ سے، وہ تمہارے واقف تھے، میں نے سوچا، چائے بنا کر دے ہی دوں کیا یاد کریں گے۔'' اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''یاد تو بچو خوب رکھے گا، بڑا آیا سزا دینے والا۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے سوچا اور ہنس دی۔

☆☆☆

''تم آرمی جوائن کرو گے، میں نے کہہ دیا ہے۔''

''ہرگز نہیں کیوں میری جان کی دشمن بنی ہیں آپ۔'' نگہم کے فیصلہ کن انداز کے جواب میں نوید بھی جھلا کر بولا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ابو کی یہ شدید خواہش تھی کہ تم آرمی جوائن کرو اور اب ان کی شہادت کے بعد میں ان کی یہ خواہش ضرور پوری کرواؤں گی۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا۔

''اوہ ربا ایسی ظالم، بے رحم بہن کسی کو نہ دے خدا، میں ابھی مرنا نہیں چاہتا، اس بھری جوانی میں، میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔''

''نوید پلیز بی سیریس، میں ہارون بھائی سے بات کر آئی ہوں، اگلے ہفتے سے ٹیسٹ شروع ہو رہے ہیں، تم تیاری کرو۔''

''امی...... امی آپ کو تو پتا ہے نا، کتنی سخت لائف ہوتی ہے آرمی والوں کی اور وہ تو ایسی سزائیں دیتے ہیں کہ توبہ اور اگر انہوں نے مجھے سیاچن بھیج دیا تو میں تو سردی سے کانپ کانپ کر ہی مر جاؤں گا، مجھے تو یہاں پنڈی کی سردی بے حال کر دیتی ہے۔'' اس نے خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

''بکومت ہر کوئی سیاچن نہیں جاتا اور جائے بھی تو سردی سے کانپ کر نہیں مرتا، سب سے برائٹ فیوچر آرمی کا ہے، بندہ ایکدم ڈسپلین لائف میں سیٹ ہو جاتا ہے۔''

''بیٹا نگی ٹھیک کہہ رہی ہے، تمہارے ابو کو بھی فوج میں جانے کا بہت شوق تھا مگر یہ قسمت میں نہ تھا تو وہ پولیس لائن میں چلے گئے، انہیں ملک کے لئے کچھ کرنے کا بہت شوق تھا، ہمیشہ انہوں نے شہادت کی دعا کی اور ملک کی خاطر جان دینے کا جذبہ ان کے اندر ہر لمحہ موجود رہتا تھا اور خدا نے ان کی سن لی، انہوں نے اپنے ملک کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہادت پائی، تم چھوٹے سے تھے تو وہ کہتے تھے یہ میرا میجر بیٹا ہے میں اسے آرمی میں بھیجوں گا، مگر انہیں اپنی خواہش کی تکمیل کا وقت نہیں مل سکا، اب نگی چاہتی ہے کہ تم آرمی میں جاؤ، بیٹا میں زور نہیں دیتی تم سوچ لو، زبردستی کوئی نہیں۔'' امی کی آخری بات سن کر وہ چونکا، بہت دیر سے خاموشی اور سنجیدگی سے سب باتیں سن رہا تھا۔

''دیکھو آرمی لائف کا بڑا چارم ہے، لوگ تو

خواہش کرتے ہیں آرمی لائف کی، ایلفا براوو چارلی ڈراما دیکھا تھا نا، لڑکیاں بہت پسند کرتی ہیں آرمی والوں کو۔" اس نے آخری فقرہ ہنستے ہوئے کہا۔

"وہاں اب لڑکیوں کی خاطر میں آرمی کی چکی میں پسنے چلا جاؤں، ہائے بہت ظالم ہوتے ہیں یہ لوگ ہارون بھائی نے ہزاروں قصے مجھے سنائے تھے، صبح کے تین بجے سخت سردی میں بنیان اور نیکر میں کھلے آسمان تلے کھڑا کر دیتے ہیں، الٹی قلابازیاں سو سو لگواتے ہیں۔" اس نے ہولناک قصے سنائے۔

"بکو نہیں، یہ سب تو سزا کے طور پر انہیں سہنا پڑتا ہے، اگر کوئی غلطی کریں۔"

"ان کا تو ٹیسٹ بھی بہت سخت ہوتا ہے، میری تو بائیں آنکھ کی نظر بھی کمزور ہے، میں تو بالکل کلیئر نہیں کر پاؤں گا۔" اس نے نیا عذر تراشا۔

"بائیں آنکھ کی نظر کیوں کمزور ہے اچھی طرح جانتی ہوں بہر حال تم ضرور جاؤ گے میں ہارون بھائی سے وعدہ کر کے آئی ہوں کہ تمہیں لے کر آؤں گی کچھ وہ بھی کوشش کریں گے، مگر تم پہلے اپنی تیاری مکمل رکھو تمہارے سارے فضول کھیل بند آوارہ گردی ختم، پڑھائی شروع دل سے پڑھ لو تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہو گے۔" اس نے اس کی تمام راہیں بند کر دی تھیں اور اب وہ منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"مگر میں پاپ میوزک سیکھ......" اس نے بات کاٹی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہمارے ملک کو جان نثار کرنے والے جوانوں کی زیادہ ضرورت ہے، یہ کام "پاپ میوزک" والا تو کوئی بھی کر سکتا ہے، یہ تمہاری منزل نہیں اور نہ شوق ہونا چاہیے۔" وہ اس سے صرف دو سال بڑی تھی، مگر اسے لگا دادی اماں کی بوڑھی روح اس میں سما گئی انہیں کے انداز میں انہی جیسی نصیحتیں کرتی بالکل دادی اماں لگتی تھی اور وہ تھی بھی ان سے بہت متاثر اور قریب۔

جوان بیٹے کی وفات کے بعد جب اماں غم سے نڈھال تھیں تو نکہم نے ہی انہیں سنبھالا تھا، وہ بے حد باحوصلہ تھی، ماں کے ساتھ ساتھ دادی اور چھوٹے بھائی کو زندگی کی طرف دوبارہ متوجہ کرنے والی وہی تھی۔

☆☆☆

"کیا! اب تو ہمیں چھوڑ کر آرمی میں جا رہا ہے تیرا دماغ تو ٹھیک ہے، ہمارے بینڈ کا کیا بنے گا۔" آج کافی دنوں بعد وہ بمشکل نکہم سے نظر بچا کر اپنے دوستوں سے ملنے آیا تھا، جو اس کی اچانک گم شدگی اور جدائی کی وجہ سے بے حد پریشان تھے۔

"تمہارے بینڈ کا تو پتا نہیں البتہ میرا ضرور بج گیا ہے مجھے اب آرمی میں جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" اس نے بے حد آزردگی سے گٹار پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"یار تمہارے گھر والے بہت ظالم اور ... ہیں، اپنی مرضی کیوں تم پر ٹھونستے ہیں، ہم نہیں ... چاہتے ہو تو کیوں زبردستی مرے ہوئے شخص کی خاطر ایک زندہ فرد کے جذبات و احساسات کا گلا گھونٹ کر اسے زندہ دفن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ٹمی کی بات اسے بے حد ناگوار لگی اگر چہ وہ اسی کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا مگر ابو کے حوالے سے ایسی بات اسے اچھی نہیں لگی۔

"آرمی کی ڈل اور بور لائف، سال بارہ میں سے چھ مہینے وہ لوگ جنگلوں پہاڑوں، بیابانوں میں ایکسر سائیز کرتے ہوئے گزارتے ہیں اور تم اتنی چارم فل اور بھر پور زندگی جس میں شہرت دولت اور عزت تینوں موجود ہیں چھوڑ کر جا رہے ہو۔" جو جو نے بھی افسوس سے سر ہلایا۔

"جتنی تیزی سے ہمارا گروپ امپرو کر رہا تھا بہت جلد ہم ملکی اور غیر ملکی سطح پر اپنا آپ منوا لیتے اور پھر دیکھتے ایک ایک فنکشن کا ایک ایک لاکھ روپیہ ملتا ہے۔" ٹمی کو اپنا مستقبل زیادہ ہی تاریک نظر آ رہا تھا اور کیوں نہ آتا نوید کی نہ صرف آواز اچھی تھی بلکہ وہ گٹار بھی بہت اچھا بجاتا تھا وہ گروپ کا سب سے اہم رکن تھا۔

"یار جو قسمت میں لکھا ہے، وہ ہی ہو گا شاید میری بہتری اسی میں ہے کہ میں آرمی میں جاؤں، ہو سکتا ہے میری عزت اور شہرت اسی سے منسوب ہو۔" اس نے بہت آرام سے یوں کہا جیسے مان لیا ہو کہ جو ہو رہا ہے صحیح ہے۔

☆☆☆

"مجھے تم پر بھروسا نہیں ہے میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گی، تا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" اس نے نوید سے کہا تو وہ حیرت سے اسے گھورنے لگا۔

"کیا مطلب ہے، آپ میرے ساتھ چلیں گے، تماشا بنوانا ہے میرا اتنے لوگوں کے سامنے کیا میں دودھ پیتا بچہ ہوں اور بھروسا نہیں تو لائی کیوں ہیں۔" اسے غصہ آ گیا۔

"دیکھو، تم نے ہر صورت میں بہت حوصلے اور اعتماد کے ساتھ انٹرویو دینا ہے اور ایک بات ذہن میں رکھو، تمہیں آرمی جوائن کرنا ہے، ٹیسٹ کلیئر کرنا ہے۔"

"نکہم ریلیکس، ڈونٹ وری، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو نوید ضرور آرمی میں سلیکٹ ہو جائے گا اور اتنا فکر مند بھی نہیں ہوتے، دعا کرو جس طرح میڈیکل ٹیسٹ میں کلیئر ہو گیا ہے، باقی ٹیسٹ بھی کلیئر کرے۔" ہارون بھائی نے جو اس کے خالہ زاد تھے اسے تسلی دی، مگر پھر بھی اس وقت تک جب تک کہ وہ آ نہیں گیا، اسے تسلی نہیں ہوئی۔

"کیا ہوا، کیسا انٹرویو ہوا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"بہت برا، یہ آرمی والے تو کریک ہوتے ہیں، اتنے عجیب عجیب سوالات پوچھتے ہیں کہ بندہ چکرا جائے۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"کیا مطلب؟ ایسا کیا پوچھ لیا انہوں نے؟" اس نے پریشانی سے کہا۔

"جونہی وہ اندر داخل ہوا، میرے بیٹھتے ہی کہنے لگے، آپ کے سلام کا جواب ہم میں سے کس نے دیا تھا؟"

"پھر۔" عمر نے نہایت اشتیاق سے پوچھا۔

"پھر مجھے کیا پتا تھا میں تو خود اتنا نروس تھا، ایسے ہی کسی کا نام لے لیا تو کہنے لگے ہم نے تو آپ کے سلام کا جوب دیا ہی نہیں۔"

"وہ نوید، میں نے کہا تھا نا کہ دماغ کو حاضر رکھ کر جواب دینا مگر تم تو۔" اس نے مایوسی سے کہا۔

"کیا تم تو؟ بھئی وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ کھڑکی سے کود جاؤ، اب کیا میں دوسری منزل کی کھڑکی سے کود جاتا۔" وہ غصے سے بولا۔

"کود جاتے کم از کم انہیں کچھ رحم تو آ جاتا۔" اسے غصہ آ گیا۔

"واہ یہ میری بہن ہیں میں مر مرا جاتا تو، ویسے آپ سے زیادہ تو وہ میجر صاحب مجھ سے ہمدردی کر رہے تھے، جنہوں نے پوچھا تھا کہ آپ فوج میں کیوں شمولیت اختیار کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے کہا کہ اپنی بہن کی وجہ سے۔"

''اوخدا!'' اس نے سر تھام لیا۔
''پھر کیا ہوا؟''
''وہ کہنے لگی، بھئی آپ کی بہن کو آرمی پسند ہے، آپ کو تو نہیں، پھر کیوں وہ اپنی پسند آپ پر ٹھونسنا چاہتی ہیں۔''
''میں نے کہا، جی ہاں سر میں بھی ان سے یہی کہتا ہوں، مگر وہ مجھے ہر صورت میں آرمی آفیسر بنانا چاہتی ہیں، تاکہ ابو کی آخری خواہش پوری ہو، یہ کہتے ہوئے میرے آنسو نکل آئے، انہوں نے ٹشو سے میرے آنسو پونچھے، منہ صاف کیا، مجھے سینے سے لگایا اور کہنے لگے، جاؤ بیٹا ہم تمہیں سلیکٹ نہیں کرتے، ہم تمہاری جوانی اور خوبصورتی پر رحم کھاتے ہیں، ہم تمہاری بہن کی طرح ظالم نہیں ہیں۔''
''نوید!'' وہ غصے سے چیخی۔
''یاد رکھنا جو تم یہ بک رہے ہو، سچ ہوا تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔'' وہ دھمکی دے کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔
''ارے ارے پھپھو سنیں، نوید چاچو آپ نے پھپھو کو ناراض کر دیا۔'' حارث نے اسے ہنستے دیکھ کر کہا۔
''یار تمہاری پھپھو نے پورے ایک مہینے میرا جو حلیہ بنایا ہے وہ اس چھوٹے سے جھوٹ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔'' اس نے کہم کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ یاد آئی جو وہ اسے پڑھائی کے سلسلے میں کرتی رہتی تھی۔
''جھوٹ یعنی آپ کا ٹیسٹ!'' عمر نے حیرت سے پوچھا۔
''ہاں یار، میرا ٹیسٹ اور انٹرویو تو بہت اچھا ہوا ہے اگرچہ سوالات یہی تھے مگر جواب میں نے بھی بڑے ناپ تول کر دیے موصوف یاد رکھیں گے کس سے پالا پڑا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

اور پھر رات تک وہ اس سے ناراض رہی اس کے غیر سنجیدہ رویے سے بہت دکھ ہوا تھا بقول امی۔
بالکل باپ پر گئی ہے، بے حد حساس جذباتی اور دوسروں سے اپنی بات منوانے کی عادی تھی، جذبہ حب الوطنی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ اگر لڑکا ہوتی تو آرمی جوائن کر کے سب سے پہلے جنگ پر جا کر دشمن کا مقابلہ کرتی اور شہادت کا رتبہ پاتی اور اب اس کا اپنا چونکہ آرمی میں جانے کا کوئی چانس نہ تھا، اس لئے وہ نوید کو اپنی اور ابو کی خواہش کی تکمیل کے لئے آرمی جوائن کروانا چاہتی تھی مگر وہ تھا کہ تمام کوششوں پر پانی پھیر رہا تھا۔
''پھپھو پلیز اپنا موڈ ٹھیک کریں نوید چاچو مذاق کر رہے تھے، ان کا انٹرویو بہت اچھا ہوا ہے، بلیو می۔'' عمر نے اس کا آف موڈ دیکھ کر یقین دلایا اور اس کے شکی انداز پر ہنس دیا۔
''قسم سے نوید چاچو مذاق کر رہے تھے لیجئے یہ آگئے، خود پوچھ لیں۔'' اس نے نوید کو آتا دیکھ کر اشارہ کیا۔
''کیا پوچھ لیں۔'' اس نے قریب آ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا، جبکہ اس کی نظریں سامنے جمی ہوئی تھیں۔
''عمر وہ، وہ ہٹلر کی باقیات۔'' اس نے عمر کو متوجہ کیا، نوید بھی اس کی بات سن کر حیرانی سے سامنے دیکھنے لگا۔
''ارے۔'' وہ حیرت سے بولا۔
''یہ...... یہ تو میجر صاحب وہی ہیں، جنہوں نے میرا انٹرویو کیا تھا۔''
''کیا؟'' وہ بے ساختہ چیخی۔
''غضب ہو گیا، ستیاناس، یہ ضرور اپنا

...ں گے، سنو عمر انہیں یہ نہ پتا چلے کہ میں نوید کی ...ن ہوں اور نوید تم بھی نہ بتانا، بالکل نہیں بتانا۔''
''مگر کیوں؟ یہ تو پہلے......'' نوید نے حیرت ...ے اس کی گھبراہٹ دیکھی۔
''شی، وہ آ رہے ہیں، میں...... میں اندر ...ی ہوں، اگر پوچھیں تو کوئی بہانا بنا دینا، میرا ...طلب کچھ بھی ورنہ۔'' وہ تیزی سے کہتی ہوئی ...در بھاگی، کہ میجر اسامہ مبین انہیں دیکھ کر قریب ... گئے تھے۔
''اوہ خدا، انہیں پتا چل گیا تو ضرور اس دن ...ی چائے کا بدلہ لیں گے، ہائے مجھے کیا علم تھا ذرا ...نمکین چائے بنانے سے میرے بھائی کا ...ستقبل اور ابو کی خواہش کچھ بھی پورا نہیں ہو سکے ...۔'' اندر آ کر بے چینی اور گھبراہٹ سے وہ ...مسلسل چکر لگا رہی تھی، ہولناک قسم کے خیالات ...یشان کر رہے تھے، ویسے بھی آئندہ آنے والی ...ورت حال بہت جلدی اس کے ذہن میں ...تیب پا جاتی تھی اور وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ...ں۔
''کیا ہوا، انہوں نے میرا پوچھا تھا کیا۔'' یہ ...ھا گھنٹہ اس نے سخت بے چینی میں گزارا تھا ...راب ان کے آتے ہی سوال کر دیا۔
''نہیں بھئی، انہوں نے کیا اور کیوں پوچھنا ...'' نوید نے الجھ کر پوچھا۔
''تمہیں نہیں پتا ایک دفعہ ہماری ان سے ...رپ ہو گئی تھی اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں یہ تمہیں ...رے حوالے سے ریجیکٹ نہ کر دیں۔''
''اوہو، یہ خوش فہمی، جناب عالیہ وہ ایسے ...سے نہیں ہیں کہ ذاتی پرخاش یا کسی سے انتقام ...خاطر اس کا مستقبل تباہ کر دیں، یا اسے اس ...حق سے محروم کر دیں، وہ بہت اچھے اور بہت ...ب ہیں، بس اس دن نہ جانے کیسے اتنے روڈ

ہو گئے تھے۔'' عمر نے اس کی حمایت کرتے ہوئے نوید کو سارا قصہ بتایا جبکہ وہ منہ بنائے بیٹھی تھی۔
''فکر نہ کریں آپی، جب تک میں میجر نہیں بن جاؤں گا، انہیں نہیں بتاؤں گا کہ آپ میری بہن ہیں۔'' نوید نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ اس کا مذاق سمجھ کر اسے مارنے دوڑی۔

☆☆☆

''میں میجر اسامہ مبین کا بے حد شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے ریجیکٹ کر دیا گیا ہوں، اب میری جان چھوٹ گئی ہے، شکر اللہ میں فوراً جا کر اپنا بینڈ جوائن کروں گا، اور ملک میں بچہ بچہ میرے گیت گائے گا، ہاہاہا۔'' نوید بے انتہا خوش تھا اور اس کی حیرت دکھ اور پریشانی کو قطعی نظر انداز کیے اپنے منصوبے بیان کر رہا تھا۔
''یار عمر شام کو مٹھائی لینے چلیں گے، میجر صاحب کو دینی ہے، آخر کو ان کا احسان عظیم ہے مجھ پر، یار کتنا خوش ہوں میں آج۔'' اس سے اس کی باتیں مزید برداشت نہ ہو سکیں تو اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی، دل شدت سے بھر آیا تھا، شدید صدمہ سے اس کا سر چکرا رہا تھا، اس کے رزلٹ کے انتظار میں پل پل مشکل سے گزرا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میجر اسامہ مبین اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ یوں لے گا، اتنا گھٹیا انداز، اتنی نفرت اور ایسی ضد، اتنا بھیانک انتقام۔
''میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی، میں تم سے ایک بار ضرور پوچھوں گی کہ میری غلطی کی سزا، میرے مذاق کا انتقام میرے بھائی کا مستقبل تباہ کر کے لیا، کیا مل گیا اسے۔'' مارے غصے کے اس کے اندر ابال اٹھنے لگے تھے، صدمے اور دکھ پر نفرت اور غصہ غالب آ گیا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً جائے اور میجر اسامہ مبین کا حشر کر

دے۔

شام تک کا وقت کاٹنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا، جبکہ اس کی کیفیت سے بے خبر، عمر حارث اور نوید اپنی ہی دنیا میں گم تھے اور ان کے قہقہے اسے مزید تپا رہے تھے۔

"میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گی نوید، تم دوبارہ ٹیسٹ دو گے پھر ٹرائی کرو گے، جب تک کامیاب نہیں ہو جاتے میں ہر ممکن کوشش کروں گی، ابو کی آخری خواہش ضرور پوری ہو گی۔"

اسے حیرت تھی کہ وہ اتنی تیاری کے باوجود کیسے رہ گیا تھا، جبکہ ہارون بھائی نے بھی بہت تسلی دی تھی اور خود بقول نوید کے اس کا انٹرویو اچھا ہوا تھا، سارے ٹیسٹ بھی کلیر کر چکا تھا۔

"تو کیا میجر اسامہ کا انتقام صرف اس کی وجہ سے۔" اس کا خون مزید کھولنے لگتا۔

"میں آپ کو اتنا پست اور جنونی نہیں سمجھتی تھی، جتنے کم ظرف آپ نکلے ہیں۔" لان میں چائے پیتے اسامہ اس اچانک اور شدید حملے سے گھبرا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیا...... کیا ہوا؟" اس کی شکل دیکھ کر وہ اتنا ہی پوچھ سکا۔

"اچھا تو یہ بھی مجھے ہی بتانا ہو گا میں نے آپ کو نمکین چائے پلائی تھی تو آپ مر نہیں گئے تھے کوئی خطرناک، جان لیوا مرض نہیں لگ گیا تھا آپ کو جو آپ نے اس کا اتنا بھیانک بدلہ لیا۔"

"کیا بکواس ہے، ہوش میں ہیں آپ، یہ کیا انتقام بدلہ کی رٹ لگا رکھی ہے آپ نے، ہوش کریں۔" وہ اخبار میز پر پھینک کر غصے سے کھڑا ہو گیا۔

"آپ نے...... آپ نے نوید کو انٹرویو میں ریجیکٹ کر دیا محض میری وجہ سے، میرا بدلہ لینے کی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔

"پلیز...... پلیز ایک لفظ بھی آگے کہنا، جاؤ پہلے درست بات معلوم کر کے آؤ مجھے الزام دینا۔" بمشکل غصے کو ضبط کرتے ہو اس نے اتنی سختی سے کہا کہ چند لمحوں کو وہ بھی بھول کر سہم سی گئی۔

"ناؤ گو۔" وہ غصے سے ہاتھ اٹھا کر وہ پلٹ کر تیزی سے بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اوہ شٹ۔" انہوں نے اخبار اٹھا کر سے میز پر مارا۔

"ارے نگہم تم کہاں چلی گئی تھیں، یہاں تمہاری ڈھنڈیا مچی ہوئی ہے۔"

"پھپھو منہ کھولیں۔" ہارون بھائی اسے دیکھتے ہی کہا۔

اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ عمر دھاوا بول دیا، وہ تو پہلے ہی بہت پریشان تھی حد الجھن سے اسے دیکھا۔

"ارے منہ کھولیں بھئی، کیا دیکھ ہیں۔" عمر نے اسے ہلایا۔

"عمر پلیز تنگ نہیں کرو، میں بہت......" کہتے کہتے رک گئی۔

"ارے کیا بھئی، پھپھو منہ کھولیں، آ آپ کا منہ میں مٹھائی سے بھر دوں گا۔"

"اور مبارک ہو آپ کو بہت بہت مبار ہو، نوید چاچو سلیکٹ ہو گئے ہیں۔" حارث خوشی سے بھرپور آواز میں کہتے ہوئے گ جامن اس کی طرف بڑھایا۔

"کیا کیا؟" اس نے ان سب کو ح سے دیکھا۔

"کیا کہہ رہے تھے وہ۔"

"بھئی اس میں اتنا حیران ہونے وال سی بات ہے، نوید آرمی میں سلیکٹ ہو گیا یہ سب تمہاری محنتوں کوششوں سے ہی

ہے تم نے بہت ہمت سے اسے گائیڈ کیا ہے۔"
ہارون بھائی نے اسے سکتے کی کیفیت میں دیکھ کر سمجھا کر وہ خوشی کی خبر اچانک مل جانے کی وجہ سے شاکڈ ہو گئی ہے۔

"اور میجر اسامہ مبین کا بھی بہت حصہ ہے انہوں نے نوید کو بہت اچھا گائیڈ کیا تھا۔" عمر کے کہنے پر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اوہ میرے خدا یہ کیا کر دیا میں نے، میجر اسامہ مبین کو کتنا غلط سمجھا میں نے اور ان کو اوہ خدا، کیا کیا کہہ دیا میں نے انہیں۔" اپنی جلد بازی پر اسے رونا آ گیا، ابھی کچھ دیر پہلے اس شخص پر سب سے زیادہ غصہ آ رہا تھا اور اب اس شخص کی تصور سے اور اسے دکھ دینے کے خیال سے رونا آ رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا، کیوں، میں میں سچ سمجھ بیٹھی اور ...... اور۔" وہ نوید کو گریبان سے تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے رو پڑی۔

"ارے آپی، آپی پلیز، سوری ویری سوری میں نے تو مذاق کیا تھا۔" نوید اس کی حالت سے خود بھی حواس باختہ ہو گیا تھا، گھبرا کر بتانے لگا۔

"نگہم کم آن کیا ہو گیا بھئی، اوہو پگلی۔" ہارون بھائی ابھی تک اسے شاکڈ ہی سمجھ رہے تھے۔

"جاؤ بھی جاؤ تم لوگ اسامہ کو مٹھائی دے کر آؤ میں اسے سنبھال لوں گا۔" ہارون بھائی نے ان کی طرف دیکھا، ابھی کچھ دیر پہلے وہ کتنے خوش تھے، کتنے شاداں اور پر جوش اور اب یکدم خاموش اور متفکر کھڑے تھے۔

"جاؤ نا یار، سمجھا کرو یہ سب خوشی کی کیفیات ہوتی ہیں، میں ہوں نا، اسے ابھی یقین دلاتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا بازو تھام کر صوفے پر بیٹھ گئے ان کے کہنے پر وہ بھی باہر نکل گئے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے نگہم تم خوش نہیں ہو۔" انہیں اس کی اڑی اڑی رنگت اور حواس باختہ انداز نے حیران کر رکھا تھا۔

"ہاں، نہیں میں تو بہت خوش ہوں دراصل نوید نے پہلے جھوٹ بول دیا تھا میں بہت مایوس ہو گئی تھی اسی لئے......" اس نے چونک کر خود کو سنبھالا۔

"چلو اب تو یقین کر لو، میں کہہ رہا ہوں ٹھیک ہنسو، گڈ بیگم بھئی لاؤ میں خود اپنی بہن کو مٹھائی کھلاتا ہوں۔" انہوں نے بھابھی کے ہاتھ سے گلاب جامن لے کر اس کے منہ میں ڈالی تو وہ مسکرا دی، مگر اس مسکراہٹ میں خوشی کا وہ بھرپور اور جاندار تاثر موجود نہ تھا، جو اتنی بڑی خواہش کی تکمیل اور خواب کے سچ بننے سے حاصل ہوتا تھا، رات تک وہ ان سب کے ساتھ شامل رہی مگر جونہی تنہائی میں بستر پر لیٹی اسے اپنی شام والی حرکت یاد آ گئی اور پریشانی اور الجھن سے وہ اٹھ بیٹھی۔

"یہ کیا کر دیا میں نے؟ اوہ خدا میری بے وقوفی جلد بازی۔" ہمیشہ سے ہی وہ بہت جلد نتائج اخذ کر کے خود بخود ہی سب کچھ سوچ لیتی تھی، بعض معاملات میں وہ حد سے زیادہ جذباتی تھی، خصوصاً نوید کے معاملے میں اور جب اسے پتا چلا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی۔

"میجر اسامہ آئی ایم سوری۔" وہ خود ہی سے مخاطب تھی اور ایسے ہی سوچتے سوچتے اس نے غائبانہ اس سے سوری کر لیا۔

"کیسے سامنا کروں گی میں ان کا کیا کہوں گی، کیا سمجھ رہے ہوں گے وہ میرے بارے میں، اف کہیں میری یہ حرکت نوید کے لئے آئندہ......" اس کا دماغ پھر الٹی سیدھی باتیں

سوچنے لگا یکدم اس نے سر جھٹکا۔

''نہیں وہ ایسے نہیں ہیں وہ تو......'' اس نے سر تھام لیا۔

''اپنی غلطی تسلیم کر کے سوری کہہ دینے سے تمہارا امیج ان کی نظروں میں بہتر ہو سکتا ہے، انہیں سب کچھ بتا دو، غلطی تسلیم کر کے سوری کرنا بھی اعلیٰ ظرفی اور عقل مندی کی نشانی ہے۔'' اس کا ضمیر اسے سیدھی راہ دکھا رہا تھا اور یہ فیصلہ کر کے وہ خاصی حد تک پرسکون ہو گئی تھی، ورنہ تو اس کے اندر ایسی ہلچل برپا تھی کہ لگتا تھا کہ بکھر کر رہ جائے گی۔

☆☆☆

''اوکے مگر آئندہ خیال رہے کہ آپ بغیر تصدیق اور ثبوت کے کسی کو یوں الزام نہیں دیں گی۔'' اس نے اگلی ہی شام کو جا کر سب بات سچ سچ بتا کر اس سے معافی مانگ لی تھی، چند لمحوں کو تو اسامہ کا دل چاہا، اسے کھری کھری سنائے اور اس کی غلطی کا احساس دلائے، مگر پھر اس کو اس قدر پشیمان اور دکھی دیکھ کر ارادہ بدل دیا، اسے خود احساس ہو گیا تھا اور اب مزید کچھ کہنا شرمندہ کرنا تھا، سو اس نے بھی سب کچھ فراموش کر دیا، حالانکہ اس کے الفاظ اس کے اعصاب اڑا گئے تھے، وہ ایماندار اور سچا کھرا انسان تھا، ذاتی مفاد یا دشمنی اسے کسی اور کا مستقبل تباہ کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔

''اور سنیں اب آپ یہ مت سوچیے گا کہ آپ کی اس غلطی کی سزا میں آپ کے بھائی کو دوں گا۔'' اس نے اسے جاتے ہوئے روک کر کہا تو اسے بے حد شرمندگی محسوس ہوئی وہ شخص بالکل صحیح سمجھا تھا، ایسا خیال تو اس کے ذہن میں بھی آیا تھا، مارے خفت کے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا آہستہ سے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، جو بغور اس کے تاثرات بھانپ رہا تھا۔

''میں ایسا نہیں سوچوں گی آپ کو سمجھ گئی ہوں، آپ بہت اچھے انسان ہیں۔'' اس نے وضاحت بھی اتنے عجیب انداز میں کی کہ وہ بمشکل مسکراہٹ دبا سکا۔

''اچھا کتنا سمجھ لیا ہے مجھے آپ نے۔'' اس نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا۔

''یہی کہ آپ کسی ایک شخص کی غلطیوں کی سزا کسی دوسرے شخص کو نہیں دیتے۔'' اسامہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ ہولے سے ہنس دیا اور وہ سلام کر کے چلی آئی، ایک بوجھ تھا جو سر سے اتر گیا تھا۔

وہی ہر کام جلدی جلدی کرنے کی عادت، غلطی کرنے کی بھی جلدی، سوری کرنے کی بھی جلدی، بعض اوقات تو اسے اپنی طبیعت کی اس بے چینی پر شدید غصہ آتا تھا، پتا نہیں کیوں وہ اتنی زیادہ نروس ہو کر ہر کام سر پر سوار کر لیتی تھی جو زندگی موت کا سوال بن جاتا تھا اور یہ ابو کی وفات کے بعد سے ہوا تھا وہ بڑی تھی، امی غم سے نڈھال تھیں نوید بالکل کم سن تھا، جو بھی آتا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بڑے پن کا احساس دلاتا، اسے اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا، ماں اور بھائی کا سہارا بننے کو کہا جاتا اور یوں وہ حد سے زیادہ کانشس ہو گئی تھی، ذرا ذرا سی بات خواہ وہ بامعنی ہو یا بے معنی اس کے لئے عذاب بن جاتی تھی اور وہ اسے مکمل کر کے دم لیتی تھی، اس کی اس شدت پسندی پر امی اور نوید بھی ٹوکتے تھے امی تو اکثر کہتی تھیں۔

''لڑکیوں کو اتنا کم حوصلہ اور بے صبرا نہیں ہونا چاہیے، برداشت کا مادہ تم میں بہت کم ہے، فکر مند اتنی جلدی ہو جاتی ہو، نہ جانے اگلے گھر کیسے حالات ہوں، کم از کم عورت کو صبر اور برداشت کا ہتھیار تو اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔''

اور وہ بھی بہت کوشش کرتی تھی کہ خود کو ہمت اور صبر پیدا کرے، کوئی بھی کام نہیں ہو پا رہا تو در گزر سے کام لے، مگر پھر بھی اس سے غلطی ہو جاتی تھی اور یہی کچھ میجر اسامہ مبین والے معاملے میں ہوا اور یہ بھی بھلا ہوا کہ معافی مانگ لی، کچھ سکون مل گیا ورنہ اس کی تو آدھی جان ہلکان ہو جاتی۔

نوید کاکول چلا گیا تھا اور اب امی کے ساتھ سارا سارا دن وہ ہی ہوتی تھی، بی اے کے بعد وہ امی کی تنہائی اور بیماری کی وجہ سے ایم اے میں ایڈمیشن نہیں لے سکی تھی، اسی لئے پرائیویٹ ایم اے انگلش کی تیاری کر رہی تھی۔

☆☆☆

ہارون بھائی پشاور سے اکثر فون پر بات کرتے رہتے تھے، پندرہ دن بعد چکر بھی لگا لیتے تھے۔

اب کی بار آئے تو ایک حیران کن خبر بھی سنا دی۔

''میجر اسامہ مبین نے اسے پرپوز کیا تھا۔'' مارے حیرت کے کئی ثانیے تو وہ منہ کھولے بھابھی کو دیکھتی رہی۔

''ارے تم اتنی پیاری ہو، پڑھی لکھی ہو، سمجھدار ہو پھر اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔'' انہوں نے اسے ڈانٹا۔

''مگر وہ...... میں!''

''کیا وہ میں بھئی انہوں نے خود مجھ سے پوچھا تھا کہ کہیں تم انگیجڈ تو نہیں ہو یا بات وغیرہ طے کی ہو میں نے انہیں بتا دیا کہ ایسا کچھ بھی معاملہ ابھی نہیں ہے، بس پھر انہوں نے خواہش ظاہر کی اور میں نے انہیں گھر آنے کا کہہ دیا، اگلے ہفتے مسز عبداللہ اور اسامہ کی امی یہاں آئیں گی۔'' بھائی نے تفصیل بتائی۔

''مگر وہ تو بہت...... بہت سخت ہیں۔'' اس نے مسز عبداللہ کے بارے میں جو سن رکھا تھا، خاصا ہولناک تھا۔

''تم نے زندگی اسامہ کے ساتھ گزارنی ہے اور ضروری نہیں کہ خاندان کے سارے افراد ایک جیسی عادات کے مالک ہوں، اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہر خاندان میں موجود ہوتے ہیں۔'' بھابھی نے اسے سمجھایا۔

''اور امی...... امی بالکل اکیلی رہ جائیں گی، نوید بھی چلا گیا ہے۔'' اب اسے امی کی فکر نے آ گھیرا تھا۔

''بے وقوف امی کو تو ایک نہ ایک دن اکیلا ہونا ہی ہے اور پھر کچھ ہی عرصے بعد نوید کی دلہن بھی آ جائے گی۔''

''نہیں میں امی کو یوں تنہا نہیں چھوڑوں گی، وہ تو میرے بغیر بے حد اداس ہو جاتی ہیں، بیمار بھی رہتی ہیں، کہیں زیادہ بیمار ہو گئیں اور کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہ ہو تو کیا ہوگا، امی کا تو دل ویسے ہی کمزور ہے اور......'' سوچتے سوچتے وہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

''نہیں نہیں ابھی امی کو میں نہیں چھوڑ کر جاؤں گی۔'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا، بھابھی نے اپنا سر تھام لیا۔

''اف یہ لڑکی کیا کیا سوچتی ہے۔'' انہوں نے ساری بات آنٹی کو بتا دی۔

''دیکھو اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے ایسے اچھے رشتے روز روز نہیں آتے، میرا کیا ہے میں ماں ہوں اور ماؤں کو تو ایک نہ ایک دن بیٹیوں کے بغیر رہنا ہی پڑتا ہے۔'' امی نے

رات کو اسے قریب بٹھا کر سمجھانا شروع کیا۔

''مگر امی آپ بیمار......'' اس کی ساری توجہ ان کی طرف تھی۔

''میری بیماری بھی تو پریشانی اور فکر کی وجہ سے ہے اور سب سے زیادہ فکر مجھے تمہاری ہے، نوید تو لڑکا ہے ایک لائن پر چل پڑا ہے، جلد ہی کامیاب ہو جائے گا تم بیٹی ہو، تمہارا باپ بھی نہیں ہے، لوگ تو دولت اور حیثیت دیکھ کر رشتے کرتے ہیں، نیکی شرافت اور سادگی یہ خوبیاں بعد کی باتیں ہیں، نوشین بتا رہی تھی کہ وہ لوگ بہت اچھے ہیں، جہیز وغیرہ کا کوئی مطالبہ نہیں، بیٹی سوچ سمجھ لو، جلدی میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا ٹھیک۔'' وہ اسے طویل لیکچر دے کر سمجھا کر چلی گئی تھیں۔

اور اب، اب وہ تھی اور اس کی سوچیں، ایک منٹ میں ہزار زاویوں سے اس نے خود کو اور اسامہ کو پرکھا تھا، یہ ہوا تو یہ ہوگا یہ ہوا تو یہ نہیں ہوگا۔

وہی فطرت کی بے چینی اور طبیعت کا اضطراب امی پوری طرح حامی تھیں کہ وہ اسامہ سے ہی اس کی شادی کریں گی اور خود وہ ابھی تک گرداب میں تھی۔

میجر اسامہ اچھے انسان تھے، اچھے عہدے پر تھے خود خواہش مند تھے، انکار کا کوئی جواز نہیں تھا اور وہ انکار کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اسامہ کے ساتھ اس کا اگرچہ جتنی مرتبہ بھی سامنا ہوا، یا تو لڑائی ہوئی یا پھر معافی تلافی کے سلسلے میں ملی، ان حالات میں محبت کے جذبے کا پروان چڑھنا اور اسے زندگی میں اہم ترین مقام دینے والی بات اس کی بے چین فطرت کو بھا نہیں رہی تھی۔

''بے وقوف خود تیرا دل کیا کہتا ہے۔'' اس نے دماغ کی نصیحتوں پر کان رکھا۔

''میرا دل۔'' اس نے بے ساختہ دل پر ہاتھ رکھا۔

''اسامہ مبین۔'' اس نے دھیرے سے زیر لب دہرایا، یہاں وہاں اسی کی سرگوشی گونج رہی تھی، ہر طرف ایک ہی نام، ایک ہی چہرہ، اور خدا، وہ تو میرے اندر، میرے اطراف میں موجود ہیں اور میں۔'' اپنی کیفیت پر اسے حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔

اور ایسے وقت میں جب کہ اسے بہت زیادہ خوش ہونا چاہیے تھا کہ محبت جیسا انمول جذبہ پالیا تھا وہ فکروں میں گھر گئی تھی پتا نہیں سچی اور حقیقی خوشی کوئی نہیں ملتی تھی، اس کا ذہن مثبت پہلو کے ساتھ منفی بھی سوچ رہا تھا۔

''نہیں وہ ایسے نہیں، وہ کیوں مجھ سے بدلہ لیں گے، میں نے تو سوری کہہ دیا تھا اور اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو وہ پرپوز ہی کیوں کرتے۔'' اس نے گھبرا کر خود کو تسلی دی، اس کی شخصیت میں بہت بڑی خامی تھی وہ ہر چیز کو دو زاویوں سے دیکھتی تھی اور بعض اوقات انسان کی کوئی خوبی یا خامی اس کے لئے بہت بڑا عذاب بن جاتی ہے، پراگندہ ذہنیت افراد کبھی حقیقی طور پر ایک فیصلہ نہیں کر سکتے، وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں اس پر ہمیشہ شک وشبہ کرتے ہیں اور یوں ڈانواڈول ہی رہتے ہیں۔

اسامہ کے حق میں فیصلہ دینے کے باوجود وہ مضطرب تھی اور یہ کیفیت بقول بھابھی کے۔

بہت کم عمری میں اضافی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال کر اس کی شخصیت کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا، ایک طرف قدرتی بچپنا اور عمر کے مطابق فطری لاابالی اور بے فکری تھی، دوسری طرف عمر سے بھاری ذمہ داریاں، اس نے اگرچہ ساری ذمہ داریاں بخوبی اٹھالی تھیں کہ خاندان بھر میں

اس کی ذہانت اور بڑے پن کے چرچے تھے، مگر اس کی عمر کا وہ دور جسے عمر کا سنہری دور کہا جاتا ہے، اپنے ادھورے رہ جانے کی وجہ سے اس سے شاکی تھی اور یوں اس عمر کے تقاضے پورے نہیں ہوئے تھے، جو بے چینی اضطراب اور جلد بازی کی صورت میں اندر ہی موجود تھے۔

قانون فطرت ہے کہ عمر کے تینوں ادوار بچپن جوانی اور بڑھاپا اپنے الگ الگ تقاضے اور ضروریات رکھتے ہیں، بچپن میں رہنے والی کمی تا عمر انسان کے اندر تشنگی پیدا کر دیتی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عمر کا نازک اور حساس اولین دور بچپن ہوتا ہے ایک انسان کی زندگی بھر کی ترقی، کامرانی اور پختگی کا دارومدار بچپن کی تربیت اور بچپن کے تقاضوں کی تکمیل پر ہوتا ہے۔

جو بچے بچپن سے ہی لاوارث ہوتے ہیں بری عادات کا شکار ہوتے ہیں وہ بڑے ہو کر بھی وہی کچھ بنتے ہیں جو بچپن میں ان کے لئے راہ متعین کی جاتی ہے یا سکھایا جاتا ہے، بچپن کے نقش بہت گہرے ہوتے ہیں۔

بہر حال اس کے تمام تر اعتراضات کے باوجود امی نے ہاں کہہ دی تھی وہ ماں تھیں جانتی تھیں اسے۔

میجر اسامہ کی امی اسے بہت اچھی لگیں، سادہ مزاج اور ہنس مکھ سی انہوں نے تو جیسے گھر سے یہ ٹھان لیا تھا کہ فیصلہ کر کے آنا ہے، سو جونہی امی نے حامی بھری، انہوں نے اسے انگوٹھی پہنا کر اپنا بنا لیا۔

ہارون بھائی بھابھی ہی ان کے قریبی عزیز تھے، زیادہ لمبا چوڑا خاندان نہ تھا اور بھی اس رشتے پر خوش تھے۔

اسامہ مبین کے نام کی انگوٹھی پہن کر تو وہ بھی جیسے یکدم سب بھول گئی تھی، بس نازاں و فرحاں ایک فتح مندانہ احساس تھا کہ اس نے خود مجھے پسند کیا اور مجھے مانگا ہے، یہ احساس ہی ایک لڑکی کے لئے نوید مسرت ہوتا ہے، منگنی کے فوراً بعد ان لوگوں نے شادی کے لئے جلدی جلدی کی رٹ لگا رکھی تھی، جبکہ وہ ابھی اس جلدی کے حق میں نہ تھی۔

☆☆☆

''ارے مجھے آرمی میں بھیج کر لائن کلیئر کر کے منگنی کر لی، خوب سسٹر۔'' نوید چھٹی پر آیا تھا اور مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا۔

''میں نے تمہیں اس لئے آرمی جوائن نہیں کروائی تھی اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ تھا، یہ تو امی اور ہارون بھائی نے میری ایک نہیں سنی اور وہ......وہ میجر صاحب بھی جیسے برسوں سے انتظار میں تھے۔'' اس نے خفگی سے اسے کہا تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں وہ میجر صاحب چلو، ویسے ایک بندہ تو تمہیں آرمی والا مل گیا ہے نا، اب میں کم از کم عتاب سے بچ جاؤں گا، سارے حب الوطنی اور دین و دنیا کے فوائد اپنے میجر صاحب کو بتانا۔''

''نوید! ان کا اور تمہارا مقام بالکل الگ ہے، حیثیت اور رشتہ بھی الگ، تمہارا کیا خیال ہے میں تمہیں یوں بے لگام چھوڑ دوں گی۔'' نوید نے ہنستے ہوئے باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کیا تو وہ یکدم سنجیدہ ہوگئی۔

''ارے اپنے گھر کی ہو جاؤ گی پھر تمہارا یہاں رعب نہیں چلے گا۔'' وہ جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہا تھا۔

''نوید! اسی لئے میں امی سے کہہ رہی تھی کہ ابھی اتنی جلدی نہ کریں، مجھے نہیں کرنی شادی، تم مجھے خود غرض اور لاپرواہ سمجھ رہے ہو، جب تک تمہارا مستقبل نہیں بن جاتا، میں شادی

نہیں کروں گی۔'' وہ انتہائی سنجیدہ ہوگئی تھی، غصے سے کہتے ہوئے اندر دوڑ گئی، نوید بے چارہ پشیمان سا بیٹھا رہ گیا وہ تو مذاق کر رہا تھا ایسی بات تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اس کے خلوص اور محبت پر شک تھا، بلکہ میجر اسامہ مبین کے ساتھ اس کی منگنی کی خبر سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی، اسامہ مبین بے حد سمجھدار اور کول مائینڈڈ بندے تھے اور اس کی بے چین فطرت اور شخصیت کے عدم استحکام کو جانتے ہوئے وہ بندہ اسے بے حد مناسب لگا تھا اور وہ یقیناً اس کے اندر کی ان تمام خامیوں کو بھی سنوار سکتا تھا۔

مگر اب!

اب تو وہ حسب توقع بری طرح ہتھے سے اکھڑ گئی تھی، امی الگ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

''بمشکل اسے راضی کیا تھا، پہلے ہی وہ تمہاری طرف سے فکر مند رہتی ہے، پتا نہیں تمہارا یہ بچپنا کب ختم ہوگا، اب اسے کون سمجھائے میں تو اس لڑکی سے بہت پریشان ہوں، پل میں تولہ پل میں ماشہ، قوت فیصلہ تو ہے ہی نہیں۔''

''امی آپ فکر نہ کریں، میں انہیں منا لوں گا، آپ انہیں کچھ بھی مت کہیں اوکے۔'' اس نے ماں کو پریشان دیکھ کر انہیں بہلایا، بہن کی عادت سے واقف تھا، بہت ذہین تھی کمانڈنگ صلاحیت بھی تھی، ہر کام بہادری سے کر لیتی تھی، مگر ان سب خوبیوں کے باوجود اس کی طبیعت میں جو بے اعتدالی پائی جاتی تھی، بعض اوقات اس کے لئے اور گھر والوں کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوئی تھی۔

''نگہم! نگہم پلیز آئی ایم سوری، آپ بھی کمال کرتی ہیں، میرے لئے جو راہ آپ نے متعین کی ہے، میں اس سے بھلا ہٹ سکتا ہوں، میں تو ہر قدم پر آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں اور چاہوں گا۔'' نگہم نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''یقین کرو سسٹر تم...... اوہ سوری آپ، دراصل اب میں خود کو بڑا بڑا محسوس کرتا ہوں نا تو۔'' اس کی معصومیت اور پھر وضاحت پر اسے بے حد پیار آیا، وہ مسکرا دی تو نوید بھی کھل کر ہنس پڑا۔

''شکر ہے، مطلع صاف تو ہوا، ورنہ میرا تو سب مل کر حشر کر دیتے۔'' اسے امی ہارون بھائی، بھابھی اور سب سے بڑھ کر میجر اسامہ کی طرف سے جو کچھ سننے کو ملتا وہ ہوش اڑانے کو کافی تھا، اس نے تو یکدم ہی قطعی فیصلہ کیا تھا کہ شادی نہیں کرے گی اور اب اتنی جلدی مان جانے پر صد شکر ادا کر رہا تھا۔

ایک دفعہ تو اس کا دل چاہا کہ وہ میجر اسامہ کو اس کی اس عادت سے قبل از شادی ہی مطلع کر دے کہ ہو سکتا ہے پہلے سے واقف ہونے سے وہ زیادہ اچھی طرح اسے سمجھ سکیں اور یوں کوئی بڑا جھگڑا، کوئی سنجیدہ غلط فہمی کا امکان نہ ہو، مگر وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا، ایک عجیب سا حجاب مانع تھا، ہو سکتا تھا انہیں یہ بتانے سے وہ کچھ اور ہی سمجھ بیٹھیں اور یوں یہ رشتہ خطرے میں پڑ جائے، اسی خوشی غمی کے تاثر سمیت وہ واپس کاکول چلا گیا، کیونکہ دو ماہ بعد نگہم کی شادی کا ارادہ تھا اور اسے چھٹی بھی مشکل سے ملی تھی۔

☆☆☆

اس کے سارے خدشے، اندیشے اور وسوسے اسامہ کی زندگی میں داخل ہوتے اور [illegible] کا بھرپور پیار ملنے کی وجہ سے ہوا ہو گئے تھے، وہ بہت اچھی نیچر کا مالک تھا اور شادی کے ابتدائی دن تو ویسے بھی بے حد حسین ہوتے ہیں، اسے خوش دیکھ کر امی، نوید، ہارون بھائی بھی خوش تھے۔

اسامہ کی امی، ان کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور اسامہ چونکہ اکلوتی اولاد تھے، شوہر فوت ہو چکے تھے، سو بیٹے کے پاس ہی رہتی تھیں، اسامہ کو بھی اپنی امی سے بے انتہا پیار تھا اور ان کی خوشی اور ہر بات حکم کا درجہ رکھتی تھی، نگہم سے انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا، صرف اپنی امی کا خیال رکھنے اور ان کا احترام کرنے کی درخواست کی تھی جو اس نے بخوشی مان لی تھی کہ اس کی خوشی میں ہی زندگی کی تمام خوشیاں پوشیدہ تھیں، مگر اس کی رضا اور ارادے کی تکمیل اس کی شخصیت کے عدم توازن کی وجہ سے ناممکن ہی لگ رہی تھی۔

ماں باپ کے گھر میں تو پتا ہی نہیں چلتا کہ بیٹیوں کی کون سی غلطی قابل اصلاح ہے یا قابل اعتراض ماں بیٹی کی محبت میں بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں نظر انداز کر جاتی ہیں جو سسرال میں رائی کا پہاڑ بن جاتی ہیں اور اس بات کا اندازہ اسے یہاں عملی کاموں کی انجام دہی کے وقت ہوا تھا۔

ساس بہت اچھی تھیں مگر اکلوتے بیٹے پر اپنا حق بہت سمجھتی تھیں، گھر کے دیگر کاموں میں بھی اسامہ اپنی امی کے مشورے کو ہی فوقیت دیتے تھے اور اپنے گھر میں آج تک ان ہی کا مشورہ سنا اور مانا جاتا تھا نگہم جب ساس کے مقابلے میں اپنے مشورے اور بات کو رد ہوتا دیکھتی تھی تو اس کے اندر فطری بے چینی اور اضطراب شور برپا کر دیتا تھا۔

اور ایسے وقت میں وہ بعض اوقات اسامہ سے بدتمیزی سے بول پڑتی تھی، ساس کے ساتھ بھی اس کا رویہ روکھا ہو جاتا تھا، وہ جہاندیدہ عورت تھیں، اس کی کیفیت کو سمجھ رہی تھیں۔

''بیٹا نگہم کی بات اور مشورے کو بھی اہمیت دیا کرو، وہ تمہاری بیوی ہے اور میں ساری عمر تو ساتھ نہیں رہوں گی، اسے ہی تمہارے ساتھ ساتھ ہر قدم پر رہنا ہے۔'' وہ بیٹے کو سمجھا رہی تھیں، آج صبح ہی وہ اسامہ کو بتا رہی تھی کہ فریج کولنگ نہیں کر رہا، پرانے فریج کو فروخت کر کے نیا لے لیں۔

''بھئی ہم آرمی والے اتنی جلدی نئی چیزوں کے خریدنے کا فیصلہ نہیں کر سکتے، ہمیں تو ہر چیز خریدنے سے پہلے دس بار اپنا بجٹ بنانا پڑتا ہے۔'' انہوں نے ہنس کر کہا۔

''جتنے پیسے اس کی ریپیرنگ پر لگیں گے، انہی میں ہی اور پیسے ڈال کر نیا لے لیتے ہیں کم از کم صحیح چیز تو ہوگی، گرمی بھی اتنی زیادہ ہے، چیزیں اکثر خراب ہو جاتی ہیں۔''

''تو بھئی کم پکایا کریں نا، اتنا کھانا نہ بنایا کریں کہ بچے اور خراب ہو۔''

''بناتی تو کم ہی ہوں، اب یہ تو نہیں پتا کہ کب کون کم کھائے گا یا زیادہ ناپ تول کر تو نہیں بنایا جا سکتا۔'' اسامہ نے بغور اسے دیکھا۔

''اوکے کرتا ہوں امی سے بات، جو وہ کہیں گی۔'' اور یہی بات اسے ناگوار گزرتی تھی، اس کی بات کے مقابلے میں ماں کی بات کو اہمیت دینا، ایسے وقت اسے شدید غصہ آتا۔

''میری بات کی اہمیت ہی نہیں، میرا کہنا کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔''

اور اپنے غصے کا اظہار بھی اس نے کر دیا تھا، ضبط اور قوت برداشت کی کمی کی شکایت تو امی اور نوید کو بھی رہتی تھی۔

''بیٹا تم نے جو مشورہ دیا، اسامہ نے اسی سلسلے میں مجھ سے بات کی اگر تمہاری بات کی اہمیت نہ ہوتی تو وہ نظر انداز کر جاتا یا سرے سے ہی بھول جاتا، اس کی یہ عادت ہے کہ غیر ضروری

اور نہ یاد رکھنے والی، نا قابل عمل باتیں، نظر انداز کر دیتا ہے۔'' انہوں نے تحمل سے اس کے شکوے کے جواب میں کہا۔

اور جب رات کو اسامہ نے دوبارہ وہی بات کی تو انہوں نے سمجھایا۔

''نگہم نے آپ سے کچھ کہا؟''

''ارے نہیں، میں تو تمہیں سمجھا رہی ہوں، بیٹا بات کو سمجھتے ہیں۔'' انہوں نے اس کا نام نہیں آنے دیا، مگر جب اپنے کمرے میں وہ آئے تو نگہم نے بڑی عجیب نظروں سے انہیں دیکھ کر یہی سوال کر دیا۔

''کر آئے امی سے مشورہ کیا کہا انہوں نے۔'' بظاہر سادہ سا سوال تھا مگر لہجہ بے حد طنزیہ اور غصیلا تھا، انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تم نے امی سے صبح کچھ کہا تھا؟''

''میں نے...... میں نے کیا کہنا تھا، کیا کہا انہوں نے آپ سے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ پلٹ کر اپنا کمبل درست کرنے لگے۔

''اچھا واقعی کچھ نہیں کہا حیرت ہے۔'' اس نے یوں کہا جیسے ان کی بات پر یقین نہ ہو، اسامہ غصے سے پلٹے۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہوں، اپنے دل کی بات کھل کر کہو، مجھے یہ جاہل عورتوں کی طرح طعنوں کی زبان میں بات کرنا سخت برا لگتا ہے۔''

''جاہل عورت! میں جاہل عورت ہوں، سچ بات یونہی چبھتی ہے۔'' اس نے بھی تنک کر کہا، اسامہ بمشکل ضبط کر سکے، بات بڑھانا انہیں پسند نہیں تھا اور یہ جھگڑا جتنا چاہے بڑھایا جا سکتا تھا، البتہ انہوں نے اپنے غصے کا اظہار لاتعلقی اور بول چال بند کر کے ضرور کیا تھا۔

امی کو بھی دونوں کے مابین کشیدگی اور گڑبڑ محسوس ہوئی تھی، سو اسامہ کے جانے کے بعد وہ اس کے پاس چلی آئیں، وہ بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

''کیا بات ہے بھئی طبیعت ٹھیک ہے، اس وقت کیوں ایسے لیٹی ہو۔''

''بس ایسے ہی۔'' اس نے ایک نظر انہیں دیکھ کر بے گانگی سے جواب دیا۔

''کیا، اسامہ سے کوئی جھگڑا ہوا ہے تمہارا؟'' اس کا موڈ خاصا آف تھا۔

''آپ تو یوں پوچھ رہی ہیں جیسے آپ کو معلوم نہ ہو بہرحال آپ کو بتانے کا کیا فائدہ، ایسے ہی میرے منہ سے کچھ نکل گیا تو اسامہ تک شکایت پہنچ جائے گی۔''

''ایک بات یاد رکھنا نگہم میں ان عورتوں میں سے نہیں ہوں، جو خاوند اور بیوی کے درمیان تعلقات بگاڑ کر اپنی حیثیت مضبوط بناتی ہیں، یا اپنے مقاصد پورے کرتی ہیں، مجھے اپنا بیٹا اور تم دونوں بہت عزیز ہو اور کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ لانا کہ میں تمہاری کوئی غلطی یا بدتمیزی اسامہ کو بتاؤں گی۔'' انہیں بھی اس کی ذہنیت اور سوچ پر بہت رنج ہوا تھا، روایتی ساسوں والا طریقہ کار تو انہوں نے اپنایا ہی نہ تھا، انہوں نے تو ایسے بالکل بیٹی کی طرح محبت دی تھی، اسی طرح چاہتی تھیں جیسے بیٹے کو۔

وہ واپس پلٹ گئی تھیں اور مسلسل سوچ رہی تھیں اکلوتے بیٹے کا گھر یوں ان کی وجہ سے بکھر رہا ہے، یہی چھوٹے چھوٹے لڑائی جھگڑے، اعتراضات کسی بڑے تنازعہ کی بنیاد بنتے ہیں اور اپنے لاڈلے بیٹے کے گھر کا ماحول ایسا بھی ہوگا انہوں نے سوچا نہ تھا۔

اس کے بعد بھی انہوں نے اس کے خراب موڈ کے باوجود کوئی بھی ناراضگی یا بڑا پن دکھانے سے گریز کیا تھا مگر ان کی تمام تر کوششوں پر وہ خود ہی پانی پھیرنے پر تلی ہوئی تھی۔

☆☆☆

رات کو ڈنر پر کہیں انوائیٹ تھے، اسامہ نے اس سے کہا تھا کہ گرے سوٹ نکال دے۔

''گرے نہیں اسامہ، آپ وائیٹ شرٹ اور بلیک پینٹ پہنیں، آپ کو یہ ڈریس بہت اچھا لگتا ہے۔''

''اچھا۔'' وہ ہنس پڑے۔

''مگر آج گرے ہی نکال دو، تنظیم بھی گرے سوٹ پہنے گا، اس نے فون پر مجھے پہلے ہی یاد دہانی کروا دی ہے یار تمہاری چوائس بھی پہن لیں گے۔'' انہوں نے اس کے موڈ کو دیکھ کر پیار سے کہا۔

''ہوں میری چوائس میری تو ہر بات ہی آپ کو ناپسند ہوتی ہے، آپ نے کبھی میری بات مانی ہے جو اب مانیں گے، ہمیشہ ہی نفی کی ہے، آپ کے نزدیک میں اس قابل بھی نہیں۔'' جب بھی اس کی بات رد ہوتی تھی وجہ خواہ کچھ ہو وہ یونہی مضطرب ہو جاتی تھی۔

اسامہ نے حیرت اور خفگی سے اسے دیکھا، وقت بہت کم تھا اور وہ بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے سو خاموشی سے تیار ہونے چل دیے اور پھر جب وہ باتھ روم سے نکلے تو وہ ہنوز موڈ آف کیے بیڈ پر بیٹھی تھی، انہوں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو، جانتی ہو پارٹی وقت پر شروع ہو جاتی ہے اور ہم لیٹ۔''

''میں نہیں جا رہی۔'' اس نے ان کی بات کاٹ کر مزے سے کہا۔

''کیا؟'' اسامہ حیرت سے یک دم ٹھٹکے، غور سے اسے دیکھا۔

''آیو رمیڈ۔'' وہ غصے سے یہی کہہ سکے، جبکہ وہ کچھ بھی بولے بغیر مزے سے کروٹ بدل کر منہ دوسری طرف کیے لیٹی تھی۔

''شٹ۔'' غصے سے انہوں نے برش پٹخا، ان کے کورس میٹ میجر عثمان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی اور اس نے تمام فرینڈز کو ٹریٹ دی تھی، سبھی اپنی اپنی بیگمات سمیت انوائیٹڈ تھے اور اب وہ تنہا جا رہے تھے غصے اور الجھن سے ان کا برا حال تھا۔

''بے وقوف عورت، پتا نہیں خود کو افلاطون کیوں سمجھتی ہے، کیا غلط فہمی ہے، اسے کیوں ایسا کرتی ہے۔'' تمام راستے وہ یہی سوچتے رہے اور پھر بمشکل میس میں داخل ہونے سے پیشتر اپنا موڈ ٹھیک کر چکا تھا، کوئی نہ کوئی عذر تو نگہم کی غیر موجودگی کا بھی تراشنا تھا، اب تک تو وہ اس کی ساری باتیں نظر انداز کرتے آئے تھے، مگر اب اس کی آج کی بات نے تو انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ کون سی کمی ہے یا خامی ہے، جو اس کا رویہ ایسا ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

''ارے نگی بیٹا تم اسامہ کے ساتھ نہیں گئیں۔'' کچن میں امی نے اسے حیرت سے دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں۔'' اس کے بے حد مختصر اور روکھے جواب پر وہ چونکیں۔

''مگر کیوں تم لوگوں کی دعوت تھی اور تم تو تیار بھی تھیں۔'' ان کی حیرت بجا تھی، دوپہر تک تو وہ بھی مکمل تیاری سے تھی۔

''بس میں نہیں گئی اور وجہ آپ اپنے بیٹے سے پوچھیے گا۔'' وہ پانی کا گلاس شیلف پر رکھ کر باہر نکل گئی تھی، انہوں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''او خدا پھر کوئی مسئلہ۔''

''مسئلہ مسئلہ کچھ نہیں امی اس عورت کے

ساتھ کوئی پرابلم ہے، یہ مجھے نفسیاتی مریض لگتی ہے ہر بات پر اپنی برتری، ہر وقت اپنی حاکمیت دوسروں کو مطیع و فرمانبردار بنانا چاہتی ہے، جھکانا چاہتی ہے اپنے سامنے۔" ان کا تجزیہ بالکل درست تھا۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا، اگر تم اس کی عادت کو سمجھ گئے تو وہ اپنا رویہ بدلو، خود میں لچک اور نرمی پیدا کرو، اسے پیار محبت اور توجہ سے سمجھاؤ، سختی سے چیزیں ٹوٹ جایا کرتی ہیں اور وہ انسان ہے، تمہاری بیوی۔" اسامہ کے لہجے کی سختی پر انہوں نے اسے خاصا بڑا لیکچر دیا۔

"آئی تو امی، مگر اس کا لہجہ، رویہ آپ جانتی ہیں مجھے اس کے باوجود وہ مسلسل میرے ضبط کو آزمانے پر تلی ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر تم ذرا صبر کرو، میں آج اس کی امی سے بات کرتی ہوں، اس کی شخصیت میں یہ خامی کن حالات کی وجہ سے ہوئی اور کیوں۔" انہوں نے اسے ٹھنڈا کیا، واقعی اسامہ تو بہت برداشت اور ڈسپلین کا پابند شخص تھا۔

"ارے امی، یہ خالص صرف اور صرف ہٹ دھرمی ہے بعض لڑکیاں میکے میں بہت حکمرانی کرتی ہیں اور آگے سسرال میں بھی وہ اپنے رویے میں تبدیلی کیے بغیر وہی حاکمیت جتانا چاہتی ہیں، حالانکہ میکے اور سسرال میں بہت فرق ہوتا ہے۔" وہ درست کہہ رہے تھے، امی نے تائید میں سر ہلایا۔

"لڑکیاں وہی کامیاب ہوتی ہیں جو حالات اور ماحول کے مطابق خود کو بدلنے اور ڈھالنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، میکے میں ماں باپ بہن بھائی جیسے رشتے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ رویہ، لہجہ اور برتاؤ بالکل الگ اور جداگانہ ہوتا ہے، جبکہ سسرال میں نہ صرف رشتے بدلتے ہیں بلکہ ان کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے اور کامیاب زندگی تب ہی گزرتی ہے جب نوعیت کی تبدیلی کو سمجھ کر اپنے آپ کو بدل لیا جائے۔

نیلم نے رشتوں کی تبدیلی کو تو پہچانا تھا، مگر ان کی حساس نوعیت کے مطابق نہیں ڈھل سکی، وہی انداز وہی لہجہ اور وہی برتری، یہاں کیسے چل سکتا تھا، جبکہ مرد کبھی بھی خود پر کسی اور کو مسلط نہیں کرتا، خواہ وہ اس کی ماں بہن ہی کیوں نہ ہو اور بیوی کے معاملے میں تو مرد کی انا اور مردانگی زیادہ کمانڈنگ ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

"کچن کی کچھ چیزوں کی لسٹ میں نے آپ کو دی تھی، وہ آپ نہیں لائے۔" شام کو وہ پوچھ رہی تھی، اسامہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"صبح لے آؤں گا، آج وقت نہیں ملا اور ویسے بھی اس میں بہت سی ایسی چیزیں شامل ہیں جو ہم لوگ استعمال نہیں کرتے، کیوں فضول خرچی کریں، تم ایسا کرو دوبارہ لسٹ بنا دو، ضروری اشیاء کی بلکہ امی سے پوچھ لو۔" اور یہی جملہ اسے تیر کی طرح لگا۔

"میری بنائی ہوئی لسٹ فضول اور نامکمل ہے، واہ جیسے کبھی میں نے تو کچن کی اشیاء نہیں خریدیں، میں تو کچھ جانتی ہی نہیں سب کچھ آپ کی امی جانتی ہیں میں بچی ہوں ناسمجھ ہوں مجھے کیا علم۔"

"بات کا بتنگڑ مت بناؤ تم بچی نہیں ہو تو اتنی بڑی بھی نہیں ہو کہ بزرگوں کا مقابلہ کرنے لگو، پوچھ لینے میں کیا حرج ہے، ساری عمر انہوں نے گھر چلایا ہے، تم سے بہتر جانتی ہیں۔" اسامہ نے تحمل سے سمجھایا۔

"ساری عمر چلایا ہے تو اب بھی سنبھال لیں سب کچھ مجھے کوئی شوق نہیں باندی بن کر حکم بجا

لانے کا یہاں میری بات کی اہمیت نہیں، میرے مشورے قابل قبول نہیں، ہر بات میں اعتراض ہر بات رد کر دینا۔"

"غلط اعتراض نہیں ہوتا، اچھے کام پر تعریف و توصیف بھی ہوتی ہے اور غلطی پر اصلاح، کوئی بھی مکمل نہیں ہوتا، انسان خوبیوں خامیوں سے پر ہے، غلطی مان لینا بڑائی اور عظمت کی علامت ہے۔"

"میں اتنی ناسمجھ اور بچی نہیں ہوں، اپنے گھر میں تمام ذمہ داری مجھ پر تھی، سارے فیصلے میں کرتی تھی اور کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔"

"ہاں یہی تو تمہاری کمزوری ہے، میں جانتا ہوں تمہاری ہٹ دھرمی کو نوید کو تم نے زبردستی آرمی جوائن کروائی تھی، حارث کو میڈیکل میں ایڈمیشن اس کی مرضی کے خلاف دلوایا۔"

"اسامہ پلیز، آپ مجھ پر اور میرے خاندان پر یوں اعتراض نہیں کر سکتے، مجھے اپنی بات منوانے کی عادت ہے، میری بات مانی جاتی تھی یہاں آپ لوگوں نے مجھے ناسمجھ اور کم عقل ثابت کرنا چاہا ہے اور یہ بات یاد رکھیں مجھے اپنی اپنی بات کی نفی ہرگز قبول نہیں۔" وہ چیخ کر کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اُف!" اسامہ نے سر تھام لیا۔

کیا کریں، کیسے اسے سمجھائیں اس کی ضدی طبیعت کا کچھ اندازہ نوید والے معاملے میں ہو گیا تھا، کہ وہ جلد بازی میں فیصلے کرنے کی عادی ہے، مگر اس طرح وہ اپنی مرضی اور حکمرانی چلائے گی، یہ اب اندازہ ہو رہا تھا۔

اگلے دو گھنٹے تک انہوں نے اس سے قطع تعلقی برتی، وہ زیادہ ناراض اور خفا بھی نہیں رہ سکتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔

"سوری اسامہ!" وہ پریشان سی ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتی بے حد اچھی لگتی تھی اور اچھی تو انہیں وہ اس وقت بھی لگی تھی، جب نوید کے متعلق غلط فہمی کے بعد معافی مانگنے آئی تھی۔

"او کے لیکن یہ روز روز کی غلطیاں اور پھر معافی تلافی کب تک چلے گی؟" اسامہ نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے بھی تو مجھے کبھی کسی قابل نہیں سمجھا، مجھ پر آپ کو اعتبار نہیں، آپ ہمیشہ مجھے ہرٹ ہی کرتے ہیں۔" اس نے گلہ کیا۔

"ہرگز نہیں، یہ تمہاری غلط فہمی ہے، تم بہت اچھی، ذہین اور باصلاحیت ہو، مگر اپنی ساری خوبیوں کا استعمال درست نہیں کرتی ہوں، بعض باتیں وقت اور ماحول کے مطابق کہی جائیں تو اقوال زریں بن جاتی ہیں اور بے موقع وہی بات کہی جائے تو لطیفہ کہلاتی ہے سوچو اور اپنا محاسبہ کرو میں غلطی پر ہوں یا تم اگر میں غلطی پر ہوں تو آج سے میں تمہیں فری ہینڈ دیتا ہوں، جو مرضی کرو، جیسے مرضی کرو مگر درست، ٹھیک ہے۔"

اسامہ نے اسے بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا تھا، مگر یہ سمجھنے کی بجائے بس اسی بات سے خوش ہو گئی تھی کہ اسے سربراہی سونپی گئی ہے، اب اسے گھر کی اشیاء خریدنے میں، کچن میں اور ملنے جلنے والوں کے معاملے میں کسی سے مشورہ نہیں کرنا پڑے گا، بلکہ جو وہ کہے گی، وہ سب مانیں گے، اسے انا کی تسکین ہی پرسکون کر گئی۔

☆☆☆

"کیا پیسے ختم ہو گئے، ارے یار ابھی تو مہینہ بھی آدھا باقی ہے۔"

"تو میں کیا کروں میں نے تو بہت کوشش کی، مگر مہنگائی ہی اتنی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں ہی سارے پیسے ختم ہو گئے۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

''محترمہ آپ میجر کی بیوی ہیں کوئی لینڈ لارڈ یا مل اونر کی نہیں ذرا ہاتھ سنبھال کر، پورے مہینے کا خرچ میں نے آپ کو دیا تھا اور آپ نے پندرہ دنوں میں ہی سب ختم کر دیا یہی رفتار رہی تو عنقریب مجھے اپنے پنشن قبل از وقت ریٹائرمنٹ لینی پڑ جائے گی۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسے بہت شرمندگی سی محسوس ہوئی، پتا نہیں یہ سب کیسے ہوا تھا، اپنے گھر میں بھی وہ بجٹ تو بنایا کرتی تھی، مگر اس طرح تو امی نے کبھی شکایت نہیں کی تھی۔

یہ اسامہ تو زیادہ ہی غریب ہیں یا پھر۔

ہاں یہ مجھے کم روپے دیتے ہیں، جان بوجھ کر تاکہ مجھے شرمندہ کر سکیں، بھلا اتنے کم پیسوں میں بھی کبھی اتنے بڑے گھر کا خرچ چلا ہے، اپنی امی کو تو کھلا خرچ دیتے ہوں گے، کیسے وہ سارے کاموں کے بعد بچا بھی لیتی ہیں، یہ منفی سوچ اس کے ذہن میں آئی تو اسے بے چینی سی لگ گئی، جوں جوں وقت گزر رہا تھا، خیال پختہ ہو رہا تھا کہ اسے اسامہ اور اس کی امی دونوں جان بوجھ کر نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں، شرمندہ کرنا چاہتے ہیں، وہ اب دونوں کی باتوں کو اور ہی تناظر میں الگ ہی زاویہ سے دیکھتی تھی۔

☆☆☆

''اسامہ بیٹا مالی کا بچہ کافی بیمار ہے تم اسے کچھ روپے دے دیتے، علاج کروا لے گا کل مجھ سے مدد مانگ رہا تھا۔'' ناشتے کی میز پر امی نے اسامہ سے کہا۔

''ضرور امی، آپ نگہم سے پیسے لے کر دے دیں۔'' ان کی بات پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''مجھ سے، میرے پاس کہاں ہیں پیسے۔''

''کیا مطلب، یہ سارے کام سارے خرچ اسی رقم سے پورے کیے جاتے ہیں جو میں ماہانہ تمہیں دیتا ہوں۔''

''ہوں، ماہانہ رقم، کتنی ہوتی ہے وہ رقم۔'' اس نے طنزیہ ہنس کر کہا۔

''اس میں تو بمشکل ایک ماہ کا گھر کا خرچ پورا ہوتا ہے۔''

''نگہم پلیز اخراجات کنٹرول کرو، میں ڈاکے نہیں ڈالتا ہوں، جتنا میں امی کو پہلے دیتا تھا، اس سے بہت زیادہ اماؤنٹ تمہیں دیتا ہوں، پھر بھی یہی رونا دھونا۔'' انہیں غصہ آ گیا۔

''مجھے کیا علم کتنا دیتے تھے کم یا زیادہ۔'' اس نے طنز سے سوچا، امی نے فوراً معاملہ سنبھالا ورنہ آج انہیں نگہم کے انداز گفتگو سے بہت طیش آیا تھا۔

''حیرت ہے آپ کیسے اتنے کم پیسوں میں سارا گھر چلایا کرتی تھیں، مجھ سے تو کچن کا ہی بجٹ نہیں پورا ہوتا۔'' اسامہ کے جانے کے بعد اس نے ساس کو سنایا۔

''بیٹی عورت چاہے تو سوئی کی نوک سے بھی گھر چلا سکتی ہے اور اگر لٹانے پر آئے تو قارون کا خزانہ بھی زیادہ نہیں۔''

''میں کہاں لٹاتی ہوں عیش کرتی ہوں روزانہ ہوٹلنگ کرتی ہوں یا اپنے میکے بھیج دیتی ہوں آپ لوگوں کے پیسے آپ ہی کے کام میں لگتے ہیں۔'' اس نے غصے سے کہا۔

''جانتی ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ غصہ عقل کو اور ہوش کو کھا جاتا ہے، جب بدگمانیاں اور غلط فہمیاں دلوں میں پنپنے لگیں تو تیسرا فریق شیطان اپنا کردار ادا کرنے لگتا ہے۔'' انہوں نے تحمل سے سمجھایا۔

''ہوں میں سب جانتی ہوں آپ اور اسامہ مجھے مل کر شکست دینا چاہتے ہیں، مگر میں۔'' وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہ بھی تمہیں شدید غلط فہمی ہے، تم نے ہم دونوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی خواہ مخواہ ہماری طرف سے بدگمان ہو گئیں، تم اس گھر کی مالکن ہو، یہاں تمہارا حق ہے، پھر ہار جیت کا کھیل کیوں، کس کے لئے۔'' انہوں نے اس کی بات پر اپنا غصہ اور حیرت دبا کر سمجھایا۔

''حق مالکن یہ سب اختیار آپ مجھے کیسے دے سکتی ہیں، آپ اپنی حکمرانی میں کسی کو برداشت نہیں کر سکتیں اور مجھے اپنی حکومت چلانی ہے۔'' وہ انہیں کھلا چیلنج دے کر چلی گئی تھی اور وہ صدمے اور حیرت سے سن سی بیٹھی تھیں، انہوں نے کبھی بھی اس طرح کی گھٹیا بات نہیں سوچی تھی، کھلے ذہن و دل کی مالک تھیں اور پھر اکلوتے بیٹے کی بہو کے تو بے انتہا ارمان تھے دل میں۔

مگر وہ انہی کو اتنا خراب سمجھتی تھی، انہیں روایتی لڑائی جھگڑوں اور ساس بہو کی ان بن سے شدید نفرت تھی، انہوں نے اسامہ کو بتائے بغیر مالی کو اپنے پاس سے روپے دے دیئے تھے اور نگہم سے بھی دوبارہ اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

☆☆☆

''بہت اچھا کیا تم نے نوید، سچ میں تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔'' وہ اسے اچانک سامنے پا کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''میں جہلم جا رہا تھا سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں پھر نہ جانے کب چھٹی ملے۔''

''بہت اچھا کیا، امی کیسی ہیں، طبیعت تو خراب نہیں رہتی مجھے تو انہوں نے سر سے اتار کر سکھ کا سانس لیا ہے، کبھی بھی یہاں آنے کا نہیں سوچتیں۔''

''ارے یار وہ بہت خوش اور مطمئن ہیں اور جہاں تک وہاں سے آنے کا تعلق ہے تو تم امی کو جانتی ہو، وہ روایتی ماں ہیں، لہٰذا خود ہی چکر لگا لیا کرو کون سا دور ہے۔''

''ہاں دور تو نہیں مگر۔'' اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''مگر۔'' نوید چونکا۔

''نوید اسامہ کہتے ہیں کہ بہت خرچہ ہوتا ہے ہم جلدی جلدی نہیں جا سکتے۔'' اس کے لہجے میں کوئی ایسی خاص محرومی اور غصے کی تپش سی تھی کہ وہ چونکا۔

''کیا مطلب؟'' وہ یک دم سنبھلا۔

''تم خوش تو ہو نا۔'' آج اسے وہ خاصی پریشان اور افسردہ لگ رہی تھی، اس کا اپنا دل دھڑکا۔

''ہاں ہاں تم فکر نہیں کرو، میں خوش ہوں، بس ذرا خرچ کی تنگی رہتی ہے۔''

''کیا؟ کیوں بھائی جان تمہیں کچھ نہیں دیتے۔'' اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''دیتے ہیں مگر بہت کم، خیر تم بھی کیا باتیں لے بیٹھے چھوڑو اپنی فکر کرو اب اور زیادہ میں تمہیں یوں آزاد نہیں رہنے دوں گی شادی کی سوچو تاکہ امی بھی کچھ خوشیاں دیکھیں۔''

''بات آپ کی تھی میرا ذکر کہاں۔''

''تمہارا ہی ذکر ہے، پھر کب تک ٹال مٹول کرو گے، اب تمہیں اور چھوٹ نہیں دی جا سکتی، میں امی کو کہتی ہوں ثانیہ کے والدین سے بات کریں۔'' اس نے اپنی پھوپھی زاد کزن کا نام لیا، جو نوید کو اور ان سب کو بھی پسند تھی، پھپھو کو بھی اس پسندیدگی کا علم تھا، ثانیہ پڑھ رہی تھی، لہٰذا وہ اس کی تعلیم مکمل ہونے تک انتظار میں تھے۔

''نہیں نگی ابھی نہیں میں سیاچن سے ہو آؤں پھر شادی کروں گا۔''

''کیوں؟ کیا تمہاری پوسٹنگ آ گئی ہے۔''

اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"آئی تو نہیں، میں نے خود اپنا نام ان لسٹ کروایا ہے، امید ہے جلد ہی میں سیاچن میں ہوں گا۔"

"تم نوید تم تو آرمی سے بھاگنے کے پروگرام بنایا کرتے تھے اور اب خود سیاچن، تم جانتے ہو وہ جگہ۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"آئی تو جب تک فوج سے باہر تھا، اس سے محبت نہیں تھی، مگر اب میری نس نس میں لہو کی طرح سما گئی ہے، میری زندگی میری حیات کا سب سے بڑا مقصد شہادت ہے اور ملک کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ میرے اندر لاوے کی طرح پکتا رہتا ہے، اب سوچتا ہوں کہ میرا میوزک کا شوق اور بگ اسٹار بننا اور شہرت حاصل کرنا سب بے وقوفی تھی، نوعمری کا خواب اصل مقصد حیات تو شہادت ہے ملک کے لئے جان لٹا کر جو عزت اور شہرت ملتی ہے، وہ تو انمول ہے، اس کا نعم البدل تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔" وہ بول رہا تھا اور نگہم حیرت سے اسے سن رہی تھی، یہ وہ نوید تھا جو اپنے بینڈ کی ترقی کے لئے ہر وقت منصوبے بناتا تھا، جسے فوج سے سخت خوف آتا تھا اور اس نے کتنی مشکلوں سے زبردستی اسے آرمی جوائن کرنے پر مجبور کیا تھا۔

"ویل ڈن نوید، میرے یار اللہ تمہیں ضرور سرفراز کرے گا، تمہاری خواہش پوری ہو گی۔" اسامہ نے اندر آتے ہوئے اس کی بات سنی تو اسے گلے لگا کر داد دی۔

"شکریہ سر۔" اس نے بھی مسکرا کر کہا ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔

"لو یہ رکھ لو۔" نوید نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ اسے جاتے ہوئے خاموشی سے تھمائے۔

"مگر نوید تم۔" اس نے منع کرنا چاہا۔

"اوہو بس خاموش رہو اپنی چیزیں لے لینا۔" اس نے اس کا ہاتھ پیچھے کیا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"ارے یہ کیا بھئی، یہ اتنی ڈھیر ساری چیزیں کہاں سے آئیں۔" اگلے روز وہ دفتر سے واپس آئے تو بیڈ پر رکھی گئی طرح طرح کے پیکٹ دیکھ کر حیرانی سے بولے۔

"میں لائی ہوں۔" اس نے شان بے نیازی سے انہیں سمیٹا۔

"تم مگر اتنی ڈھیری شاپنگ کیسی۔" ان کی حیرت بے جا نہ تھی، ابھی دو دن پہلے تو وہ پیسوں کی کمی کا رونا رو رہی تھی اور اب اتنی زیادہ چیزیں۔

"نوید مجھے روپے دے گیا تھا، انہی پیسوں سے لائی ہوں۔"

"نوید مگر کیوں، تم نے کیوں لیے۔" انہوں نے تیوری چڑھائی۔

"کیا مطلب، وہ میرا بھائی ہے کیوں نہ لیتی۔" اس نے استحقاق سے کہا۔

"نگہم تم نے...... یہ درست نہیں کیا، بے شک وہ تمہارا بھائی ہے مگر اسے اتنے ڈھیر سارے پیسے دینے کی کیا ضرورت تھی اور اسے کیسے پتا چلا کہ تم نے یہ تمام چیزیں خریدنی ہے جو تم بہت دنوں سے لینے کا سوچ رہی تھیں۔" انہوں نے لفافوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اسامہ پلیز یوں پریشان نہ ہوں، نوید نے مجھے پیسے دیئے اور میں نے اپنی مرضی کی اشیا خرید لیں دیٹس آل۔" اس نے قطعی انہیں اس معاملے سے بے دخل کر دیا تھا۔

"ہوں تو اب تم نے یہ طریقہ نکالا ہے مجھے سخت گیر اور ظالم شوہر مشہور کرنا چاہتی ہو۔" انہوں نے بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"میں ایسا نہیں کہتی اور نہ چاہتی ہوں آپ کی اپنی رائے ہے، اپنی سوچ۔" وہ مزے سے کہہ کر باہر نکل گئی اور اسامہ غصے سے بل کھا کر رہ گئے۔

"پتا نہیں کیا کر رہی ہے، کتنی مختلف اور غلط سوچ ہو گئی ہے اس کی، کیسے سمجھاؤں اسے۔" وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے کھڑے تھے۔

☆☆☆

"تم خود کو برتر ثابت کر کے کون سا کارنامہ انجام دو گی جبکہ یہ کوشش تمہیں اپنے شوہر سے دور لے جا رہی ہے تم نے سوچا اس کے ذہن میں تمہاری ان دل دکھانے والی باتوں اور حرکتوں سے تمہارا کیا امیج بن گیا ہے۔" نوشین بھابھی آئی ہوئی تھیں اور مسلسل اس کے کان کھینچ رہی تھیں، ان کی اسامہ سے فون پر بات ہوئی تھی اور اسامہ نے انہیں نگہم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا، وہ فوراً ہی ان کے ہاں آنے کو تیار ہو گئی تھیں اور یہاں آ کر جو کچھ نگہم سے سنا تھا انتہائی حیران کن تھا وہ اس کی ضدی طبیعت اور عادت سے واقف تھیں، مگر ان کا خیال تھا کہ یہ سب گھر میں اکلوتی اور بڑی ہونے کی وجہ سے ہے، شادی کے بعد ٹھیک ہو جائیگی مگر یہاں تو معاملہ خاصا بگڑ چکا تھا دونوں انا کے حصار میں مقید تھے اور دونوں ہی جھکنا نہیں چاہتے تھے۔

"بھابھی آپ نہیں جانتیں، اسامہ اور ان کی امی......"

"ان کی امی کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں، وہ بہت اچھی طبیعت رکھنے والی اور کھلے ذہن کی پڑھی لکھی عورت ہیں۔" بھابھی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"آپ مجھے ہی کیوں سارا الزام دے رہی ہیں، مجھے جانتی نہیں ہیں آپ میں وہاں امی کے ہاں بھی تو سارا انتظام خود سنبھالتی تھی، پورا گھر میرے اختیار میں تھا کیا کبھی کوئی کمی، نقصان ہوا، یہاں آ کر ہی مجھ میں خامیاں پیدا ہو گئی ہیں، بھابھی یہ انتقام ہے، وہ مجھ سے پرانے بدلے چکا رہے ہیں۔"

"بدلے کیسے بدلے، کون سا انتقام۔" وہ حیرانی سے پوچھنے لگیں، نگہم نے انہیں تمام بات بتادی، نوید والے معاملے کا سن کر تو انہوں نے سر پیٹ لیا۔

"بڑی عقل مند بنتی ہو، بے وقوف لڑکی، یہ بھی کوئی بدلے انتقام والی بات ہے، اسامہ ایسا پست ذہن نہیں ہے، وہ بہت اچھا اور بہت براڈ مائنڈڈ ہے تم اپنے گھر کا یہاں سے مقابلہ نہ کرو، شادی سے پہلے اور بعد کے حالات میں بہت فرق ہوتا ہے، آنٹی نے کبھی تمہیں احساس نہیں ہونے دیا اور نہ ہی تمہاری دل شکنی کی، جو بھی کمی بیشی ہوتی تھی خود سنبھال لیتی تھیں، اسی لئے تم سمجھتی رہیں کہ تم ہر لحاظ سے مکمل ہو اور سارا گھر تم نے سنبھال رکھا تھا۔"

"میری جان والدین کے گھر ماں اور بہن بھائی ہوتے ہیں، بہت سی غلطیاں جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں یا اس طرح تنقید نہیں کرتے، جیسے کوئی دوسرا فرد کرتا ہے مگر سسرال میں وہی لڑکی کامیاب ہوتی ہے جو خود کو بدل لے دوسروں کی پسند ناپسند کا خیال کر کے خود کو ان کی خواہش کے مطابق آئیڈیل بن کر دکھاتی ہے، اس طرح کی زور زبردستی اور ضد سے گھر نہیں چلا کرتے تم مرد کو چیلنج کر رہی ہو، اپنے شوہر کو جس کا اسلام اور ہمارے معاشرے دونوں نے بہت بلند مقام رکھا ہے۔"

"ہاں بلند مقام صرف شوہر کا ہی ہے، بیوی

کا خواہ جوتی کے برابر سمجھے، اسے نوکرانی بنائے، اس کا کوئی حق نہیں، یہ گھر میرا نہیں ہے نا، مجھے تو یہاں کوئی آزادی کوئی حق حاصل نہیں۔"

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم کیا کہہ رہی ہو اور وہ......" وہ کچھ کہتے رکیں۔

"کون وہ...... وہ اسامہ، کیا کہا ہے انہوں نے آپ سے۔" وہ چونکی۔

"کچھ نہیں بس دیکھو نگی میری بہن تم نے خود کو منوانے کا بہت غلط طریقہ چنا ہے، کسی کو اس کی برائی سے نہیں خوبی سے یاد رکھا جائے اور اسے مانا جائے تو تب ہی عزت ہے، میری جان تم بہت اچھی اور باصلاحیت ہو، بس خود میں اعتدال اور توازن پیدا کرو، اپنے ذہن کو مثبت سوچوں کا راستے دکھاؤ، ورنہ شیطان تمہارے گھر کو تباہ و برباد کر دے گا کہ وہ برائی کے وقت بہترین دوست بن جاتا ہے۔" نوشین بھابھی کی باتیں اس کے دل کو اچھی لگ رہی تھیں مگر اپنی غلطی اسے ابھی بھی قبول نہ تھی، وہ ہار کے جیتنے کو جیت نہیں سمجھتی تھی۔

نوشین بھابھی کے جانے کے بعد کچھ تو ان کی باتوں کا اثر رہا کچھ وہ خود بھی قنوطی سی ہو رہی تھی، اس کی خاموشی کو دیکھ کر اسامہ نے پوچھ ہی لیا۔

"دونگہم کیا بات ہے، بہت اداس خاموش خاموش ہو، خیریت۔"

"جی دراصل مجھے امی یاد آ رہی ہیں، میں کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس چلی جاؤں۔"

"ضرور چلو کیا یاد کرو گی، سنڈے تک تیاری کر لو، تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" اسامہ کے اتنے آسانی سے مان جانے پر اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کیا واقعی؟"

"ہاں بھئی کیوں کیا یقین نہیں آ رہا۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" کہنے کو تو اس نے کہہ دیا تھا مگر دل میں سنکھے سے لگ گئے تھے کہ اسامہ نے اتنی جلدی ہاں کیسے کر دی، ابھی تو مہینے کے آخری دن تھے خرچ کا بھی مسئلہ تھا اور پہلے تو کبھی اتنی محبت اور فرمانبرداری نہیں دکھائی تھی۔

"کہیں ان دونوں کا کوئی منصوبہ تو نہیں، مجھے یہاں سے نکالنا چاہتے ہوں اور...... اور۔" اس کا دماغ کہیں اور ہی پہنچ گیا تھا، دل و دماغ میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔

پہلے تو دل چاہا کہ جانے کا ارادہ ہی ملتوی کر دے، پھر اس میں بھی اس کی بے عزتی تھی، بات کر لی تھی اب خود ہی انکار کر کے ہلکی پڑتی، سو مارے باندھے تیاری تو کر رہی تھی مگر ساتھ ساتھ دونوں ماں بیٹے کو سخت تشویش نظروں سے بھی پرکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے بھئی کیا تلاش کر رہی ہو میرے چہرے پر۔" اس دن اس کے گھورنے پر اسامہ نے مسکرا کر پوچھ ہی لیا۔

"سچائی۔" اس نے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیا، کیسی سچائی۔" وہ حیران ہوئے۔

"نہیں وہ...... وہ میں اپنی جدائی کے تاثرات آپ کے چہرے پر تلاش کر رہی تھی۔" اس نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"تو پھر کچھ نظر آیا۔" انہوں نے چہرہ آگے کیا، اس کی آنکھوں میں شرارت ہلکورے لے رہی تھی، گھبرا کر چہرہ ہٹانا چاہا تو وہ مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں آ گیا۔

"یار جدائی تو واقعی بڑی تڑپائے گی مگر کیا کروں، اگر اجازت نہ دیتا تو تم مجھے پتا نہیں کیا

کیا سمجھتیں، بہرحال زیادہ دن نہیں لگانے، میں فون کرتا رہوں گا، جب بھی واپسی کا پروگرام بنے مجھے بتا دینا۔" ان کے لہجے میں بے انتہا محبت تھی، کچھ دیر کو سارے خدشے، اندیشے اور برے خیالات ہوا ہو گئے تھے۔

امی کے ہاں دو تین دن تک تو وہ سب کچھ بھولے ہوئے امی کے ساتھ ساتھ ہی لگی رہی ڈھیروں باتیں نوید کی خاندان کی امی کا روزانہ کیا شیڈول ہوتا ہے اور وہ کہاں کہاں جاتی ہیں، غرض ایک ہفتہ تو وہ نہ کہیں گئی نہ آئی امی کے ساتھ ہی لگی رہی۔

وہ ہر اتوار کو درس کی محفل میں شرکت کے لئے مسز رحمانی کے ہاں جایا کرتی تھیں، مسز رحمانی نے قرآن اور احادیث کا نہایت وسیع مطالعہ کر رکھا تھا اور خواتین کو ان کے مسائل کے حل اور دینی تعلیم دونوں ہی دیا کرتی تھیں۔

امی درس پر گئی ہوئی تھیں وہ گھر پر اکیلی تھی اور اس کے دماغ میں اسامہ کے فون نہ کرنے سے بہت سے الٹے سیدھے خیالات آ رہے تھے وہی بدگمانی وسوسے اس نے سر جھٹکا۔

"پتا نہیں کیوں میرا دماغ مثبت نہیں ہو پاتا، اسامہ نے فون بھی تو نہیں کیا، ایک ہفتہ میں ایک فون تو کر ہی سکتے تھے، ایسی بھی کیا مصروفیت۔" تردید کرنے کے ساتھ ساتھ دل تائید بھی کر رہا تھا، کہ واقعی اسامہ نے فون کیوں نہیں کیا، وہ تو فون کی تاکید بھی کر کے آئی تھی۔

"یقیناً مجھے بھیج کر اب مجھ سے بدلہ لیں گے، مجھے تنگ کریں گے، شکر کیا ہوگا۔" سوچ سوچ کر اسے رونا آ رہا تھا، شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ تمام تر اندیشوں اور غلط فہمیوں کے باوجود ان سے شدید محبت کرتی ہے اور ان کے بغیر تنہا رہنا واقعی محال تھا، وہ نہ چاہنے کے باوجود شدت سے یاد آتے تھے اور ان کی بے وفائی تو دل جلا کر رکھ دیتی تھی۔

ہمیشہ سے شدت پسند طبیعت کی مالک ہونے کی وجہ سے وہ درمیانی راہ اختیار ہی نہیں کر سکتی تھی، جذباتیت اس کے اندر انتہا کی تھی اسامہ سے محبت بھی انتہا کی تھی اور اس کے بے رخی بھی شدت سے محسوس ہوئی تھی، عجیب دن رات تھے، بے چین بے کل سی رہتی تھی۔

☆☆☆

اتفاق سے جس دن اسامہ کا فون آیا، وہ شام کو اپنی دوست کی طرف گئی ہوئی تھی، اسے بے حد افسوس ہوا، اسامہ ایک ماہ کے لئے کورس پر کراچی جا رہے تھے اور اب وہ مزید یہاں رہنا چاہے تو رہ سکی ہے، امی کے ذریعے اس کا پیغام سن کر وہ ایک دم اداس ہو گئی۔

"جانا چاہتی ہو؟" امی نے اس کی اداسی بھانپ کر کہا تو وہ جھینپ گئی، فوراً وضاحت کی۔

"جی نہیں میں آپ کو چھوڑ کر کیوں جاؤں گی، میرا کتنے عرصے بعد آپ کے ساتھ رہنے کا خواب پورا ہوا ہے۔" اس نے پیار سے ان کی گود میں سر رکھا تو وہ ہنس دیں۔

مگر اس کی اداسی اضطراب ان سے چھپا نہ تھا، ماں تھیں بیٹی کی طبیعت سے اچھی طرح واقف بھی تھیں۔

"تم کل میرے ساتھ مسز رحمانی کے ہاں چلنا بہت اچھی اچھی باتیں بتاتی ہیں وہ ویسے بھی خدا کی عبادت سے دل کو سکون اور راحت ملتی ہے، انسان بہت سے برے خیالات سے بچ جاتا ہے۔"

"جی امی ضرور۔" اس نے بخوشی ہامی بھری۔

مسز رحمانی کے ہاں اچھی خاصی خواتین جمع

تھیں، تقریباً تمام شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والی خواتین درس سننے آئی ہوئی تھیں۔

مسز رحمانی نے نماز کی اہمیت، فرضیت اور فوائد پر مفصل روشنی ڈالی، اسے شدت سے احساس ہوا کہ وہ مذہب سے کتنی لاعلم ہے اور نماز کی پابندی نہ کرنے سے اس پر کتنے منفی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔

وہ اپنی بے چینی اور اضطراب کے متعلق بھی پوچھنا چاہ رہی تھی مگر سب کے سامنے بات کرنے سے ہچکچا رہی تھی اس لئے جب سب خواتین چلی گئیں تو وہ ان کے پاس آ گئی، انہوں نے بے حد تحمل سے اس کی بات سنی۔

''دیکھو بیٹا، تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم نے شادی کے بعد خود کو انا کے حصار میں قید کیے رکھا، حالانکہ شادی دو انسانوں کے درمیان ایسا بندھن ہوتا ہے، جس میں سب سے اہم ایک دوسرے کی مرضی کا احترام اور دوسرے فریق کی عادات کو سمجھ کر اس کے مطابق خود کو ڈھالنا ہوتا ہے اور عورت کو اس لحاظ سے مرد پر فوقیت دی گئی ہے، کہ عورت میں ایثار و قربانی کا جذبہ مرد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، اسلام میں عورت اور مرد کے حقوق و فرائض بہت واضح بیان کر دیئے گئے ہیں، آج ہمارے معاشرے کے بگاڑ اور خرابی کی بڑی وجہ مذہب سے دوری ہے، ہمیں علم ہی نہیں کہ ہمارے کیا حقوق ہیں اور عورت کیسے کامیاب ہو سکتی ہے، نتیجہ ہم بھگت رہے ہیں۔''

''مگر صرف عورت ہی کیوں، مرد کیوں نہیں جھکتا۔'' وہ جو بغور ان کی باتیں سن رہی تھی فوراً سوال داغا۔

''شوہر کو بھی اس کے حقوق و فرائض سے آگاہ کر دیا گیا ہے، مگر شوہر کو مجازی خدا کا درجہ بھی حاصل ہے، ایک اچھی بیوی اپنی عقل مندی سمجھ بوجھ سے کسی اڑیل مرد کو بھی عقل و شعور سکھا سکتی ہے، دیکھو نا اچھے حالات کے ساتھ برے حالات میں بھی عورت کو صبر اور برداشت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، یہی تو وصف ہیں جو اسے اچھی بیوی اچھی ماں کے عہدے پر فائز کرتے ہیں۔''

''مگر میرا مسئلہ......'' اس نے کہنا چاہا تو انہوں نے ہنس کر اسے ٹوکا۔

''میں سمجھتی ہوں جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم نے خود ہی اس بات کا اعتراف کر لیا کہ میں معتدل مزاج نہیں، بہت جلد غلط و بے معنی باتیں سوچ لیتی ہو، صبر اور برداشت نہیں ہے ٹھیک ہے۔''

''جی۔'' اس نے سر جھکایا۔

''تو بیٹا تمہارے مسئلے کا حل یہ ہے کہ تم باقاعدگی سے نماز پڑھا کرو، زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو، اس طرح تمہارا ذہن غلط سوچوں کی طرف نہیں جائے گا، نہ زبان غلط بول سکے گی، دل کو بھی سکون نصیب ہوگا اور ثواب الگ، بہت فائدہ ہے درود شریف پڑھنے کا، ہر مصیبت پریشانی میں نہایت کثرت سے ورد کرو، دیکھنا تم تمہاری ساری خامیاں خود بخود ختم ہوتی چلی جائیں گی، تمہارے پراگندہ ذہن کو بہترین ٹھکانہ سمجھ کر شیطان آزادی سے بہکا سکتا ہے، اپنے دفاع کو بامقصد کاموں کی طرف لگاؤ، فارغ وقت میں اچھی اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرو۔''

''شکریہ آنٹی بہت بہت شکریہ، آپ کی باتیں بہت اچھی ہیں، میرا ذہن روشن ہو گیا، میں کوشش کروں گی کہ آپ کی باتوں پر عمل کروں۔'' اس نے نہایت جذب سے کہا۔

''عمل کرو گے بھئی، کوشش کس بات کی، انشاءاللہ ضرور کرو گی اور مجھے ضرور بتانا کہ تم نے کیا محسوس کیا۔'' انہوں نے کہا تو اس نے سر ہلا کر تائید کی۔

☆☆☆

پھر اس سے گزرے وقت میں جو بھی دانستہ، نادانستہ غلطیاں سرزد ہوئی تھیں، ان کی خدا سے معافی مانگی اور باقاعدگی سے نماز شروع کی، ہر نماز کے بعد وہ شدت سے دعا مانگتی کہ اللہ تعالیٰ اسامہ کو ہمیشہ اس کے ساتھ رکھے اور وہ خوش و خرم زندگی گزارے، اسامہ کا اسی ہفتے فون آ گیا۔

بہت دیر تک محبت سے باتیں کرتے رہے ابھی ان کا کورس مزید دو ہفتوں کا باقی تھا۔

''اسامہ آپ مجھے لینے آئیں گے نا۔''

''کیوں نہیں بھئی میں واپسی پر تمہیں لے کر ہی گھر جاؤں گا امی بھی بہت یاد کر رہی تھیں، وہ اکیلی ہیں اسی لئے تم سے ملنے نہیں آ سکیں اور تمہاری مرضی کے خلاف وہ تمہیں واپس نہیں بلانا چاہتی ہیں۔'' آخری جملہ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں اسامہ میں تو خود ہی چلی جاتی مگر ابھی نوید آنے والا ہے، وہ مجھ سے ہی ملنے آ رہا ہے، بس اس کے ساتھ ہی شاید میں آ جاؤں گی۔''

''گڈ یار میری جدائی نے لگتا ہے تم پر اچھا اثر ڈالا ہے، تم تو بہت بدلی بدلی سی محسوس ہوتی ہو۔'' انہوں نے ہنس کر کہا۔

''جی ہاں آپ کی جدائی نے تو اور بھی بہت کچھ بدل دیا ہے۔'' اس نے معنی خیزی سے کہا۔

''ہیں کیا مطلب اور کیا ذرا وضاحت کرو۔'' اسامہ کی بے تابی پر وہ ہنس پڑی۔

''جناب ملیں گے تو بتاؤں گی یوں نہیں۔''

اس نے ٹال دیا یہ خبر وہ انہیں سنانا چاہتی تھی سامنے بیٹھ کر اور یہ تصور ہی اسے شرما گیا۔

''اسامہ کتنے خوش ہوں گے اور امی بھی، میں اب اسامہ کو تنگ نہیں کروں گی، خود پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کروں گی، میرے ناروا رویے اور ناجائز خواہشوں پر وہ کتنے دکھی ہوتے تھے۔'' اس کو گہری سوچ میں دیکھ کر امی خاموشی سے پلٹ گئیں، وہ اسامہ ہی کے متعلق پوچھنے آئی تھیں۔

جب سے نگہم نے مسز رحمانی کے ہاں جانا شروع کیا تھا، اس میں ایک واضح فرق آیا تھا، اس کی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کافی حد تک کم ہو گئی تھی، وہ باقاعدگی سے نماز پڑھتی تھی اور اپنی بات منوانے والی عادت پر بھی خاصا قابو پایا تھا، کئی باتوں میں انہوں نے اسے چیک کیا تھا کہ وہ تو اپنی بات ہر صورت منواتی تھی، مگر اب دوسرے کی بات کو بھی اہمیت دینے لگی تھی۔

☆☆☆

جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر مسز رحمانی سے ملی۔

''مجھے عبادت سے بہت سکون ملتا ہے، میرے اندر بے چینی اور بے کلی ختم ہونے لگی ہے، مگر دوسروں سے خود کو منوانے کی عادت ختم نہیں ہو رہی ہے، ابھی بھی میں خود کو برتر ثابت کرنے میں بہت کچھ غلط کر جاتی ہوں۔''

''دیکھو ہمارا مذہب ہمیں عاجزی، انکساری اور نرمی کا درس دیتا ہے، خود کو کبھی بھی غرور کے پھندے میں نہ پھنسانا، اللہ تعالیٰ غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، ہر شخص کو اس کی حیثیت اور مقام کے مطابق عزت دی گئی ہے اور اس عزت کا احترام کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔'' ان کی باتیں سیدھی دل میں اترتی تھیں۔

''اگر کبھی بھی آئندہ بھی آپ سے راہنمائی چاہوں تو فون کرلیا کروں گی۔''

''ضرور ضرور بیٹی جب تم چاہو گی تمہاری ہر مشکل و مسئلے میں مدد کرنے کی کوشش کروں گی۔'' انہوں نے پیار اور اپنائیت سے کہا۔

''شکریہ آنٹی آپ نے مجھے وہ راہ دکھائی ہے جس کی روشنی میں میں اپنی منزل اور اپنے گھر کا راستہ پہچان سکی ہوں، ہم جیسے لوگوں کو آپ جیسے راہنما مل جائیں تو کبھی بھی معاشرہ میں مرد عورت کے درمیان اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے اور طلاقیں نہ ہوں، خانگی معاملات جو مذہب نے بتائے ہیں، ان کے متعلق نئی نسل مکمل طور پر آشنا نہیں ہے اور ان سے آشنا ہونا بے حد ضروری ہے۔'' اس نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''وری گڈ، بیٹا شمع سے شمع جلتی جائے تو اندھیرے کبھی بھی اپنا ڈیرا نہیں جما سکتے، جو کچھ تم نے مجھ سے سنا سیکھا، وہ اپنی دوسری بہنوں کو بھی ضرور بتانا، کسی کو بھی سیدھا راستہ دکھانے میں کبھی بخل سے کام نہ لو، دینا اور آخرت کی بھلائی اس میں ہے۔''

''جی آنٹی بالکل درست، میں انشاءاللہ ضرور اس مشن کو آگے بڑھاؤں گی، بس آپ میرے لئے دعا کیجئے گا۔''

''ضرور میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔''

''اوکے آنٹی اجازت خدا حافظ۔'' وہ بہت دیر تک ان کی باتوں کے سحر میں کھوئی رہی، بہت دھیما پر اثر اور میٹھا لہجہ تھا، سیدھی دل میں اتر جانے والی باتیں، حالانکہ وہ خلاف فطرت بھی ہوتی تھیں مگر بری نہیں لگتی تھیں، نوید کے ساتھ ہی اس نے واپسی کا پروگرام بنالیا تھا، وہ اسامہ کے آنے سے پہلے گھر میں موجود ہونا چاہتی تھی تا کہ انہیں ویلکم کہہ سکے۔

☆☆☆

اس کی واپسی پر امی نے اسے بے حد گرمجوشی سے ویلکم کیا تھا۔

''اس ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں تو مجھے تنہائی کا احساس بہت شدت سے ہوا، پہلے تو تنہا ہی رہتی تھی تو پھر تم آئیں ایسی عادت بگڑی، گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا، بہت یاد آتی تھیں۔''

''اسی لئے آپ نے مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔'' اس نے گلہ کیا۔

''بیٹا گھر تو فون ہے نہیں، اسامہ دفتر سے کر لیتا تھا، پھر وہ بھی کراچی چلا گیا، میں اکیلی کہاں جاتی ہوں اس کو تاکید کرتی تھی کہ تمہاری خیریت معلوم کرکے مجھے بتائے۔'' انہوں نے اپنے سابقہ تحمل سے تفصیل سنائی۔

''فون کی بہت پرابلم ہے، اسامہ سے کہا بھی تھا کہ فون لگوالیں، امی کی طبیعت خراب رہتی ہے۔''

''ہاں بس کچھ عرصے بعد انشاءاللہ ترقی ہو جائے تو فون بھی مل جائے گا۔'' انہوں نے فخریہ لہجے میں کہا، بیٹے کا مان ان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا، وہ ہنس دی۔

''یار امی کے ہاں جا کر تم اتنی بدل جاؤ گی، مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں اتنی دیر نہ کرتا۔'' اسامہ نے ہنس کر کہا۔

''کیا کیا مطلب ہے میں پہلے کیا بہت تنگ کرتی تھی۔''

اس کی خفگی پر وہ مسکرا دیئے، واقعی اس کے اندر جو یہ تبدیلی آئی تھی، خوشگوار حیرت کا باعث تھی، جن حالات میں وہ نگہم کو اس کی امی کے ہاں چھوڑ کر گئے تھے وہ خاصے کبیدہ خاطر تھے اور کراچی میں بھی وہ اس کے رویے اور عادات کی وجہ سے پریشان ہو جاتے تھے، وہ دونوں ماں بیٹا بے حد پرسکون اور امن پسند فطرت رکھتے تھے، ابو کی وفات کے بعد وہ اکلوتے تھے، امی ان ہی کے ساتھ رہتی تھیں کبھی انہوں نے امی کی بات پر اختلاف رائے یا جھگڑا نہیں کیا، وہ بھی بیٹے کی عادت، پسند ناپسند سمجھ کر بات کرتی تھیں اسی لئے ان کی پرسکون زندگی میں نگہم کی ضدی اور شکی فطرت تلاطم برپا کرگئی، وہ ان کی پسند تھی اور امی کے سامنے انہیں بے حد شرمندگی محسوس ہوئی تھی کہ اس کا انتخاب کیا تھا۔

اور اب اس کی واپسی وہ خاصی بدل گئی تھی، اسامہ کی اور امی کی باتوں پر اب وہ پہلے کی طرح جزاغ پا نہیں ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد اور من مانی کرنا بھی چھوڑ دیا تھا، خاصا تحمل اور ٹھہراؤ آیا تھا اس کی طبیعت میں اور سب سے بڑھ کر وہ نماز کی پابند ہو گئی تھی، امی نے اسے جب پہلے پہل اس سلسلے میں ٹوکا تھا تو اس نے برا منایا تھا، بلکہ الٹا اثر ہوا تھا کہ بالکل ہی نماز چھوڑ دی تھی، اسامہ نے بھی اسے نہیں ٹوکا، کہ بعض اوقات ضد اور زبردستی سے مطلوبہ مقصد حاصل ہونے کی بجائے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔

امی بھی بے حد مطمئن تھیں وہ ویسے بھی جس حالت میں تھی، اسے زیادہ سے زیادہ پرسکون رہنے کی ڈاکٹر نے تاکید کی تھی۔

☆☆☆

''نگہم!'' وہ اسے پکار کر یکدم خاموش ہوئے تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا وہ پریشان لگ رہے تھے۔

''جی کیا بات ہے؟''

''وہ...... آج دفتر میں سہیل کا فون آیا تھا، آنٹی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، انہیں ہاسپٹل میں لے گئے تھے، اب ٹھیک ہیں۔''

''امی کی طبیعت کیا ہوا انہیں؟'' وہ پریشانی سے یکدم اٹھ کر اس کی طرف بڑھی۔

''آرام سے...... آرام سے بھئی بتایا ہے نا اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔'' اسامہ نے جلدی سے اسے تھام لیا۔

''نہیں اسامہ آپ...... میں امی کے پاس جاؤں گی، مجھے امی کے پاس جانا ہے۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔

''ریلیکس، سنبھالو خود کو کچھ نہیں ہوا انہیں وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''نہیں آپ مجھے بہلا رہے ہیں، میں خود امی کو دیکھنے جاؤں گی۔'' وہ ضدی انداز میں بولی اسامہ نے پریشانی سے سر جھٹکا۔

''تم سمجھتی ہو اچھی طرح ڈاکٹر نے سفر کرنے سے منع کیا ہے اور پھر کوئی فکر والی بات نہیں ہے وہ......'' اس نے بات کاٹی۔

''میں ضرور جاؤں گی، میں امی کو جب تک خود نہ دیکھ لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا اور سفر میں کرسکتی ہوں کرلوں گی۔'' بہت دن بعد وہ آج اسی پرانے ضدی انداز میں گرج کر بول رہی تھی۔

''پاگل ہو تم سمجھتی نہیں ہو خوامخواہ خود کو تکلیف دینے کا فائدہ، کچھ ہو گیا تو۔''

''کچھ نہیں ہوتا مجھے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟'' امی نے گھبرا کر ان سے پوچھا، نگہم کی چیخ اور بلند آوازیں سن کر وہ پریشان سی اندر دوڑی آئیں۔

''امی...... امی یہ...... آپ پلیز اسے سمجھائیں۔'' اسامہ انہیں کہہ کر باہر نکل گئے، ماں کے سامنے اس سے کیا بحث کرتے، جبکہ وہ رو رہی تھی۔

''بیٹی بات تو بتاؤ کیا ہوا ہے۔'' انہوں نے

اسے پیار سے سمیٹا، اس نے روتے ہوئے انہیں ساری بات بتائی۔

''میں امی کو جب تک خود نہ دیکھ لوں، مجھے چین نہیں آئے گا، اسامہ کیوں روکتے ہیں مجھے؟''

''تمہارے بھلے کو، تمہاری حالت ایسی نہیں کہ اتنا طویل سفر کر سکو، تم فون کر کے ان سے بات کر لو نا۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''نہیں آپ بھی اپنے بیٹے کا ساتھ دے رہی ہیں، آپ دونوں ہی کو میری بات کو رد کرنا ہوتا ہے، میں ضرور جاؤں گی کچھ نہیں ہوتا مجھے، دیکھوں گی کون روکتا ہے۔'' اس پر جیسے ضد سی سوار ہو گئی تھی۔

''غلط بات مت کرو ہمیں تم سے دشمنی نہیں ہم تمہاری بھلائی کو ہی کہہ رہے ہیں۔'' انہوں نے بمشکل غصہ کو دبایا۔

''ہونہہ...... میری بھلائی مت کریں میری اتنی بھلائی، میں جاؤں گی ابھی اور آج ہی، آپ مجھے اب مت روکیں۔'' اندر آتے ہوئے اس کی بات اسامہ نے سنی۔

''پاگل ہو گئی ہے یہ امی، جانے دیں اور بتا دیں اسے کہ ذرا بھی گڑبڑ یا پرابلم ہوئی تو نتائج کی ذمہ دار یہ خود ہو گی۔'' وہ بے حد سنگین لہجے میں اسے وارننگ دے کر چلے گئے تھے، امی بے چاری پریشان ہکا بکا کھڑی تھیں بہو سرکشی پر آمادہ تھی، بیٹا سنگین دھمکیاں دے گیا تھا۔

انہوں نے اسے آخری بار سمجھانا چاہا مگر وہ ان کی بات شروع ہونے سے پہلے چیخ پڑی۔

''پلیز امی اب کچھ نہیں سننا مجھے بہت ہو گیا جان گئی ہوں میں سب کچھ۔'' اس نے بے رخی سے منہ موڑا اور الماری کھول کر اس میں سے کپڑے نکالنے لگی، وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں کتنی ضدی اور ہٹ دھرم تھی وہ سارا تاثر ختم ہو گیا تھا، جتنی پچھلے دنوں وہ اچھی اور فرمانبرداری بن کر ذمہ دارانہ رویے کا مظاہرہ کر چکی تھی، سب جیسے خواب لگا انہیں اس حالت میں وہ اکیلی جا رہی تھی اتنا طویل سفر اور پریشانی الگ، بہت بڑا رسک لے رہی تھی وہ، مگر وہ بے بس تھیں، وہ کچھ بھی سننے کو سمجھنے کو تیار نہ تھی وہ چلی گئی تو انہیں لگا جیسے ان کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

ذرا سی غفلت اور ہٹ دھرمی بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکتی تھی، دونوں ضد پر اتر آئے تھے اور نگی نے تو اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔

''خدایا خیر کرنا، بچی کو تیری پناہ میں دیا تو سب کا رکھوالا ہے۔''

انہوں نے وضو کر کے قرآن شریف کھول لیا، وہ مشکل اور پریشانی کے وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں اور اللہ کی خاص رحمت سے ان کی تمام مصیبتیں اور پریشانیاں حل ہو جایا کرتی تھیں، اب بھی وہ ذات باری تعالیٰ سے ہی اس مشکل کے حل کے لئے طلب گار تھیں۔

☆☆☆

''بے وقوف پاگل کس نے کہا تھا تمہیں کہ تم اکیلی اتنی دور آنے کا رسک لو، اوہ میرے خدا یہ کیا کیا تم نے۔'' آئی وہ امی کا پتا کرنے تھی مگر طویل سفر پریشانی اور غصے سے اس کی اپنی طبیعت یہاں پہنچتے ہی خراب ہو گئی، امی فوری اسے صبا کلینک لے آئی تھیں، ڈاکٹر نے غصے میں انہیں بھی ڈانٹ دیا، ان حالات میں اتنی دور کا سفر سرا سر اپنے آپ پر ظلم تھا، ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور پھر سب سے بڑھ کر اسامہ نے فون پر انہیں تمام بات بتا دی تھی کہ کس طرح لڑ جھگڑ کر زبردستی آئی ہے۔

وہ اپنی بیماری بھول کر اس کی دیکھ بھال میں لگ گئیں، اس کی ضدی طبیعت کا علم تھا سو اس وقت تو اسے کچھ نہ کہا، مگر جب پورے دو دن بعد اس کی حالت بہتر ہوئی اور جب وہ خطرے سے باہر نکل آئی تو انہوں نے اسے خوب ڈانٹا۔

''امی آپ مجھے ڈانٹ رہی ہیں میں تو آپ کی محبت میں اپنی جان پر کھیل کر آئی ہوں۔'' اس نے خفگی سے کہا۔

''بہت عقل مندی کی تم نے، مجھے تمہاری جان زیادہ عزیز ہے اور یہاں آ کر تم نے جو میری جان نکال دی، اپنی فکر تو کیا ہوتی، مجھے تو تمہاری حالت نے زیادہ دہلا دیا میں بالکل ٹھیک تھی، تم نے اس حالت میں سفر کر کے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ بہت بڑا ہے، خدا نے سن لی تمہاری ساس بہت نیک خاتون ہیں، اللہ کا کرم ہو گیا ورنہ ماں اور بچے دونوں کی زندگی خطرے میں تھی۔'' انہوں نے طنزیہ کہا۔

''امی آپ کی بیماری کا سن کر میں رہ ہی نہیں سکی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا، واقعی خدا کا خاص کرم ہو گیا تھا ورنہ تو شاید وہ کچھ ہو جاتا جس کا تصور ہی روح فرسا ہوتا ہے۔

''جب تمہیں اسامہ نے منع کیا تھا، ان کی امی نے سمجھایا تھا تو ضد کر کے لڑ جھگڑ کر آنے کی کیا ضرورت تھی، خوانخواستہ کچھ ہو جاتا تمہیں، یا بچے کو تو کسے تکلیف اٹھانی پڑتی، میں برداشت کر سکتی تھی، تم دونوں کو کچھ ہو جاتا تو میں بھی زندہ نہ رہتی۔'' انہوں نے دکھ سے دیکھا۔

''امی پلیز یوں نہ کہیں، آئی ایم سوری میں نے آپ کو دکھ دیا، اتنی گہرائی میں تو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔'' اسے بھی اب معاملے کی سنگینی کا احساس ہو رہا تھا۔

''یہ معافی تلافی مجھ سے نہیں اسامہ اور اپنی ساس سے مانگنا، تم نے انہیں بہت دکھ دیا وہ بہت اچھی اور نیک ہیں، متواتر تمہارے آنے کے بعد تمہاری خیریت کی دعائیں کرتی رہی ہیں اور اب انہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ تم دونوں خیریت سے ہو، مجھے تو شرمندگی ہوتی ہے سوچ کر بھی کہ تم نے اس عظیم عورت کے ساتھ یہ سلوک کیا۔'' امی کے کہنے پر اسے بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔

''امی میں یہ برداشت نہیں کر سکتی ہوں کہ مجھے روکا جائے، میری بات رد کی جائے، انہوں نے......'' امی نے اس کی بات کاٹی۔

''انہوں نے تمہارے بھلے کو ہی سب کہا تھا، مگر تم نے اپنی ضد کا نتیجہ دیکھ لیا، میری تو روح کانپ جاتی ہے سوچ کر، مرد کو یوں چیلنج کرنے والی عورتیں بہت پچھتاتی ہیں، میری جان پھر کبھی ایسی غلطی نہ کرنا، تم نے شاید مسز رحمانی کا سبق بھلا دیا، انہوں نے تمہیں کتنی اچھی اچھی باتیں بتائی تھیں مگر تم نے وعدہ کرنے کے باوجود عقل کی بجائے جذبات سے کام لیا۔''

''سوری امی مجھے پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے، میں انکار نہیں سن سکتی ہوں، میں خود کو منوانا چاہتی ہوں۔'' وہ بہت دلگرفتہ شرمندہ لگ رہی تھی۔

''اوکے جو ہو گیا سو ہو گیا اب آئندہ کبھی ایسی حماقت نہ کرنا مجھے دوبارہ تمہاری شکایت نہ ملے مجھے یہ بات زیادہ تکلیف دیتی ہے کہ کوئی مجھ سے تمہاری شکایت کرے، میری تربیت پر حرف آتا ہے بیٹی۔'' وہ واقعی ایسی ماں تھیں جو بیٹی کی غلطی پر اسے شہ دینے کی بجائے ڈانٹ کر اسے سیدھی راہ پر لا سکتی تھیں، چاہے وہ لاڈلی تھی اور سسرال میں بھی اپنی حکمرانی کرنا چاہتی تھی مگر انہیں یہ رویہ قطعاً پسند نہ تھا، وہ جاہل ماؤں کی طرح نہ تو بیٹی کو سسرال کے خلاف الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی تھیں اور نہ ہی ان پر رعب جمانے کے حق میں تھیں۔

اس کی بیماری کی خبر سن کر سارے خاندان والے آ گئے تھے، نوشین بھابھی ہارون بھائی بچے بھی پہنچ گئے تھے۔

وہ خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی، جب نوشین بھابھی خطرناک تیور اور خفگی کا بھرپور تاثر چہرے پر لئے اندر داخل ہوئیں، امی نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔

''بھابھی پلیز سوری۔'' وہ ان کے کچھ بھی کہنے سے پہلے ہاتھ باندھ کر مسکراتے ہوئے اپنی غلطی کا واضح اعتراف کر رہی تھی۔

''چلو کیا یاد کرو گی، ورنہ غصہ تو مجھے اتنا آ رہا تھا کہ میں، تمہارا اعتراف سن کر معاف کر رہی ہوں، مگر وہ صاحب بہادر تمہارے تمہیں اتنی آسانی سے معاف نہیں کریں گے۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے ڈرایا۔

''انہیں بھی منا لوں گی۔'' اس نے گردن تان کر کہا۔

''واہ واہ اتنا مان چلو دیکھ لیں گے فی الحال تو اس کا غصہ ساتویں آسمان پر ہے۔''

''ہائے ڈرائیں تو مت۔'' اس نے خوف زدہ ہو کر کہا تو وہ زور سے ہنس دیں۔

اگلے روز ہی اسامہ کی امی بھی آ گئیں، انہوں نے اسے گلے لگا کر خوب پیار کیا حالانکہ وہ شرمندہ شرمندہ سی تھی مگر انہوں نے ایک بار بھی اس کی غلطی پر نہ اسے برا بھلا کہا نہ جتایا، بس نارمل انداز میں محبت سے اس کے سرہانے بیٹھی شکر ادا کرتی رہیں خدا کا، کہ اس نے اسے کسی بڑے حادثے سے بچا لیا۔

☆☆☆

''ارے نگہم بچی اس حالت میں تم اکیلی آ گئیں، اصل معاملہ کیا تھا، کہیں ساس شوہر نے تو کوئی ظلم نہیں کیا بھئی آج کل کی ساسیں تو بہت ہی ظالم ہوتی ہیں، توبہ توبہ، مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا کر کہتی ہیں چولہا پھٹ گیا، ارے خاوندوں کے ساتھ مل کر گلا گھونٹ دیتی ہیں اور مشہور کر دیتی ہیں خودکشی کر لی، ہائے میری توبہ اے بچی کہیں تمہیں گھر سے تو نہیں نکال دیا ان ظالموں نے۔'' امی کی چچی ساس اور ان کی بہن ابھی پہنچی تھی اور ان کی بات سن کر اس کا دل چاہا شرم سے زمین میں گڑ جائے۔

اسامہ کی امی سرہانے بیٹھی تھیں وہ اسامہ کی امی کو پہنچاتی نہیں تھیں اور اس سے ہمدردی جتانے کی آڑ میں نہ جانے کیا کیا جتانا چاہتی تھیں۔

''رضیہ صحیح کہہ رہی ہے، ورنہ یوں اس حالت میں آٹھویں مہینے کون بہو کو گھر سے نکلنے دیتا ہے اور یہ اتنی دور ماں کے پاس آ گئی ہائے ہائے، کچھ ہو جاتا تو کیا جاتا ان ظالموں کا ارے......''

''بس چچی جان بس کریں بند کریں یہ جھوٹی کہانیاں کسی نے مجھے گھر سے نہیں نکالا، نہ میری ساس ظالم ہے نہ میرا شوہر مجرم۔'' وہ مزید ان کی باتیں برداشت نہ کر سکی تو چلا اٹھی۔

''ہائے ہائے بچی تو چیخ کاہے کو رہی ہے ہم تو تیرے بھلے کو کہہ رہے تھے، آج کل تو یہ ہی ہو رہا ہے۔'' انہوں نے سخت برا مان کر اسے جواب دیا۔

''بہن پانچوں انگلیاں جیسے برابر نہیں ہوتیں اسی طرح دنیا کی تمام ساسیں اور بہوئیں بھی برابر نہیں آپ اس رشتے کو ایک خاص تناظر میں نفرت انگیز نظر سے کیوں دیکھتی ہیں، جبکہ رشتے ناطے اچھے اور برے ہم بناتے ہیں۔''

امی نے تحمل سے ان کی بات کا جواب دیا، انہوں نے ذرا بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا، حالانکہ یہ ساری باتیں ان کے لئے شدید تذلیل کا باعث تھیں، وہ دونوں خواتین نگہم کے انداز تکلم پر مارے غصے کے واک آؤٹ کر گئی تھیں۔

''بیٹا زمانہ دو دھاری تلوار ہے اسے بولنے کا موقع ملے تو وہ بہت کچھ ناجائز بول جاتا ہے، عزت تو اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے، لوگ تو ایسی باتوں کے مزے لیتے ہیں، تو وہ میں رہتے ہیں گھر کی باتیں عقل مندی سے گھر میں ہی سلجھائی جائیں تو بہتر ہے ورنہ اسی طرح لوگوں کی زبانوں کو لگام نہیں دے سکتے ہم تم نے دیکھا، تمہارے یوں آنے سے کیسی کیسی باتیں بن رہی ہیں، کسے روکیں گی تمہاری امی، کس کس کو وضاحت کریں گی اور تم کیا ایک ایک کو پکڑ کر صفائی پیش کرو گی نہیں یہ سب ممکن نہیں ممکن صرف یہ ہے کہ خود پر کنٹرول رکھا جائے اور ایسے حالات ہی پیدا نہ ہونے دیے جائیں جو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی تکلیف دیں۔'' انہوں نے تحمل سے سمجھایا۔

''سوری امی مجھے معاف کر دیں، میری وجہ سے آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑی۔''

''میری اور تمہاری عزت الگ الگ نہیں، ہم دونوں ہی کو ان باتوں سے تکلیف پہنچے گی۔''

''آپ سچ کہہ رہی ہیں میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گی کہ جس سے میرے گھر اور خاندان والوں پر لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کا موقع ملے۔''

''گڈ، یہ بات ہوئی نا۔'' انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔

''امی...... امی اسامہ مجھ سے بہت ناراض ہو گیا۔'' کچھ دیر بعد اس نے چہرہ ان کی طرف پھیرا تو وہ بے ساختہ مسکراہٹ نہ دبا سکیں۔

''ہاں بھئی ناراض تو بہت ہے۔'' انہوں نے ڈرایا۔

''اگر میں معافی مانگ لوں گی تو پھر بھی ناراض رہیں گے۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''پھر...... پھر شاید۔'' انہوں نے ہنس کر بات ادھوری چھوڑ دی، اس کو اب مزید یقین ہو گیا تھا کہ وہ شدید ناراض ہے، نوشین بھابھی کے بعد اب امی نے بھی یہی بتایا تھا۔

تو کیا کروں؟

کیسے انہیں مناؤں؟

وہ یہاں کیسے آئیں گے؟

سوچ سوچ کر یکدم اس کے ذہن میں شاندار ترکیب آئی اور اگلے ہی روز صبح کو وہ اس کے آفس کے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

''میجر اسامہ مبین اسپیکنگ۔'' ان کی بھاری گمبھیر آواز دل دھڑکا گئی، خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، حلق سوکھ سا گیا تھا۔

''ہیلو ہیلو۔''

''ہیلو میں، میں نگہم۔'' ان کی ہیلو ہیلو کے جواب میں بولنا پڑا۔

''جی فرمائیے۔'' یکدم ہی لہجہ روکھا اور ترش ہو گیا تھا، اس کا حوصلہ بکھرنے لگا اس نے خود کو مجتمع کیا۔

''اسامہ آپ کل تک یہاں آ جائیں ورنہ میں خود آپ کے پاس آ رہی ہوں اور آپ جانتے ہیں مجھے یہ محض دھمکی نہیں ہے آپ کل تک میرے پاس نہیں پہنچے تو میں خود آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔'' اس نے اپنی بات کہہ کر کھٹ سے فون رکھ دیا، اسامہ ہیلو ہیلو کرتے رہ گئے۔

''اوہ...... کیا مصیبت ہے، میں جاؤں ورنہ وہ خود...... خود کیسے آئے گی، ابھی تو جانے کا نتیجہ بھگتا ہے۔'' وہ جھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"اس کا پتا بھی نہیں، جذباتی لڑکی ہے میں نے جاؤں تو وہ حقیقتاً وہاں سے چل بھی پڑے۔" سوچتے ہوئے ان کا دماغ ابل سا گیا، اچھی طرح جانتے تھے، اس نے جس انداز میں بات کی تھی، یقیناً پورا بھی کر دکھائے گی اور اگر وہ وہاں سے زبردستی سفر کر کے لئے نکل پڑی تو اس کی حالت اور اس دفعہ تو شاید معجزہ بھی نہ ہو، تو کیا......" اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے، پہلی بار بھی بے شک غلطی سراسر نگہم کی تھی، اس کے باوجود انہوں نے بارہا سوچا تھا کہ اگر وہ اسے منع نہ کرتے یا دھمکی نہ دیتے تو شاید یہ سب نہ ہوتا، اس دفعہ تو خدا نے بچا لیا، مگر اب اگر اس کی وجہ سے کچھ ہوا تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کر سکیں گے۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ درست نہیں، تم پاگل ہو، تم نے تماشا بنا لیا ہے، اپنا بھی اور ہم سب کا بھی۔" امی انتہائی غصے میں تھیں جبکہ وہ بیگ برآمدے میں رکھے تیار کھڑی تھی۔

"بیٹی خدا کے لئے سمجھ جاؤ، یہ سب وقتی اور جذباتی غصہ ہے وہ خود ہی آئے گا اور کیوں نہیں آئے گا بس چند دن بلکہ میں آج ہی فون کروں گی، دیکھوں گی کیسے نہیں آتا، تم تو خدا کے لئے یہ بے وقوفی مت کرو، تم نے مذاق سمجھ رکھا ہے، بار بار خدا معجزے نہیں دکھاتا۔" اسامہ کی امی نے بھی اسے سمجھایا بے چاری بے حد پریشان تھیں دونوں ماؤں کے رنگ فق تھے اور وہ ضد باندھے بیٹھی تھی کل سے آج تک اسامہ کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود جانے کو تیار تھی۔

"دیکھو مجھے مجبور نہ کرو، میں تمہاری بے وقوفیوں اور بچکانہ پن سے تنگ آ گئی ہوں میں تمہیں مار بیٹھوں گی نگی۔" امی نے اسے غصے سے دھمکی دی۔

"جو مرضی کر لیں امی مجھے اب جانا ہے اسامہ ناراض ہیں وہ نہیں آئیں گے میں خود جا کر انہیں منالوں گی۔" اس کی ڈھٹ دھرمی اور اس بے ہنگم اندازہ پر وہ تلملا کر رہ گئیں، شرمندگی بھی ہو رہی تھی، ساس کیا کہیں گی ایسی مرد مار قسم کی بہو، اتنی ضدی نافرمان۔

"نگہم!" اسے قدم اٹھاتے دیکھ کر وہ چیخیں اور پھر یکدم ایک طرف کو گرنے لگیں۔

"امی!" وہ بے ساختہ ان کی طرف لپکی اسامہ کی امی حیران پریشان سی کھڑی تھیں، وہ بھی حواس باختہ سی انہیں سنبھالنے لگیں۔

"اسامہ بیٹا اسامہ تم تم آ گئے۔" امی کے بے ساختہ زور سے بولنے پر وہ بھی پیچھے کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ واقعی اسامہ تھے، تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔

"امی امی کیا ہوا؟" اس کی آواز سن کر امی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔

"امی آپ ٹھیک ہیں نا آپ فکر مت کریں میں آ گیا ہوں نا، ابھی ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔" انہوں نے مضبوط ہاتھوں میں ان کو سنبھال کر تسلی دی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم آ گئے ہو نا میرے لئے یہی بہت بڑی خوشی ہے، اسے سنبھالو، یہ جا رہی تھی تمہارے پاس میری بات بھی نہیں مان رہی تھی۔" انہوں نے مسکراتی ہوئی نگہم کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ فکر نہ کریں یہ کہیں نہیں جا رہی، میں آ گیا ہوں دیکھ لوں گا اسے بھی۔" اسامہ نے بھرپور نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

پھر وہ سب اندر آ گئے اس نے امی کو فوری پلایا تو ان کی طبیعت خاصی سنبھل گئی اسامہ کے آنے سے گویا انہیں زندگی مل گئی تھی ورنہ بیٹی تو [illegible] میں نہ جانے کیا کرنے چلی تھی اور اگر وہ [illegible] تو، اس نے خوف سے جھرجھری لی۔

"بہن اب پریشانی کیسی خوش ہو جاؤ، سب [illegible] بھول جاؤ۔" انہوں نے نگہم کی امی کا ہاتھ [illegible] کہا تو وہ ہنس دیں۔

"ہاں تو محترمہ آپ نے ان دونوں ضعیف [illegible] کو خوف زدہ اور ہراساں کر رکھا تھا۔" [illegible] ان دونوں کو اکیلے میں موقع ملا اس نے بازو سے پکڑ کر غصے سے پوچھا وہ ہنس رہی [illegible]

"یہ دونوں ظالم سماج بن کر آپ کے اور [illegible] درمیان کھڑی ہو گئی تھیں اور میں اپنے اور [illegible] کے درمیان کچھ بھی برداشت نہیں کر سکتی [illegible]"

اس نے جذباتی پن سے کہا تو اسے [illegible] پیار آیا۔

"اتنا چاہتی ہو مجھے۔" اسامہ نے اس کے [illegible] کو مٹھی میں دبوچا۔

"[illegible] بہت زیادہ۔" وہ کھلے دل سے [illegible] کر رہی تھی۔

"[illegible] یہ دھمکیاں اور [illegible] کیا بات ہے۔" اس نے بولے [illegible]

"سوری اسامہ مجھے ان چند دنوں میں بہت [illegible] احساس ہوا ہے کہ زندگی صرف اپنی [illegible] کی تکمیل کا نام نہیں، ہم سے وابستہ [illegible] افراد ہماری ذات سے اسی طرح منسلک [illegible] سورج کے گرد ستارے ہم صرف اپنی [illegible] خوشی سے وہ سکون حاصل نہیں کر سکتے، [illegible] کو خوشی مہیا کر کے ملتا ہے، میں بہت گنہگار ہوں میں نے خدا سے سچے دل سے توبہ کی ہے ایک بار پہلے بھی میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ کسی کو دکھ نہیں دوں گی، اپنی ذات اور اپنی "میں" کو ختم کر کے سب کے لئے باعث مسرت ہو جاؤں گی مگر میں اپنے نفس اور اپنی جھوٹی انا سے ہار گئی اور اس کی خدا نے مجھے سزا بھی دی مگر ایسی خامیوں اور دوسروں کو خوبیوں کی پرکھ نصیب ہوئی، میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں، وہ معاف کرنے والا ہے اور معافی دینے والا ہے اور اس نے مجھے معاف بھی کر دیا اور میری معافی قبول بھی کر لی، میں آئندہ شیطان کے بہکاوے میں نہیں آؤں گی، کبھی آپ کو میری ذات سے دکھ نہیں ملے گا اسامہ یہ میرا وعدہ ہے بس آپ مجھے معاف کر دیں، پلیز۔" آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے، اس کی آواز اور اس کا لہجہ سچائی کا غماز تھا اسامہ نے پیار سے اسے سمیٹ لیا۔

"میری جان جب خدا نے تمہیں معاف کر دیا ہے میں تو اس کا حقیر سا بندہ ہوں، اللہ کا شکر گزار ہوں، اس نے مجھے میری بیوی واپس دے دی، آؤ ہم دونوں اپنے رب کا شکر ادا کریں، نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھی ہم پر فرض ہے۔" اور دونوں ایک ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ کر مطمئن ہو کر مسکرا دیے۔

عروسہ وحید

''لڑکا موچھڑ ہے۔'' اس نے برا سا منہ بنایا اور تصویر صوفے پر پھینک دی۔

''ارے موچھڑ ہوا تو کیا ہوا، میرا مطلب ہے موچھیں ہونے سے کیا ہوتا ہے؟'' سائرہ نے لپک کر تصویر اٹھائی اور دوبارہ سے اس کے آگے جما دی۔

''لڑکے بغیر موچھوں کے بالکل اچھے نہیں لگتے پتہ ہے میری دوست کی دادی کہتی ہے، عورت ... اور مرد ... والا ہی سجتے ہیں۔''

سارہ کی بات سن کر اسے ہنسی آ گئی اور بولی۔

''اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ تمہاری دوست کی دادی نے کہا ہوگا جس کی منگنی کے ... اس کے منگیتر نے اسے پہلی بار رات ... بجے فون کیا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا، کتے ... رہے ہیں تارے بھونک رہے ہیں، میں ... ٹھیک کہا نا۔'' عشاء نے زور سے ہنستے ہو... کہا۔

ناولٹ

''تمہیں کیسے پتہ؟'' سارہ نے حیرت ... اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر جب اس ... اس کی باتوں پر غور کیا تو خود بھی ہنسنے لگی۔

''ہاں اسی کی دادی نے کہا ہے، بس بے... کبھی کبھی الٹا بولنے لگتی ہے۔''

''اچھا جی وہ الٹا بولتی ہے یا تم، یاد ہے تم... جب ابو نے تم سے پوچھا تھا تمہاری ماں نے ... پکایا ہے تو تم نے کہا تھا، کراری بھنڈی نے ... پکائی ہے۔'' عشاء کی بات سن کر سارہ نے ... بنایا۔

''تم مجھے چھیڑ رہی ہو نا کہ میں بات ... بغیر ناراض ہو کر چلی جاؤں۔''

''ارے تم کوئی جھڑ کا چھتہ ہو جو میں ... چھیڑوں گی۔'' عشاء نے پھر سے شرارت ... کہا۔

"آج کوئی بہانہ نہیں چلنے دوں گی۔" سارہ نے حتمی انداز میں کہا۔
"چلو موچھوں کو نظر انداز کر دو اس کی آنکھیں کھ بھینگی ہیں، ہیں نا؟" اس نے دوبارہ تصویر کو غور سے دیکھا۔
"بھینگی! کچھ خدا کا خوف کرو عشاء احتشام، اچھی خاصی آنکھیں ہیں اور سائڈ پوز میں تو ایسے ہی لگیں گی، یہ بہانا بھی ریجیکٹ۔"
"اچھا ٹھیک ہے مان لیا لیکن اس کے کان تصویر میں بھی اتنے بڑے لگ رہے ہیں حقیقت میں تو پنکھے ہوں گے ہاتھ والے۔"
"میں تھپڑ لگا دوں گی تمہیں عشاء۔" سارہ غصے میں بولی اور واقع اس نے اپنا ہاتھ اوپر کر کے دھمکی دی، اس کے انداز پر پھر سے عشاء کو ہنسی آ گئی۔
"اندر کرو یہ اپنے خوفناک دانت زہر لگ رہی ہو، آخر تمہیں تکلیف کیا ہے کیوں تم بے وجہ ہی اتنے اچھے رشتے میں کیڑے نکال رہی ہو، حالانکہ شکل اچھی، جاب اچھی اور سب سے بڑھ کر گھرانہ اچھا، مجھے جواب چاہیے۔" سارہ نے گود میں رکھے کشن پر مکا مارا۔
"بات یہ ہے سارہ کہ میں کسی ایسے انسان کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی جس کو میں جانتی نہیں ہوں اور پتہ نہیں محترم کی عادتیں کیسی ہوں پولیس والوں کا تو تعلق ویسے بھی چنگیز خاں کے خاندان والوں میں ہوتا ہے، بس میں نے کہہ دیا مجھے نہیں کرنی شادی وادی، تم امی سے جا کر کہہ دو۔"
"میں تمہاری نوکر نہیں ہوں اور نہ ہی تم مہارانی ہو جو تمہارے حکم کی تعمیل کروں، ویسے تم اس نکڑ والے انکل عاشق کو تو جانتی ہی ہو گی؟" سارا نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں ہاں جانتی ہوں کیا ہوا انہیں" عشاء نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔
"تو پھر ٹھیک ہے میں تائی امی سے کہتی ہوں تمہاری شادی انکل عاشق سے کروا دیں اس کا بھی بھلا ہو جائے گا اور تمہاری بھی خواہش پوری ہو جائے گی، آخر تم اسے بچپن سے جانتی ہو، محلے کی عورتیں اور گلی کی بھکارنیں بھی شکریہ ادا کریں گی کیونکہ جب تم اس کے پاس چلی جاؤ گی تو وہ صرف تم کو ہی دیکھے گا، ویسے بھی جب سے وہ رنڈوا ہوا ہے، عورتوں کو تاڑنے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتا، تمہاری تو چاندی ہو جائے گی، اور ڈھیر سارے لوگ تمہیں دعائیں دیں گے۔" سارا نے آرام سے کہا اور جانے کے لئے کھڑی ہو گئی، کہ ایک دم عشاء غصے میں بولی۔
"گھٹیا لڑکی تم خود اس ٹھرکی بڈھے کے ساتھ شادی کر لو بلکہ اس پچھلی گلی میں رہنے والے ماسٹر کے ساتھ بھی کر لو جو چھ شادیاں کرنے کے بعد بھی دکھی پھر رہا ہے، شاید تم سے شادی کرنے کے بعد وہ خوش ہو جائے اور آئندہ میرے رشتے کے متعلق کوئی بات نہ کرنا ورنہ تمہارے لئے اچھا نہیں ہو گا، اینڈ ناٹ گیسٹ لاسٹ۔" سارہ چند لمحے اس کا لال بھبوکا چہرہ دیکھتی رہی پھر اطمینان سے بولی۔
"میں تائی سے کہتی ہوں تمہیں اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں تم شادی کے لئے تیار ہو۔" سارہ کہتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔
"میں تمہارا سر پھوڑ دوں گی۔" عشاء چیخ کر بولی۔
"اور میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔" سارہ کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہ آیا۔
"میں گھر سے بھاگ جاؤں گی۔" عشاء نے کشن اٹھا کر سارہ کی جانب پھینکا۔
"بھاگ جاؤ، ویسے بھی طلحہ کا کام چوروں کو پکڑنا ہے تمہیں بھی وہ پکڑ لے گا۔" سارہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی اور عشاء سر تھام کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اور جس کا ڈر تھا وہی ہوا اس بار کسی نے بھی اس کی نہ سنی اور لڑکے والوں کو مدعو کر لیا گیا، امی نے آرڈر دے دیا تیار ہونے کے لئے وہ کڑھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکی، لہٰذا اسے تیار ہونا پڑا آج لڑکے والوں کو آنا تھا وہ کچن میں کھڑی ہو کر تمام گھر والوں کو کوس رہی تھی حالانکہ سارا کام اس کی بڑی بھابھی مائرہ نے کر لیا تھا، وہ اس کی کزن بھی تھی، اسے صرف چائے لے کر مہمانوں کے سامنے جانا تھا، وہ چائے سیٹ کر رہی تھی ساتھ ساتھ اس کی بڑبڑاہٹ بھی جاری تھی۔
"پتہ نہیں کون کیسے لوگ ہوں گے کہیں ریجیکٹ ہی نہ کر دے مجھے، پر نہیں ریجیکٹ کیسے کریں گے، انہوں نے تو مجھے شادی پر دیکھا تھا اور پسند کر لیا تھا، اگر زیادہ مجھے ان لوگوں نے گھورا یا پھر الٹے سیدھے سوالات پوچھے تو منہ پر ہی کھری کھری سناؤ دوں گی یا پھر گرم چائے ان لوگوں پر گرا دوں گی پھر دیکھتی ہوں کیسے رشتہ مانگتے ہیں۔" وہ کچھ اور بھی کہنے والی تھی سارہ جو پچھلے پانچ منٹ سے اس کی باتیں سن رہی تھی بلآخر بولی۔
"شرم کرو پاگل لڑکی اور ہوش کے ناخن لو، کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہو جو ایسی احمقانہ حرکت کرو گی، ٹھیک ٹھاک عمر رسیدہ ہو اور تمہیں تایا ابا اور بھائی کی عزت کی ذرا پروا نہیں ہے، چھوڑو یہ بچپنا اور چائے کی ٹرالی لے کر دفع ہو جاؤ ڈرائنگ روم میں دو بار تائی تمہیں بلوا چکی ہیں اور تمہیں منصوبے بنانے سے ہی فرصت نہیں مل رہی۔" سارہ نے کہا اور کچن سے باہر نکل گئی عشاء

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	185/-
خمارِ گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	180/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دلِ وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعدِ اردو	200/-
انتخابِ کلامِ میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیفِ نثر	160/-
طیفِ غزل	120/-
طیفِ اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

نے بھی چائے کی ٹرالی سیدھی کی اور بری بری شکلیں بناتی ڈرائینگ روم میں جانے لگی۔

جب وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی تو گھر والوں کے علاوہ صرف تین چہرے ایسے تھے جو انجان تھے جن میں سے ایک تقریباً لڑکے کی ماں تھی بقول عشاء کے اگر اس عورت کو مونچھیں لگا دی جائیں تو بالکل تصویر والا لڑکا لگے اس کے ساتھ ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکا موجود تھا جس کی شکل بالکل اس خاتون پر نہیں تھی بلکہ ساتھ بیٹھے اس آدمی سے مل رہی تھی جو طلحہ احمد کا باپ بتایا جا رہا تھا، اتنا لمبا چوڑا خاندان نہیں تھا، بس ماں باپ طلحہ اور اس کا چھوٹا بھائی سالار تھا، پسند تو انہوں نے عشاء کو اس کی دوست کی شادی پر ہی کرلیا تھا، خاموش خاموش شرمیلی سی عشاء ثمینہ بیگم کو ڈھولک پر بیٹھ کر چیختی چنگاڑتی لڑکیوں میں سب سے منفرد لگی اسی لیئےانہوں نے پل بھر میں فیصلہ کرلیا کہ اگر ان کی بہو بنے گی اور عشاء ہی بنے گی، وہ واقع شرمیلی اور خاموش عشاء نہیں تھی بلکہ گول گپے کھانے کی وجہ سے اس کی آواز خراب ہوگئی تھی اس لئے اسے مجبوراً چپ بیٹھنا پڑا تھا، ابا چچا اور فیضان بھائی نے اپنی طرف سے لڑکے کے بارے میں پوری تسلی کر لی تو انہوں نے جھٹ منگنی کر دی پر پٹ بیاہ نہیں کیا کیونکہ یہ ان کے گھر میں پہلی شادی تھی جو خاندان سے باہر ہو رہی تھی کیونکہ عتیق صاحب اور احتشام صاحب آپس میں بھائی تھے اور ایک ہی گھر میں رہتے تھے، عتیق صاحب کی دو بیٹیاں ہیں بڑی مائرہ بھابھی جن کی شادی احتشام صاحب کے بیٹے فیضان سے ہوئی تھی اور ان دونوں کا ایک تو سال کا بیٹا اور چھ سال کی بیٹی تھی پھر سائرہ، جس کی منگنی بچپن سے اپنے ماموں کے گھر ہو گئی تھی، رفیق صاحب کے تین بچے تھے، فیضان، عشاء اور ارسلان، سب خاندان والوں کی مشترکہ را... کے بعد ایک ماہ کے دن رکھے گئے تھے اور ساتھ میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سائرہ کی شادی بھی عشاء کے ساتھ ہی ہوگی اسی طرح دونوں کی شادی ایک ہی دن طے پا گئی تھی۔

☆☆☆

''یار کہیں سے بھی لگ رہا ہے کہ ایک... بعد ہم دونوں کی شادی ہونے والی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم گھر بیٹھ کر نانی دادی کے ٹوٹکوں سے اپنی خوبصورتی میں مزید نکھار لائیں، نہ کے یوں ہمیں دوپہر میں بازاروں کی سڑکوں میں پھر کر اپنی بدصورتی میں چار چاند لگاتی پھریں۔'' سائرہ نے دوپٹے کے کونے سے اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے دہائی دی۔

''یہ کوئی بات ہوئی بھلا، بجائے ہمیں وی آئی پی پروٹوکل دینے کے کہ ہماری شادیاں ہونے والی ہیں، ہم ایک ماہ کی مہمان ہیں، ... سے کام کروائے جارہے ہیں، ان دنوں میں لڑ... کو دھوپ میں تو کیا اس کے نام سے بھی اپنی سکن کو بچانا چاہیے، پر ہمارے گھر والے انہیں ہماری پرواہ ہی نہیں، ہمارے لئے تو دور کی بات ا... شاپنگ بھی ہمارے ذمے کردی ہے، بازار آنے سے پہلے ہدایت دے دی کہ میرے دوپٹے آنا رنگنے کے لئے دیئے تھے، فیضان کا کرتا درزی نے سلائی کر دیا ہے وہ بھی لے لینا، عم... کے جوتے بڑے ہیں تبدیل کر لینا، گڑیا کے لئے ایک اور فراک لے لینا کام آئے گا، اپنے ابا کے لئے موزے خریدنا نہ بھولنا اور راستے میں ایک قصائی کی دکان آتی ہے وہاں سے چھرا لے کر اپنی گردن کاٹ لینا یا زہر خرید کر کھا کر مر جانا۔'' سائرہ زچ ہوکر بولی۔

''تم اور کوئی کام کروں نہ کرو، دو کام لا... کرلینا، جو چچی نے تم سے سب سے آخر میں کہے ہیں۔'' عشاء نے آرام سے کہا۔

''بکواس بند کرو اپنی، ورنہ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی۔'' سائرہ تڑخ کر بولی، وہ دونوں ٹیلر کی شاپ پر فیضان بھائی کا کرتا لے رہی تھیں جب اچانک سائرہ کی نظر باہر بنے ہجوم پر گئی۔

''عشاء او عشاء۔'' وہ ٹیلر سے کچھ کہہ رہی تھی کہ سائرہ نے اس کا بازو ہلایا۔

''ہاں کیا ہے؟'' وہ جھنجھلا کر مڑی۔

''وہ دیکھو طلحہ صاحب کھڑے ہیں۔''

''کہاں؟'' وہ بوکھلا گئی۔

''ارے وہ دیکھ یونیفارم بھی پہنا ہوا ہے۔''

''پر کہاں مجھے تو دکھائی نہیں دے رہا۔'' عشاء نے بے چینی سے کہا۔

''نکال کر پھینک دو یہ بڑے بڑے دیدے جو کسی کام کے ہی نہیں ہیں، اندھی ہو گیا، وہ بالکل تو سامنے کھڑا ہے اور تمہیں نظر ہی نہیں آرہا۔'' سائرہ جھنجھلا کر بولی۔

''تم اس کی تو بات نہیں کر رہی نہ جو آتی جاتی لڑکیوں کو پٹر پٹر گھور رہا ہے۔'' عشاء نے انگلی کر کے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں، انہوں نے سن گلاسز لگا رکھے ہیں۔'' سائرہ چڑ کر بولی۔

''تو میں بھی اس کی بات کر رہی ہوں اتنا بڑا چشمہ ایسے ہی تو نہیں لگا رکھا، ضرور اس میں سے لڑکیوں کو گھور رہا ہوگا، ویسے بھی کھلے عام گھورنے سے جوتے بھی پڑ سکتے ہیں۔''

''افوہ۔'' سائرہ نے افوہ کو لمبا کھینچا۔

''ہر وقت بکواس نہ کیا کرو۔''

''کہیں یہ فلرٹ ہوا تو؟'' عشاء کی سوئی ابھی تک وہی اٹکی ہوئی تھی۔

''تم بھی نہ عشاء ہر کو شک کی عینک سے دیکھتی ہو، بچارے اتنی گرمی میں ڈیوٹی کر رہے ہیں اور تم ہو کہ فضول بکواس کیے جا رہی ہو ان کے بارے میں۔'' سائرہ زچ ہو کر بولی۔

''تو کس گدھے نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ یہ دھوپ میں سڑنے والی نوکری کریں، حالانکہ بھابھی بتا رہی تھیں ان کا اپنا اچھا خاصہ خاندانی بزنس ہے، بجائے اپنے باپ کا ہاتھ بٹانے کے یہاں کھڑا ہو کر آتی جاتی لڑکیاں تاڑ رہا ہے۔'' عشاء کی بات سن کر سائرہ کو بے طرح ہنسی آگئی۔

''آئیڈیا......! کیوں نہ موصوف کو آزمایا جائے، کیا خیال ہے۔'' ایکدم عشاء چونکی۔

''دماغ تو ٹھکانے پر ہے نہ تمہارا عشاء۔'' سائرہ کو اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔

''بالکل ٹھکانے پر ہے آخر پتہ تو چلے موصوف کتنے رنگین مزاج ہیں۔'' وہ کسی اور ہی سوچ میں بولی۔

''اچھا تو انہیں آزماؤں گی کیسے؟'' سائرہ نے طنزیہ انداز سے پوچھا۔

''لو اس میں کون سی بڑی بات ہے، فون کس مرض کی دوا ہے آج کل تو جمعداروں نے بھی فونوں پر پینگیں بڑھائی ہوئی ہیں، میں فیضان بھائی کے موبائل سے اس کا نمبر لوں گی جب وہ مجھے موبائل چارج کرنے کو دیں گے۔'' عشاء نے سارا پلان سائرہ کو بتایا۔

''اور اگر ہم پکڑے گئے فیضان بھائی یا تایا ابا کو پتہ چل گیا تو وہ ہم دونوں کو پھانسی پر چڑھا دیں گے سرِ بازار، لازمی تم نے عبرت کا نشان بننا ہے اور ساتھ میں مجھے بھی گھسیٹ رہی ہو۔''

''اوہو، سائرہ تم وہ کیوں سوچ رہی ہو جو نہیں ہونے والا اور کوئی ہم پر شک نہیں کرے گا، وہ کون سا ہمیں جانتا ہے اسے اپنا اصل تعارف

تھوڑا ہی کروائیں گے، تم تو ایسے ہی ڈر رہی ہو پاگل کہیں کی۔" عشاء نے اسے تسلی دی، اس کی دلیل سن کر سائرہ بھی راضی ہو گئی انہوں نے ٹیلر سے فیضان کا کرتا لیا اور شاپ سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

شام کی چائے کے بعد سائرہ اس کے کمرے میں آ گئی۔

"نمبر ملاؤ۔" عشاء نے کہا تو سائرہ نے اسے گھورا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"تجھے کس بات کی جلدی ہے بات تو میں کروں گی۔" عشاء بگڑی، سائرہ نے نمبر ملایا اور سپیکر آن کر دیا، چوتھی بیل پر فون اٹھایا گیا۔

"ہیلو۔" خالص زنانہ آواز تھی، سائرہ نے جھٹ سے نو کا بٹن دبایا۔

"ہائے عشاء بالکل زنانہ آواز ہے طلحہ صاحب کی اب کیا ہو گا؟" سائرہ کو فکر لاحق ہو گئی۔

"کیا کہا تم نے زنانہ آواز، کہیں موصوف اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ تو نہیں بیٹھے ہیں۔" عشاء اس سے بھی زیادہ فکر مندی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے دوبارہ فون ملاؤں۔" سائرہ بولی۔

"ہاں ملاؤ۔" اس نے کہا، سائرہ نے دوبارہ نمبر ملایا چند لمحوں میں دوبارہ فون اٹھایا گیا۔

"ہیلو طلحہ سپیکنگ۔" سائرہ نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو ملا کر آواز کی تعریف کی۔

"ہیلو میں فرح بات کر رہی ہوں مجھے مسٹر طلحہ سے بات کرنی ہے۔" سائرہ کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا تو کہہ دیا۔

"جی محترمہ! آپ کے کانوں میں کچھ خرابی معلوم ہوتی ہے، فرمایئے میں طلحہ ہی بات کر رہا ہوں۔"

"جی میں کہہ رہی تھی میں نے جب سے آپ کو دیکھا ہے، میرے دن رات بدل گئے ہیں، اٹھتے بیٹھتے آپ کا خیال آتا ہے، جہاں جاتی ہوں بس آپ کا چہرہ نظر آتا ہے۔" سائرہ نے اپنی شاندار کارکردگی پر شاباش وصول کرنے کے لئے عشاء کو داد طلب نظروں سے دیکھا جو متاثر لگ رہی تھی اور کھسک کر اس کے قریب ہو گئی تھی۔

"کیا بکواس ہے؟" دوسری طرف یہ چیخ کر کہا گیا۔

"یہ بکواس نہیں حقیقت ہے میں سچ مچ آپ کے پیار میں پاگل ہو چکی ہوں آپ کی ایک ہی جھلک نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔" ایئر پیس کے سوراخوں سے چھن چھن کر آتی طلحہ کی ہنسی نے دونوں کا تنفس تیز کر دیا۔

"آپ ہنس رہے ہیں اور میری جان پر بنی ہے میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔"

"دیکھیے محترمہ! آپ جو کوئی بھی ہیں برائے مہربانی کہیں اور ٹرائی ماریئے یہاں آپ کی دال نہیں گلنے والی میں اس ٹائپ کا بندہ نہیں ہوں، جیسا آپ سمجھ کر فون کر رہی ہیں۔"

"اُف، یقین کریں اگر آپ ایسے خوفناک لہجے میں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیسے کسی غیر لڑکے کے ساتھ یوں فری ہو رہی ہیں۔" اس نے سختی سے کہا۔

"ارے غیر کہاں، آپ تو میرے اپنے ہیں، میرے سپنے ہیں، میرے جینے کی وجہ ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ غیر ہیں۔" اس نے آواز میں رس گھولنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نہایت ہی ڈھیٹ لڑکی ہیں آپ اور نہایت واہیات باتیں کر رہی ہیں۔" اب کے تیز لہجے میں کہا گیا۔

"اُف خدایا، اتنا تیز مزاج اور اتنا سخت لہجہ آپ کا، بڑے سنگدل ہیں آپ، سچی آپ یہ بھی بھول رہے ہیں کہ آپ ایک لڑکی سے بات کر رہے ہیں، یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہیے۔"

"آپ نے بالکل درست فرمایا محترمہ، میں سنگدل ہونے کے ساتھ تنگ دل بھی ہوں، جس میں ایسی فضولیات کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" سائرہ نے اپنی ہنسی کو مشکل سے روکتے ہوئے کہا۔

"گو ٹو ہیل۔" کی آواز سنائی دی اور فون بند ہو گیا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر کھی کھی کرنے لگیں۔

"یار ایک بات تو ہے۔" سائرہ بولی۔

"موصوف فلرٹ نہیں ہیں، لیکن مزاج سڑا ہوا ہے، سنا تھا کیسا مرد کا لہجہ تھا، میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا کرخت انسان نہیں دیکھا جسے لڑکی بار بار لفٹ کروا رہی ہو اور وہ اسے جہنم میں جانے کو کہہ دے تو یہ عشاء مجھے تو کوئی ہٹلر ہی لگتا ہے۔"

"اب کیا ہو گا سائرہ۔" عشاء کی رنگت پیلی پڑ گئی۔

"ارے تو کیوں پریشان ہو رہی ہو پاگل۔" سائرہ نے اسے تسلی دی تم اس کی بیوی ہو گی۔

"وہ تمہارے ساتھ ایسا رویہ نہیں رکھے گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں لیکن اس کا دل ابھی بھی نہیں مان رہا تھا۔"

"اچھا عشاء اب میں چلتی ہوں مجھے ابا کے کپڑے پریس کرنے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" سائرہ باہر نکل گئی اور عشاء لیٹ کر طلحہ کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

"بھابھی میں کیسی لگ رہی ہوں؟" عشاء نے آئینے میں اپنے سراپے پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔

"پیاری پیاری بہت پیاری لگ رہی ہو، بلکہ حسین ترین لگ رہی ہو۔" مائرہ نے دل کھول کر تعریف کی، پنک کلر کے نہایت خوبصورت لہنگے میں وہ بہت ہی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی، یہاں صرف دلہن عشاء ہی نہیں میں بھی ہوں۔" سائرہ خفگی سے بولی۔

"ہاں بھئی تم بھی بہت بہت اچھی لگ رہی ہو بلکہ خوبصورت ترین لگ رہی ہو۔" مائرہ نے ہنستے ہوئے کہا اور پیار سے سائرہ کا گال چوم لیا۔

"اچھا لڑکیوں اب تم دونوں بالکل تیار ہو چکی ہو، امی کا دو بار فون آ چکا ہے، اب چلتے ہیں، میری بات غور سے سنو، تم دونوں ذرا سر جھکا کر بیٹھنا، نہ کہ ہونقوں کی طرح یہاں وہاں دیکھنا کیونکہ شرماتی ہوئی دلہنیں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔" مائرہ نے دونوں کو ہدایت دی، اسٹیج پر بیٹھائے جانے کے بعد بھی مائرہ بھابھی ہر پانچ منٹ کے بعد آ کر ایک نیا حکم صادر کر جاتی۔

"آپس میں باتیں کر کے ہنسو مت۔"

"نظریں نیچی رکھو۔"

"مووی بن رہی ہے تمیز سے بیٹھو۔"

"اب کھی کھی بند نہ ہوئی تو میں لحاظ نہیں کروں گی۔"

کھانا کھانے کے بعد دونوں دولہا حضرات کو ان کے پہلو میں لا کر بیٹھایا گیا، مووی اور فوٹو سیشن کے بعد آخر رخصتی کا بھی وقت آ گیا، سائرہ

عدیل کے ہمراہ اور عشاء طلحہ کے ساتھ رخصت ہو کر ان کے گھر آ گئیں۔

☆☆☆

اس کی ساس ثمینہ بیگم نے اسے لا کر بڑے خوبصورت کمرے میں پہنچا دیا۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے بیٹا!'' انہوں نے بڑے پیار سے مسکرا کر پوچھا، ابھی وہ بولنے ہی والی تھی کہ اس کا دیور سالار آ گیا۔

''مما بھائی کا یونیفارم آپ نے کہاں رکھا ہے، ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے انہیں جانا ہے۔''

''اس کا دماغ ٹھیک تو ہے سالار آج اس کی شادی ہے اور وہ چلا ہے ڈیوٹی کرنے۔'' ثمینہ بیگم کے تیور بگڑ گئے اور وہ خفگی سے بولی۔

''پتہ نہیں، بھائی کہہ رہے ہیں کسی جگہ چوری ہو گئی ہے اور وہاں پر ایک آدمی شدید زخمی ہے، اس لئے بھائی کا جانا ضروری ہے۔''

''بھاڑ میں جائے اس کی ڈیوٹی، میں ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے باہر جانے لگی کہ طلحہ کمرے میں آ گیا۔

''مما میری یونیفارم نہیں مل رہی آپ نے کہاں رکھی ہے۔''

''طلحہ تمہارا دماغ ٹھیک ہے آج تمہاری شادی ہوئی ہے، ہماری تو سنتے نہیں ہو کم از کم عشاء کا ہی خیال کر لو وہ کیا سوچے گی؟'' ثمینہ بیگم غصے سے بولی۔

''مما یہ کون سی اب مہمان ہے یہ اب اس گھر کی ہے اور یہ گھر اس کا پھر میں کون سا کہیں دور جا رہا ہوں، واپڈا ٹاؤن تک ہی تو جانا ہے، اب جلدی سے بتا دیں کہاں ہے یونیفارم مجھے دیر ہو رہی ہے دو بار فون آ چکا ہے۔''

''سٹور روم میں رکھی ہے۔'' ثمینہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا اور بیڈ پر عشاء کے پاس جا کر بیٹھ گئیں، طلحہ چلا گیا سالار بھی اس کے پیچھے باہر نکل گیا۔

''آئی ایم رئیلی ویری سوری بیٹا! طلحہ کی اس حرکت کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں، دراصل وہ جب اپنی کرنے کو آ جائے تو وہ کسی کی نہیں سنتا اس کے پاپا بالکل بھی نہیں چاہتے تھے کہ یہ پولیس میں جائے بلکہ ان کا بزنس سنبھالے لیکن اس نے کسی کی نہ چلنے دی، اپنی مرضی پوری کر لی، میں نے سوچا اس کی شادی ہو جائے گی تو خود بخود سدھر جائے گا پر اس نے تمہارے ساتھ بھی......''

ثمینہ بیگم کہتے کہتے چپ ہو گئیں، عشاء سر جھکائے بیٹھی رہی، پھر ایکدم وہ بولیں۔

''دیکھو عشاء اب تم نے ہی اسے سدھارنا ہے تمہیں، کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح بیٹھنے کی، اس کا انتظار کرنے کی، یہ کپڑے وغیرہ چینج کرو اور آرام سے سو جاؤ، خود ہی آتا پھرے گا جب آنا ہو گا، اچھا اب میں چلتی ہوں تم آرام کرو، اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو مجھے بتا دو۔''

انہوں نے پیار سے پر لہجے میں پوچھا تو عشاء نے نفی میں سر ہلا دیا، ان کے جانے کے بعد عشاء نے کپڑے وغیرہ تبدیل کیے اور بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، سامنے ہی طلحہ کی ایک تصویر لگی ہوئی تھی، عشاء نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا پھر اسے منہ چڑا کر انگری مین کا خطاب دیا، سارا دن کی تھکاوٹ کے بعد اسے صرف چند منٹ لگے نیند کی وادیوں میں گم ہونے میں۔

☆☆☆

شادی کے ایک ہفتے بعد ہی ثمینہ بیگم نے سارا گھر عشاء کے حوالے کر دیا۔

''لو بھئی عشاء تمہارا گھر تمہارے حوالے۔''

انہوں نے چابیاں اس کے ہاتھ پر رکھیں۔

''پر یہ آپ مجھے کیوں دے رہی ہیں۔''

اسے حیرانی ہوئی۔

''بیٹا کبھی نہ کبھی تو آپ کو یہ ذمہ داری سونپنا ہی تھی تو کیوں نہ ابھی سے ہی، ویسے بھی اب سب کچھ تمہیں ہی سنبھالنا ہے کیونکہ میں نے ریٹائرمنٹ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' انہوں نے اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی چوم کر کمرے سے باہر چلی گئیں، کچھ دیر وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی چابیوں کو دیکھتی رہی پھر سامنے ہی وال گلاس کے باہر دیکھنے لگی، کھڑکی سے باہر جھانکتے جھانکتے وہ بیزار ہو گئی تو اچانک اس کی نظر لان میں بیٹھے سالار پر پڑی تو اسے کچھ خیال آیا تو وہ چابیاں الماری میں سنبھال کر رکھتے ہوئے باہر سالار کے پاس آ گئی۔

''کیا کر رہے ہو سالار؟''

''کچھ نہیں بھابھی بس یہ کتاب پڑھ رہا تھا، آپ کو کوئی کام ہے کیا؟'' اس نے مودب لہجے میں کہا۔

''نہیں ویسے ہی پوچھا تھا میں بور ہو رہی تھی میں نے سوچا کچھ دیر تم سے باتیں ہی کر لوں، کون سا سبجیکٹ پڑھ رہے ہو؟'' عشاء نے اپنائیت بھرے انداز میں پوچھا۔

''سوشل سٹڈی۔'' سالار نے اس سے بھی زیادہ اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تمہاری کچھ ہیلپ کروں؟'' عشاء نے اس کی کتاب دیکھتے ہوئے کہا۔

''سچ بھابھی آپ میری ہیلپ کریں گی۔'' سالار نے حیرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں آپ کی ہیلپ کروں گی اس میں اتنی حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔'' عشاء نے ہنستے ہوئے اس کے بال بکھیرتے ہوئے کہا۔

''پھر ٹھیک ہے، اب میری جان چھوٹ جائے گی، اس ٹیوٹر سے ناک میں بولتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا، بھائی سے پوچھوں تو وہ سمجھاتے کم ہیں اور ڈانٹتے زیادہ ہیں، بس اب میں آپ سے ہی پڑھوں گا اس ٹیوٹر کی چھٹی۔''

سالار خوشی سے جھومنے والا ہو گیا، عشاء نے پہلے سالار کی ساری کتابیں چیک کیں پھر اسے جو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے سمجھایا۔

''چلو سالار بہت ہوئی پڑھائی، پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل بھی ضروری ہے کیوں نہ کوئی گیم کھیلی جائے واٹ یو سے۔'' عشاء نے اس کی کتابیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کھیلا جائے؟'' سالار نے معصومیت سے پوچھا۔

''بیڈ منٹن کیسا رہے گا؟'' کچھ دیر سوچنے کے بعد عشاء بولی۔

''ویری گڈ۔'' سالار بھاگ کر اپنے کمرے سے ریکٹ لے آیا اور وہ دونوں کھیلنے لگے تھوڑی دیر میں وہ دونوں اتنے مگن ہو گئے کھیل میں کہ طلحہ کی بائیک کی آواز بھی ان کو سنائی نہ دی۔

''سالار کے بچے تم مجھ سے جیت نہیں سکتے میں تمہیں ہرا کر رہوں گی کیونکہ سکول کے دنوں میں چیمپئن تھی بیڈ منٹن کی۔'' عشاء نے شوٹ لگاتے ہوئے زور سے کہا۔

''میں بھی کسی سے کم نہیں ہوں آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ آپ مجھے ہرائیں گیں۔'' سالار نے اس سے بھی زیادہ جوش سے کہا۔

''کیا ہو رہا ہے یہاں؟'' ایک دم طلحہ کی آواز آئی سالار کا شوٹ مس ہو گیا طلحہ کی آواز سن کر عشاء آرام سے بولی۔

"دیکھ بھی رہے ہیں آپ کہ ہم کھیل رہے ہیں پھر بھی پوچھے جا رہے ہیں۔" اس کی بات سن کر طلحہ ایک دم چونکا لیکن بولا کچھ نہیں بلکہ سالار سے مخاطب ہوا۔

"یہاں تک میرا خیال ہے آپ کے ایگزام سر پر ہیں اور آپ کو کھیل سے ہی فرصت نہیں مل رہی ہے، چلو مانا کہ آپ بچے ہیں لیکن جو آپ کے ساتھ کھیل رہی ہیں وہ تو ٹھیک ٹھاک میچور ہیں، بجائے وہ آپ کو پڑھنے کو کہے آپ کے ساتھ فضول قسم کے کھیل رہی ہیں، کل بھی تمہارا ٹیوٹر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تم بالکل بھی دھیان نہیں دیتے پڑھائی پر۔" عشاء طلحہ کی باتوں پر شرمندہ ہو گئی، سالار سے اس کا شرمندہ چہرہ دیکھا نہیں گیا تو بول پڑا۔

"سوری بھائی اس میں بھابھی کا کوئی قصور نہیں ہے، انہوں نے تو مجھے آفر کی تھی کہ جو مجھے سمجھ میں نہیں آتا ہے ان سے ہیلپ لے لوں پر میں نے خود ہی کہہ دیا پہلے تھوڑی دیر کھیل لیں پھر پڑھ لیں گے۔"

"تمہارا ٹیوٹر آنے والا ہے اپنی بکس اٹھاؤ اور لیونگ روم میں جاؤ۔" طلحہ نے آرڈر دیا اور اندر جانے لگا، اچانک اس کی نظر عشاء کے حیرت زدہ سے چہرے پر گئی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کتنی آسانی سے سالار نے اس کی غلطی اپنے سر لے لی ہے، طلحہ عشاء کو حیران چھوڑا اور سالار کو لے کر اندر چلا گیا۔

☆☆☆

طلحہ کو دل چاول بہت پسند تھے یہ اسے باتوں باتوں میں سالار سے معلوم ہوا تھا تو عشاء نے سوچا کیوں نہ آج موصوف کے لئے دال چاول بنائے جائیں اور دال چاول بنانے کا مقصد طلحہ کے معدے سے ہو کر دل تک جانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے دل میں سوائے غصہ کڑھن اور جلن کے کچھ نہ تھا اور وہ باز آئی ایسے سڑے ہوئے دل میں گھر بنانے کو اس کا اپنا دل کر رہا تھا اسے کھانے کو، وہ کچن میں بڑے انہماک سے دال چاول بنا رہی تھی کہ اچانک بیل ہوئی پہلی دوسری پھر تیسری کسی نے دروازہ نہ کھولا تو مجبوراً عشاء کو دروازہ کھولنے جانا پڑا، جب اس نے دروازہ کھولا تو سامنے دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک چھوٹی اور موٹی تھی اور دوسری لمبی اور پتلی تھی۔

"کسی سے ملنا ہے آپ کو؟" عشاء نے پوچھا۔

"گھر میں کون کون ہے اس وقت؟" انہوں نے عشاء کے سوال کو نظر انداز کیا اور ان میں سے موٹی والی عورت نے پوچھا۔

"میری ساس اور میں ہی ہیں اس وقت، باقی سب لوگ اس وقت کام پر گئے ہیں اور ساس شائد اپنے کمرے میں سو رہی ہیں آپ بتائیں آپ کو کس سے ملنا ہے؟" عشاء نے پھر سے اپنا سوال داغا۔

"دیکھیے، ہمیں کسی سے بھی نہیں ملنا ہم چائے کی پتی بنانے والی کمپنی سے آئی ہیں ہم گھر گھر جا کر سروے کر رہی ہیں کہ لوگ کون سی کمپنی کی چائے شوق سے پیتے ہیں۔" انہوں نے اپنا مقصد بیان کیا۔

"ہم آپ سے چند قسم کے سوالات پوچھیں گے اور آپ کا نام ہم لکی ڈرا میں شامل کریں گے اگر خوش قسمتی سے آپ کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا تو آپ کو پانچ لاکھ روپے کیش دیئے جائیں بتائیں آپ دے گی ہمارے سوالات کے جوابات؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور دوں گی جوابات آپ اندر آیئے۔" عشاء نے ان دونوں کو اندر آنے کو کہا اور ان کو لان میں پڑی ہوئی کین کی کرسیوں پر بیٹھنے کو کہا اور خود اندر جانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" وہ موٹی والی عورت پھر سے بولی۔

"اپنی ساس کو بلانے جا رہی ہوں۔" عشاء نے پلٹ کر جواب دیا۔

"ارے ان کو کیوں بلانے جا رہی ہو، تم خود اتنی سمجھدار اور پڑھی لکھی ہو اور ہم نے آسان قسم کے سوالات پوچھنے ہیں، وہ بیچاری بزرگ ہیں ان کو سونے دو اور ویسے بھی ہمارے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے، ہمیں ابھی دوسرے گھروں میں بھی جانا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہا آپ نے ویسے بھی وہ بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں، اس وقت اس کو اٹھانا مناسب نہیں آپ ایک منٹ رکیئے میں ابھی آئی۔" یہ کہتے ہی وہ اندر کچن میں گئی چولہا بند کیا اور ان دونوں عورتوں کے لئے کولڈ ڈرنک لے کر باہر آ گئی۔

"ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" اب کی بار وہ پتلی والی بولی۔

"اس میں تکلف کیسا آپ جلدی سے پیئے اور سوالات پوچھے۔" عشاء ان کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھ گئی، کولڈ ڈرنک ختم کرنے کے بعد وہ موٹی بولی۔

"ہاں جی پہلا سوال یہ ہے ہمارا؟" اس نے ہینڈ بیگ سے ایک کاغذ نکالا۔

"چائے کی پتی کس سے بنتی ہے، چائے کی پتیوں سے یا نیم کی پتیوں سے؟"

"چائے کے پتوں سے۔" عشاء نے فٹ کہا۔

"بالکل ٹھیک جواب دوسرا سوال ...... چائے کون پیتے ہیں؟ انسان یا جانور؟"

"انسان۔" عشاء نے حیران ہوتے ہوئے کہا پھر اس موٹی نے چار فضول اور آسان قسم کے سوالات پوچھے پھر اس کا نام اور ایڈریس نوٹ کیا اور بولی۔

"تم خوبصورت پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھی انسان بھی ہو اس طرح کوئی بھی نہیں کرتا جیسا تم نے کیا ہے، لوگ ہمیں دروازے سے ہی چلتا کر دیتے ہیں اور بدتمیزی سے بات کرتے ہیں، تم نے نہ صرف ہم سے اچھے طریقے سے بات کی بلکہ گھر میں بلا کر کولڈ ڈرنک بھی پلائی، میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں یہ پانچ لاکھ کا انعام دے دوں کیونکہ تم ہی پانچ لاکھ کی اصلی حقدار ہو، ورنہ لوگ تو بڑے بدتمیز ہوئے ہیں۔" اس موٹی نے مسکراتے ہوئے کہا، خوشی کے مارے عشاء کی آنکھیں پھیل گئی اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"ارے آپ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں ہمیں آپ جیسی اچھی لڑکی کی ہی تلاش تھی، ہم ایسا کرتے ہیں آپ کا نام قرعہ اندازی میں نہیں لکھتے ڈائریکٹ آپ کو انعامی کوپن دے دیتے ہیں صرف اور صرف آپ کی اچھائی دیکھتے ہوئے، آپ کو کرنا یہ ہوگا آپ ہمیں پانچ ہزار سیکیورٹی فیس دے دیں یہ ہم جا کر اپنے آفس میں جمع کروائیں گی اور پانچ دن بعد آپ کو انعام مل جائے گا، آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم کوئی چور یا فراڈیہ ہیں، یہ ہماری کمپنی رجسٹرڈ ہے R.K پروڈکس انٹرنیشنل، ہمارا ہیڈ آفس مون مارکیٹ میں ہے، بالائی منزل پر بینک کے سامنے، بتائیں کیا کہتی ہیں آپ؟" وہ موٹی ساری تفصیل بتاتے ہوئے بولی۔

"دیکھیے اس وقت میرے پاس پانچ ہزار تو نہیں ہیں پر تین ہزار ہیں، میں اپنی ساس کو اٹھا

کران سے باقی پیسے لے لیتی ہوں۔" عشاء اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے ان کو تکلیف نہ دو، وہ بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں، تم ایسا کرو تین ہزار تو لاؤ، باقی کے ہم اپنے پاس سے ڈال کر سیکیورٹی فیس جمع کروا دیں گے پھر جب تمہارا انعام تمہیں ملے گا تو واپس کر دینا جاؤ جلدی سے تین ہزار تو لاؤ۔"
عشاء پیسے لینے اندر آئی اس نے الماری کھولی تو سامنے ہی پانچ پانچ ہزار کے کئی نوٹ پڑے تھے، اس نے اپنے تین ہزار نکالے پھر کچھ سوچ کر ان نوٹوں میں سے ایک نوٹ اٹھایا اور ان عورتوں کو دے دیا، ان عورتوں نے اسے ایک لفافہ دیا اور پانچ دن کے بعد آنے کا کہہ کر چلی گئیں اور وہ دروازہ بند کر کے کچن میں آ کر دال کوتڑ کا لگانے لگی۔

☆☆☆

"مما میں نے اپنی الماری میں پیسے رکھے تھے ان میں سے پانچ ہزار کم ہیں آپ نے لئے ہیں کیا؟" طلحہ نے تسبیح پڑھتی ہوئی ثمینہ بیگم سے پوچھا، عشاء کچن میں شام کے لئے چائے تیار کر رہی تھی طلحہ کی آواز سن کر بھاگ کر باہر آئی۔
"میں نے لئے تھے پانچ ہزار مجھے اس وقت ضرورت تھی تو میں نے لے لئے۔"
"او کے۔" طلحہ نے کہا اور ثمینہ بیگم کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا ثمینہ بیگم بھی دوبارہ سے اپنے وظیفے میں مشغول ہو گئی، عشاء حیرانی سے ان دونوں کو دیکھنے لگی پھر وہ بولی۔
"مما! آپ نے مجھ سے پوچھا نہیں کہ میں نے ان پیسوں کا کیا کیا ہے؟"
"بیٹا اب یہ تمہارا گھر ہے تم اس گھر کا حصہ ہو تم جو چاہو مرضی اس گھر میں کر سکتی ہو اور تم نے کہا تو ہے کہ تمہیں ضرورت تھی۔" ثمینہ بیگم نے شائستگی سے کہا اور پھر سے تسبیح کے دانے گرانے لگی، تو عشاء بولی۔
"مما! آج دو عورتیں آئی تھیں، R.K پروڈکس انٹرنیشنل کمپنی والوں سے انہوں نے مجھ سے کچھ سوالات پوچھے ایک کوپن بھی دیا اور اور کہا ہے کہ تم ہمیں پانچ ہزار دو تو پانچ دن بعد ہم تم کو پانچ لاکھ دے جائیں گے، میں نے ٹھیک کیا نہ پانچ ہزار کے بدلے پانچ لاکھ ملیں گے۔" عشاء نے معصومیت سے پوچھا۔
"کیا؟" یکدم ثمینہ بیگم کا ہاتھ رکا اور طلحہ نے بھی اس کی جانب حیرانگی سے دیکھا۔
"کب آئی تھیں وہ عورتیں ہم لوگ کہاں تھے؟" ثمینہ بیگم نے حیرانگی سے پوچھا۔
"آج صبح آئی تھیں، سارے لوگ کام پر تھے اور آپ دوا لے کر سوئی ہوئی تھیں، میں نے آپ کو اس وجہ سے نہیں اٹھایا۔" عشاء نے صاف گوئی سے سب کچھ بتایا۔
"عشاء!" ثمینہ بیگم نے اسے اپنے پاس بیٹھایا۔
"دیکھو عشاء آئندہ کوئی بھی انجان آدمی یا عورت آئے تو تم مجھے بتا دیا کرو چاہے میں سو بھی رہی ہوں مجھے جگا دیا کرو، آئندہ دھیان رکھنا اور چائے میرے کمرے میں لا کر دینا میں وہاں جا رہی ہوں۔" ثمینہ بیگم کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں چلی گئیں طلحہ بھی اٹھ کر جانے لگا اور جاتے جاتے بولا۔
"پولیس والے کی بیوی کو لوٹ کر چلی گئیں چالاک عورتیں۔" طلحہ کی بات سن کر عشاء کو پتنگے لگ گئے وہ غصے سے بولی۔
"جب پانچ لاکھ آئیں گے تو تب بات کریں گے کسی کو ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گی۔" عشاء نے جتاتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" طلحہ مسکراتے ہوئے کر باہر نکل گیا۔
"دیکھا جائے گا سڑیل!" عشاء کے منہ ...ا کر کے طلحہ کی نقل اتاری اور کچن میں چلی ...۔

☆☆☆

پانچ چھ سات آٹھ نو اور دسواں دن بھی گزر ...پر وہ عورتیں نہیں آئیں، عشاء روزانہ کا انتظار ...ی، بیل ہونے پر بھاگ کر دروازہ کھولنے ...کہ شاید وہ عورتیں پیسے لے کر آ جائیں، مگر ...ج دسواں دن بھی گزر چکا تھا، پر وہ عورتیں نہیں ...ئیں، عشاء طلحہ سے نظریں چرائے پھر رہی تھی، ...ے اس نے دعویٰ کیا تھا، دکھ کی وجہ سے اسے ...بہ رونا آ رہا تھا اور وہ کمرے میں بیٹھ کر رو رہی ...ی، ساتھ ساتھ دل کی گہرائیوں سے وہ ان ...رتوں کو بددعائیں بھی دے رہی تھی، آخر ان کی ...ے اسے طلحہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا، وہ ...ر زور سے رو رہی تھی، طلحہ کمرے میں آیا اس کو ...ں روتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اس ...ے اس جا کر بولا۔
"عشاء کیا ہوا تمہیں تم رو کیوں رہی ہو؟"
"کچھ نہیں۔" وہ بے رخی سے بولی۔
"کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے، سالار نے کوئی ...تمیزی کی ہے؟" عشاء کے لہجے کو نظر انداز ...کرتے ہوئے وہ فکر مندی سے بولا، یکدم عشاء ...کی اور الماری سے تین ہزار روپے نکال کر طلحہ کو ...پکڑا دیئے اس کے بولنے سے پہلے ہی بول ...اٹھی۔
"میں امی کی طرف جاؤں گی تو باقی کے دو ...ہزار بھی آپ کو دے دوں گی اور آئندہ کوئی ...ضرورت نہیں ہے مجھے طعنے دینے کی کہ ...پولیس والے کی بیوی کو لوٹ کر لے گئیں۔" عشاء رندھی ہوئی پر سنجیدہ آواز میں بولی۔
"اچھا تو اس لئے یہ آنسو بہائے جا رہے ہیں کہ تمہیں پانچ لاکھ روپے نہیں ملے۔" طلحہ نے اپنی ہنسی کو بمشکل دباتے ہوئے کہا۔
"نہیں بلکہ اس بات پر رو رہی ہوں کہ آپ سچے ثابت ہو گئے اور میں جھوٹی۔" عشاء نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔
"او، تو تمہیں اس بات کا دکھ ہے، ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں مجھے سچ میں یاد نہیں تھا اس بارے میں، میں تو اسی دن ہی بھول گیا تھا جس دن تم نے بتایا تھا، ویسے اس واقعے سے تم یہ ضرور سیکھ گئی ہو گی کہ کسی بھی انجان پر آئندہ بھروسہ نہیں کرو گی اور رہی بات پیسوں کی تو یہ گھر تمہارا یہ کمرہ تمہارا یہ الماری تمہاری اور ان میں پڑے پیسے بھی تمہارے ہیں، جتنے چاہیے مرضی سے لو۔" طلحہ اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، لیکن اس کے چہرے سے شرمندگی کے تاثرات جا ہی نہیں رہے تھے۔
"آئس کریم کھاؤ گی؟" طلحہ کا موڈ خلاف توقع خوشگوار تھا، اس کی بات سن کر وہ حیران ہوئی پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ٹھیک ہے تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" طلحہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا اور عشاء سوچنے لگی اتنا بھی برا نہیں ہے جتنا میں اسے سمجھتی تھی۔

☆☆☆

اس واقعے کے بعد عشاء نے بہت احتیاط کرنا شروع کر دی تھی، طلحہ کا رویہ بھی اس کے ساتھ خوشگوار ہو چلا تھا، یہ عام دنوں میں ایک عام دن تھا کہ ایک دن طلحہ کی ایک دور کی رشتے دار اور اس کی نند آ گئی جو رشتے میں اس کی پھپھو لگتی تھی، ثمینہ بیگم لاؤنج میں قرآن پاک پڑھ رہی

تھی، جبکہ عشاء کچن میں ناشتے کے برتن دھو رہی تھی کہ اچانک بیل ہوئی عشاء دروازہ کھولنے گئی تو سامنے وہی پھپھو اور اس کی نند کھڑی تھیں۔

''جی فرمایئے۔'' عشاء نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ثمینہ بیگم گھر پہ ہے کیا؟'' پھوپھی نے سر سے پاؤں تک عشاء کا تنقیدی جائزہ لیا اور بولی۔

''ایک منٹ۔'' عشاء نے ان دونوں کو اندر آنے کو نہیں کہا اور بھاگ کر اندر آئی۔

''مما باہر دو عورتیں آئی ہیں اور آپ کا پوچھ رہی ہیں۔'' عشاء نے فوراً اطلاع دی۔

''میرا پوچھ رہی ہیں؟'' وہ حیرانگی سے بولی۔

''ٹھیک ہے انہیں اندر بلا لاؤ۔'' عشاء ان دونوں کو اندر بلا لائی اور ان کے اندر آتے ہی اس پھوپھی نے نہ کوئی دعا سلام کی اور بولی۔

''لو بھئی ہم کوئی چور ڈاکو تو نہیں ہیں جو اس لڑکی نے ہمیں گھر کے اندر ہی نہ آنے دیا، ہم کوئی انجان تھوڑا ہی ہیں، اتنی گرمی میں ہم لوگ اتنی دیر باہر سڑتے رہے۔''

''ارے طاہرہ تمہیں آج ہماری یاد کیسے آ گئی؟'' ثمینہ بیگم نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

''بس آ ہی گئی یاد، اس وجہ سے ملنے چلی آ گئی اور یہ کون تھی گھنٹہ بھر باہر کھڑا کیے رکھا ہے اس نے۔'' طاہرہ نے کچن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری بہو ہے اور اس بیچاری نے جان بوجھ کر تھوڑا ہی تمہیں باہر کھڑا کیا ہے، ہم نے ہی کہا ہے کہ ہم سے پوچھ کر ہی کسی کو اندر آنے دیا کرو، تمہیں پتہ تو ہے حالات آج کل کتنے خراب ہیں، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' عشاء ان دونوں کے لئے کولڈ ڈرنکس ڈال کر لے آئی اور ان کو پکڑا کر دوبارہ سے کچن میں جا کر برتن دھونے لگی۔

''بہت ہی اکڑ ہے تمہاری بہو میں دروازے پر بھی اس نے ڈھنگ سے بات نہیں کی اور یہاں تمہارے پاس بھی نہیں بیٹھی کیسے کچن میں ہی گھس کر کھڑی ہے۔''

''ارے نہیں بھئی طاہرہ میری بہو تو لاکھوں میں ایک ہے بیچاری معصوم بچی ہے آتے ہی سارا گھر سنبھال لیا ہے، اب بھی ناشتے کے برتن دھو رہی ہے، دیکھا نہیں میں آرام سے بیٹھ کر عبادت کر رہی ہوں، مجھے تو لگتا ہے ہماری کوئی نیکی ہے جو عشاء کے روپ میں سامنے آئی ہے۔''

''اچھا سارا کام یہ کرتی ہے، نوکرانی کیوں نہیں رکھی تم نے، اچھے خاصے تو ہو تم لوگ کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا۔''

''ارے نہیں اللہ کا بڑا کرم ہے بس میری بہو خود اتنی سگھڑ اور سلیقہ شعار ہے کہ نوکرانی کی اسے ضرورت نہیں ہے، ورنہ پہلے تو نوکرانی ہی کام کرتی تھی۔''

''بھئی میرا کام تھا تمہیں سمجھانا آگے تمہاری مرضی، اچھا اب ہم چلتے ہیں ہمیں کہیں اور بھی جانا ہے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چل دی، ان کے جانے کے بعد ثمینہ بیگم نے عشاء کو بلایا۔

''عشاء بیٹا ذرا میری بات تو سنو۔''

''ابھی آئی مما۔'' اس نے کچن پر سے آواز دی، چند منٹ بعد وہ دوپٹے سے اپنے ہاتھ خشک کرتے ہوئے آئی۔

''جی مما کہیں؟''

''یہاں بیٹھو۔'' انہوں نے صوفے کی جانب بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

''تمہیں پتہ ہے عشاء کون تھیں؟''

''نہیں۔'' عشاء نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ طلحہ کی پھپھو لگتی ہے اور تمہیں پتہ ہے ں کا بڑا دل تھا اپنی بیٹی کی شادی طلحہ کے ساتھ نے کا، پھر جب اسے پتہ چلا کہ طلحہ کی شادی ے ہو رہی ہے تو یہ شادی پر بھی نہیں آئی نکہ تمہارے پاپا اور سالار خود کارڈ دینے گئے ے اور یہ بھی کہا تھا کہ طلحہ کی مرضی اس میں شامل ے ہم مجبور ہیں۔'' ثمینہ بیگم کی بات سن کر عشاء گئی پھر بولی۔

''تو آج پھر یہ کیا کرنے آئی ہیں جبکہ یہ اض تھیں۔''

''یہ صرف یہ دیکھنے آئی تھی کہ طلحہ کی پسند بھی ہے اور ویسے بھی اس کی بیٹی نادیہ کا رشتہ ے ہو چکا ہے اب تو ناراضگی کا سوال ہی پیدا یں ہوتا، بس میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارے جو ی ملنے والے آئیں ان کے ساتھ گھل مل کر بیٹھو، ہا بی ہیور رکھو، آخر انہیں بھی تو پتہ چلے ہمارا اب بالکل درست تھا۔'' انہوں نے پیار سے ں کا گال چھوا اور عشاء مسکراتے ہوئے اثبات ں سر ہلانے لگی۔

☆☆☆

یہ اتوار کا دن تھا، باقی لوگوں کو چھٹی تھی لیکن کی طبیعت آج کچھ خراب تھی تو وہ بھی ڈیوٹی پر یں گیا، دوپہر ڈھلنے پر اس نے بڑے اہتمام ے چائے تیار کی، ابھی چائے دم پر تھی کہ بیل ہو ی، حسب عادت اسے ہی دروازہ کھولنے جانا کیونکہ مما پاپا اپنے کمرے میں تھے، طلحہ بھی نے کمرے میں آرام کر رہا تھا، سالار اپنے کسی ست کے گھر گیا تھا، جب وہ دروازہ کھولنے گئی سامنے ایک چالیس اکتالیس سالہ آدمی کھڑا

''طلحہ ہے گھر پر؟'' اس آدمی نے عشاء کا عجیب سی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا، اچانک عشاء کو مما کی بات یاد آ گئی کہ ان کے رشتے داروں کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کریں تا کہ وہ ان کے انتخاب کو سراہے۔

''جی میں اس کا بہت بڑا خیر خواہ ہوں آپ جلدی سے اسے بلائیں۔'' اس نے پھر سے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا لیکن عشاء اس کی نظروں سے بے نیاز مسکراتے ہوئے بولی۔

''آپ اندر ہی آ جائیں ویسے بھی ان کی طبیعت خراب ہے۔'' وہ اسے لے کر اندر آ گئی اسے لاؤنج میں بیٹھایا اور خود طلحہ کے آنے والے کی اطلاع دے کر خود کچن میں چائے لینے چلی گئی، جب وہ چائے کی ٹرالی لے کر لاؤنج میں آئی تو طلحہ کا چہرہ سپاٹ اور وہ آدمی جانے کو تیار کھڑا تھا۔

''ارے آپ جا رہے ہیں ابھی ابھی تو آئے ہیں چائے تو پی لیں۔'' عشاء نے طلحہ کی جانب دیکھے بغیر اس آدمی سے اپنائیت سے کہا۔

''عشاء تم جاؤ میرے لئے ادرک والی چائے بناؤ میں یہ نہیں پیوں گا۔'' طلحہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''یہ تو ادرک والی چائے سے بھی بڑھ کر ہے۔'' عشاء صوفے پر بیٹھ کر اس آدمی کو چائے پکڑاتے ہوئے بولی۔

''تمہیں ایک بار میں سنائی نہیں دیتا، میں نے کہا نہ میں یہ چائے نہیں پیوں گا، جاؤ کچن میں جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں باہر مت آنا۔'' طلحہ نہایت غصے میں بولا تھا، عشاء نے اسے اتنے غصے میں کبھی بھی بات نہیں کی تھی، وہ چپ چاپ اٹھی کچن میں آ گئی۔

''پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے ان کو، ابھی تو اچھے بھلے تھے۔'' ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ طلحہ کی زور

دار آواز آئی۔
''آخر اس بے وقوف لڑکی کو کب عقل آئے گی مما۔'' اس نے طلحہ کی آواز سنی تو فوراً باہر آ گئی۔
''یہ جو ابھی آدمی آیا تھا تم اسے جانتی ہو کہ یہ کون تھا؟'' طلحہ نے غصے سے پوچھا۔
''نہیں، میں تو اسے نہیں جانتی۔'' وہ سہم کر بولی۔
''تو پھر یہ خوش اخلاقیاں کیوں دکھائی جا رہی تھیں، یہ اس گھٹیا کو گھر کے اندر اٹھا کر لے آئی اور اس کے ساتھ یوں اخلاقیات نبھا رہی تھی جیسے اس سے بڑی پرانی رشتہ داری ہو اس کی، پوچھیں اس سے اس نے یہ بے وقوفی آخر کیوں کی۔''
''عشاء تم اسے گھر کے اندر کیوں لائی ہو تمہیں اندازہ بھی ہے وہ کس قدر خطرناک انسان ہے۔'' ثمینہ بیگم بھی خفگی سے بولیں۔
''مما آپ نے اس دن خود ہی تو کہا تھا کہ ہمارے رشتے دار آئے تو ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرو میں نے تو بس وہی سوچ کر ہی اسے اندر لے آئی تھی۔'' عشاء منمناتے ہوئے بولی۔
''پتہ نہیں اس بے وقوف لڑکی کو کب عقل آئے گی، تمہیں مما نے رشتے داروں سے اچھا رویہ رکھنے کو کہا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ راہ چلتے غنڈے کو اٹھا کر سیدھا گھر میں لے آؤ، کم از کم مجھے تو بتا ہی سکتی تھی اسے اندر لانے سے پہلے۔'' طلحہ کا غصہ کسی طور کم ہونے پر نہیں آ رہا تھا، ایکدم عشاء کو بھی غصہ آ گیا۔
''آخر میرا کیا قصور ہے آپ کی پھپھو آئی تھی تو لگی الزام لگانے کہ مجھے دس گھنٹے دھوپ میں کھڑا کیئے رکھا اور آج میں نے اس آدمی کو اندر لے آئی تو آپ لوگ مجھے ہی الزام دے رہے ہیں۔'' وہ غصے سے رونے لگی۔

''میں تو تنگ آ گیا ہوں عجیب مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔'' وہ غصے سے کہتا ہوا سر تھام کر صوفے پر بیٹھ گیا، عشاء نے جب سنا تو جلدی سے اپنے کمرے میں گئی جب وہ باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا۔
''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''
''اگر تمہارا دماغ درست ہے تو اس وقت تم اپنے گھر میں ہی کھڑی ہو۔''
''مجھے اپنی امی کے گھر جانا ہے۔'' وہ بڑے سرد لہجے میں بولی۔
''میں تمہیں کل وہاں چھوڑ آؤں گا، آج ہمیں میرے ایک دوست کے گھر جانا ہے۔'' طلحہ نے آرام سے کہا۔
''میں کہیں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ مجھے بس میری امی کے گھر جانا ہے۔'' اس کے انداز میں رتی برابر فرق نہ آیا۔
''تمہیں ایک مرتبہ میں سمجھ نہیں آیا اور اگر تمہیں میرے ساتھ نہیں جانا ہے تو مت جاؤ اور ہی اپنی امی کی طرف جاؤ گی ویسے بھی آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''
''ہاں عشاء تم کل چلی جانا اور دو تین دن وہاں رہ بھی لینا۔'' ثمینہ بیگم بھی شائستگی سے بولی۔
''مجھے کچھ نہیں پتہ مجھے بس امی کے گھر جانا ہے۔'' عشاء ضد پر اڑی ہوئی تھی، طلحہ اور ثمینہ بیگم خاموش تھے۔
''آپ مجھے چھوڑنے جا رہے ہیں یا میں فیضان بھائی کو بلوا لوں۔''
''جیسی تمہاری مرضی۔'' طلحہ کہتے ہوئے اٹھا اور باہر چلا گیا، عشاء نے کمرے میں جا کر فیضان بھائی کو فون کیا اور جلدی آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا، فیضان بھائی جب اسے لینے آئے تو اتنا بڑا بیگ دیکھ کر بولے۔
''گڑیا کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے وہاں۔'' حیرانگی سے بولے۔
''گڑیا کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے وہاں۔'' حیرانگی سے بولے۔
''کیا مطلب بھائی، اب وہاں میرا اتنا بھی باقی نہیں رہا، میں وہاں اپنی مرضی سے کچھ رہ بھی نہ سکوں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔
''نہیں نہیں گڑیا وہ تمہارا گھر ہے، جب تک تمہارا دل چاہے تم وہاں رہو، میں نے تو ویسے ہی پوچھا تھا۔'' فیضان بھائی شرمندہ ہو گئے، گھر میں صرف ثمینہ بیگم ہی تھی باقی سب باہر تھے انہوں نے فیضان بھائی کو کچھ بھی نہیں بتانا مناسب نہ سمجھا اور عشاء کو ڈھیروں دعائیں دے کر ان کے ساتھ رخصت کر دیا۔

☆☆☆

فیضان بھائی کے ساتھ گھر آ گئی، امی نے اس کے چہرے کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا۔
''کیا ہوا عشاء وہاں پر، سب کچھ ٹھیک تو ہے نا؟'' ان کے تفتیشی انداز کی وجہ سے اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ کا نقاب اوڑھا۔
''ہاں امی سب بالکل ٹھیک ہے۔''
''تو پھر فیضان کو تم نے اتنی جلدی میں کیوں بلایا تھا؟''
''ویسے ہی امی میں آپ لوگوں سے بڑی اداس ہو گئی تھی، ویسے بھی اتنے دن ہو گئے تھے آپ سے ملے۔''
''عشاء طلحہ کہاں ہے وہ کیوں نہیں آیا؟''
''بھابھی بھی وہاں آ گئی اسے دیکھتے ہی اس کے ساتھ لپٹ گئیں۔''
''وہ بزی تھے بھابھی، اسی وجہ سے تو فیضان بھائی کو بلوایا تھا۔''

''ہاں عشاء ٹھیک کہا تم نے کام بھی تو بزی رہنے والا ہے ان کا۔'' امی بھی اس کی بات سے مطمئن دکھائی دینے لگی، اسی لئے مسکرا کر بولی۔
''تم ہاتھ منہ دھو لو میں تمہارے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔''
''جی اچھا۔'' وہ اطمینان سے کہہ کر اپنے اور سائرہ کے مشترکہ کمرے کی جانب بڑھ گئی۔
اسے یہاں آئے دوسرا دن تھا، وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی شادی کی تصویریں دیکھ رہی تھی کہ اس کا بھتیجا عمیر آ گیا۔
''پھپھو مجھ سے یہ کچھ سوال حل نہیں ہو رہے پلیز مجھے سمجھا دیں۔'' عمیر نے اپنی بک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔
''لاؤ۔'' عشاء نے اس سے کتاب لے لی اور اسے سوال سمجھانے لگی۔
''پھپھو یہاں پر کتنی گھٹن ہے، میرا دل گھبرا رہا ہے، باہر چل کر کریں۔'' اسے بھلا کیا اعتراض تھا فوراً ہامی بھر لی، عمیر اپنی بکس اٹھائے لاؤنج میں آ گیا، جہاں گڑیا پہلے سے ہی کارٹون دیکھ رہی تھی، موبائل کی بیل سے عشاء واپس اپنے کمرے میں چلی آئی عمیر سے کہہ کر ان کو دیکھو، اس کا اشارہ عمیر کی نوٹ بک کی طرف تھا، جب وہ واپس آئی تو فیضان بھائی عمیر کو ڈانٹ رہے تھے۔
''میں نے تم سے کہا تھا کہ پھپھو کے پاس جا کر پڑھو اور تم یہاں کارٹون دیکھ رہے ہو، تمہارے ایگزام کو چند دن رہ گئے ہیں۔''
''پاپا میں تو پڑھ ہی رہا تھا تو پھپھو خود اسے دیکھو کہہ کر اندر چلی گئی تھی۔''
''عشاء تم بھی کمال کرتی ہو، خیر تم اسے یہ سوال سمجھا دو کل اس کا میتھ کا ٹیسٹ ہے۔'' فیضان بھائی نے عشاء کو حیران چھوڑا اور گڑیا کو

لے کر اندر چلے گئے اور اس لمحے عشاء کو سالار بہت یاد آیا تھا، جب اس نے عشاء کی غلطی اپنے سر لے لی تھی۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس ایک ہفتے میں ایسی بہت سی باتیں ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے اسے طلحہ اور باقی گھر والے بے حد یاد آئے تھے، اس نے اتنی محنت سے بریانی بنائی تھی اور گھر والوں نے یہ کہہ کر اس کی بنائی بریانی کا مذاق اڑایا کہ ایسی پرہیزی اور پھیکی بریانی؟ جب اس نے طلحہ کے گھر بنائی تھی تو سب نے اتنی تعریف کی کہ اس کا سیروں خون بڑھ گیا تھا، وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر سب گھر والوں کو یاد کر رہی تھی کہ سائرہ کی اچانک آمد نے اسے چونکا دیا۔

''ہائے مسز ہاؤ آر یو۔'' سائرہ نے اس سے گلے ملتے ہوئے پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں اور تم بتایا تک نہیں کہ آ رہی ہو سرپرائز دینے کا شوق چڑھا ہے تمہیں۔''

''مجھے تو نہیں چڑھا تمہیں ضرور چڑھ گیا ہے، ایک ہفتے سے یہاں پر ہو، کہیں طلحہ بھائی سے کوئی جھگڑا وگڑا تو نہیں کر لیا تم نے۔'' سائرہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، عشاء یک ٹک اسے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھیں شفاف پانیوں سے بھرنے لگی اور اس نے کچھ بھی سائرہ سے نہ چھپایا اور اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا، عشاء کی باتیں سننے کے بعد سائرہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''الو گدھی بے وقوف لڑکی اتنی چھوٹی سے بات کا تم نے اتنا بڑا بتنگڑ بنا لیا ہے، شک تو مجھے پہلے ہی تھا کہ تمہارے دماغ میں بھس بھرا ہے یقین تمہاری اس حرکت نے کر دیا ہے۔''

''تم بھی مجھے ہی غلط سمجھ رہی ہو۔'' عشاء خفگی سے بولی۔

''تم غلط نہیں بے وقوف ہو، مانا کہ تم نے انجانے میں سب کیا، پر جب طلحہ تم سے کہہ رہا تھا کہ کل وہ خود تمہیں چھوڑ آئے گا تو پھر تم نے بلاوجہ کی ضد میں ناراض ہو کر یہاں آ گئی۔''

''ہاں ہاں سارا قصور میرا ہی ہے جو اس نے مجھے مصیبت کہا، اس کا کچھ نہیں اور میں ایک ہفتے کی یہاں ہوں، اس نے ایک بار بھی فون کر کے نہیں پوچھا۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ایسے ہی تمہاری ساس تین بار فون کر کے تمہارا پوچھ چکی ہیں، تائی بتا رہی تھیں اور تم نے ایک دفعہ بھی ان سے بات نہیں کی۔'' سائرہ طنزیہ بولی۔

''مان لیا کہ مما یا دوسرے گھر والوں نے مجھے کبھی کچھ نہیں کہا لیکن یہ معصوف ہر وقت منہ سے آگ اور آنکھوں سے شعلے برساتے ہیں شادی کے پہلے دن مجھے چھوڑ کر چور پکڑنے چلے گئے، مجھے تو لگتا ہے میں زبردستی اس کے سر تھوپ دی گئی ہوں۔'' عشاء اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

''اتنی بدگمانیاں پاگل لڑکی، تمہیں پتہ بھی ہے طلحہ نے تمہیں، خود زرین کی شادی پر پسند کیا تھا، اس کی سو فیصد مرضی شامل تھی تم سے شادی کرنے میں، کس میں اتنی ہمت ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر اس کی شادی تم سے کرواتے۔'' سائرہ کی بات نے عشاء کو چونکا دیا، اس دن ثمینہ بیگم نے بھی اس سے یہی بات کہی تھی۔

''اچھا تم چھوڑو یہ سب یہ بتاؤ تم اپنے گھر میں خوش تو ہو نا عدیل کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟'' سائرہ چند ثانیے چپ رہی پھر بولی۔

''عدیل بہت اچھے ہیں لیکن ممانی ان سے

تو اللہ پناہ دے ان کی موجودگی میں تو سانس بھی ان کی مرضی سے لینا پڑتا ہے، شادی کے پورے دو ماہ ہو چکے ہیں، پر ابھی تک مجھے اپنی صحیح جگہ نہیں ملی، سارا انتظام ممانی سنبھالتی ہیں کچن میں بھی ان سے پوچھ کر جانا پڑتا ہے اور طنز تو ان کی زبان سے چپکا ہوا ہے، ہر وقت کہتی ہیں عدیل کے لئے رشتے بڑے تھے وہ تو میری بھانجی سے شادی کرنا چاہتا تھا پر تمہارے ماموں کی ضد کے آگے دب گیا۔" سائرہ رنجیدہ ہو کر بولی۔

سائرہ کی بات سن کر عشاء کو ایک دھچکا لگا اسے شدت سے ثمینہ بیگم کی یاد آئی جب انہوں نے سارا گھر اس کے حوالے کر دیا تھا، اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

"ہیلو مما! السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام عشاء بیٹی کیسی ہو تم؟" دوسری جانب ثمینہ بیگم تھیں اور ان کے انداز سے بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا کہ ان کے درمیان کوئی بدمزگی ہوئی ہے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا آپ تو بس وہاں کی ہو کر رہ گئی ہیں، میں اتنے فون کیے ریحانہ کو لیکن تم مصروف تھی۔" ان کی باتوں سے عشاء شرمندہ ہو گئی۔

"ایم سوری مما! میں بہت شرمندہ ہوں اپنے سابقہ رویے پر، میں بے وقوف تھی، جو آپ لوگوں کے پیار کو سمجھ نہیں پائی، آپ پلیز مجھ سے ناراض نہ ہوں مما۔" عشاء بولتے بولتے رونے لگی۔

"نہیں بیٹا میں تم سے ناراض نہیں ہوں اور کوئی بھی تم سے ناراض نہیں ہے بلکہ تم تو ہمارا گھر سونا کر کے چلی گئی ہو، ہاں طلحہ کچھ خفا ہے تم سے، میں اسے بھیج رہی ہوں تمہیں لینے، اب تم ہی اس کی ناراضگی دور کرنا ٹھیک ہے۔"

"جی مما!" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"او کے بیٹا، اللہ حافظ۔" انہوں نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور عشاء یہ سوچنے لگی کہ طلحہ کی ناراضگی کیسے دور کی جائے۔

☆☆☆

اسے سائرہ نے آ کر بتایا تھا کہ طلحہ اسے لینے آیا ہے، اس نے اپنا سامان پہلے ہی باندھ رکھا تھا، اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ طلحہ کے سامنے جائے، آخر کار اس نے ہمت کی اور تیار ہو کر باہر نکلی تو سب سے پہلے اس کی نظر طلحہ پر پڑی جو عدیل اور سائرہ کے ساتھ بیٹھا کسی بات پر ہنس رہا تھا، طلحہ کی نگاہ اس پر گئی اور دوسرے لمحے اس نے نگاہ ہٹالی، عشاء چور سی بن گئی، پھر شروعات عشاء نے ہی کی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں اور کوئی نہیں آیا آپ کے ساتھ۔" اس نے بات بڑھائی جانتی تھی طلحہ اکیلا ہی آئے گا۔

"نہیں تم سامان لاؤ میں باہر تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" طلحہ نے کہتے ہوئے عدیل سے ہاتھ ملایا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، عشاء نے سامان اٹھالائی اور اسے گاڑی میں رکھ کر فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تو طلحہ نے گاڑی آگے بڑھا دی گاڑی کی خاموش فضا کو بھی عشاء نے ہی توڑا۔

"ناراض ہیں آپ مجھ سے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں ہوں۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" عشاء نے سوال داغا۔

"تمہاری ضد کی وجہ سے۔"

"میں نے کون سی ضد کی ہے۔" وہ انجان بن کر بولی۔

"تمہیں نہیں پتہ کیا؟" طلحہ نے الٹا سوال کیا۔

"اچھا تو آپ میری امی کی طرف آنے کی وجہ سے ناراض ہیں، وہ تو مجھے اس وجہ سے غصہ آیا تھا کہ آپ نے مجھے مصیبت کہا تھا۔" وہ اتنی جلدی بولی کہ طلحہ ہنس دیا۔

"ہائے آپ ہنس دیئے، اس کا مطلب آپ ناراض نہیں ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ناراض تو میں ہوں۔" وہ مصنوعی غصے میں بولا۔

"واقعی آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" اس نے آواز میں آنسو بھر کے کہا۔

"پلیز رونا مت عشاء میں ناراض نہیں ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"سچ!" وہ خوشی سے بولی۔

"مچ!" طلحہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ویسے ایک بات ماننی پڑے گی تمہاری بے وقوفیوں کی وجہ سے گھر میں ایک رونق تھی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا میں بے وقوف ہوں؟" عشاء خفگی سے بولی۔

"بالکل!" وہ پھر سے مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے میں بے وقوف ہی سہی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"تم ہنستے ہوئے بہت اچھی لگتی ہو تمہیں پتہ ہے تمہاری ہنسی کی وجہ سے میں نے تمہیں پسند کیا تھا اور تم سے شادی کر لی۔" اس انکشاف پر وہ حیران ہوئی اور پھر زور زور سے ہنسنے لگی، اسے پتہ چل گیا تھا یہ ایک شخص ہی ہے جو اس کے ہر دکھ کا ساتھی ہے، طلحہ نے مسکراہٹ کو ہونٹوں پر سجایا اور گاڑی کو گھر کی جانب موڑ دیا۔

☆☆☆

اُم مریم

بارھویں قسط کا خلاصہ

زیاد پہ جب زینب کی حقیقت کھلتی ہے تو وہ جہان سے معذرت کرنے میں دیر نہیں لگاتا مگر اس غلط فہمی کے چکر میں نوریہ اس سے بدگمان ہو جاتی ہے، جہان چاہنے کے باوجود خود کو سنبھال رکھنے کی کوشش میں ناکام ہے، اس پہ معاذ حسن کی خفگی جب زینب پہ ظاہر ہوتی ہے تو زینب اپنا سارا غصہ جہان پہ نکال کر اس کے اضطراب میں اضافہ کر دیتی ہے۔

پرنیاں شاہ ہاؤس کے مکینوں کی محبتیں اور اہمیت پا کر بھی خود کو ادھورا محسوس کرتی ہے، معاذ حسن کے حوالے سے مستقبل کا خوف اسے پریشان کیے ہے۔

مسز آفریدی اپنے منصوبے کے مطابق جہان کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرتی جا رہی تھی، جہان ژالے کی سالگرہ پہ جاتا ہے تو اسے گھر میں ژالے ہی ملتی ہے مسز آفریدی اس وقت پہنچتی ہیں جب وہ واپسی آ رہا ہوتا ہے، جہان کو ان کی اس حرکت پہ غصہ ہے۔

معاذ کی اسٹڈی کمپلیٹ ہو جاتی ہے تو وہ واپس آنے کا جہان کو بتاتا ہے ساتھ ہی پرنیاں کے حوالے سے دل شکن باتیں بھی کرتا ہے جو جہان کو پسند نہیں آتیں۔

زیاد، نوریہ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہے مگر جواب میں اس کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زیاد اپنا مسئلہ مما سے بیان کر کے نوریہ سے شادی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیرھویں قسط

جہان اسے منجمد کر دینے والی حیرت اور شاک سے نکلا تو طیش اور غیض سے اس کی آنکھیں سرخ ہو کر انگاروں کی طرح سے ہی دہک اٹھی تھی، مسز آفریدی کا تحکمانہ انداز اور رعونت بھرا لہجہ اسے سراسر توہین آمیز لگا تھا جبھی وہ بپھر کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ شاید اپنے کسی زعم میں مجھے حکم دے رہی ہیں مگر میں آپ کی غلط فہمی دور کر دینا چاہوں گا کہ میں حکم تو کیا اگر آپ گزارش بھی کرتیں تو میں اسے بھی رد کر دیتا، بی کوز میں نہ تو آپ کا غلام ہوں اور نہ ہی آپ کے وسیع و عریض بزنس سے متاثر ہونے والا آدمی، اب چلتا ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھ سے دوبارہ اگر کبھی ملیں بھی تو ایسی بات نہیں کریں گی۔"

وہ نہ چیخا تھا نہ پھنکارا تھا، اس کا ٹھہراؤ لئے لہجہ اپنے اندر ایک خاص قسم کا دباؤ لئے ہوئے تھا اور مسز آفریدی جو بلاشبہ اس کے انداز اس کی چال ڈھال میں اور بات کرنے کے انداز میں اسی خاص متانت ٹھہراؤ اور تمکنت کی شائق تھیں اس پل بڑے طنز بھرے انداز میں مسکرائیں اور آگے بڑھ جانے والے جہان کا سرعت سے اٹھ کر ہاتھ پکڑ کر جہالت بھرے انداز میں کھینچ کر گویا اسے روکنا چاہا، جہان پہ ان کی شخصیت کا ایک اور رنگ واضح ہوا تو چہرے پہ موجود تاسف میں اضافہ ہو کر رہ گیا، اس نے ایک جھٹکے پہلے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکالا تھا پھر رسان بھرے مگر سرد لہجے میں بولا تھا۔

"ایکسکیوزمی، مجھے کس بدتمیزی پہ آمادہ مت کریں، آپ کو کم از کم اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ آپ خاتون ہیں اور عمر میں میری والدہ کے برابر۔"

مگر مسز آفریدی پہ اس کے کاٹ دار طنز کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تھا، انہوں نے سلگتی نظروں سے کچھ دیر اسے گھورا پھر زہر خند سے بولی تھیں۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے البتہ تمہیں وہ بھولی باتیں ضرور یاد کرانا چاہوں گی جنہیں تم بڑی آسانی سے فراموش کر گئے ہو، مگر میں نہیں کر سکتی جوان بیٹی کی ماں ہوں نا، پتہ ہے نا عورت کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے۔" ان کے الفاظ کی معنی خیزی اور سنگینی نے جہان کو حیران ہی نہیں کیا وہ ٹھٹھک بھی گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"تم شادی کرو گے ژالے سے بس؟"

وہ اس کی ان سنی کیے اپنی بات دہرا کر بولیں تو جہان کا دماغ جیسے الٹ کر رہ گیا تھا۔

"آر یو میڈ؟" وہ چیخ گیا تھا شیشے کی مانند۔

"اوکے فائن!" انہوں نے اطمینان سے مسکرا کر اپنا بیگ اٹھا کر اس کی زپ کھولی پھر ایک لفافہ کھول کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

"اس میں تمہاری وہ امانت میرے پاس جو تمہارے بات مان لینے کی صورت میں اتنی خطرناک نہ رہتی جتنی اب ہو جائے گی، اس کی مزید کاپیاں میرے پاس ہیں تم نے اگر انہیں دیکھنے کے بعد بھی اپنا فیصلہ نہ بدلا تو یہ اسی روز شاہ ہاؤس کے مکینوں کے پاس پہنچ جائے گا، بہت مان اور بھروسہ ہے نا انہیں تم پہ، تمہاری کزن نے تمہیں اپنے حق میں استعمال کیا اور تمہاری شرافت پھر بھی

مشکوک نہیں ہوئی مگر سویٹ ہارٹ اب یہی شرافت دھجیوں میں بکھر جائے گی بلاشبہ۔"

جہان جوان کی باتوں کو خاطر میں نہیں لا رہا تھا مگر ان کی اس درجہ درست معلومات نے اسے ہکا بکا کر کے رکھ دیا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" اس کا سکتہ ٹوٹا تو ساتھ ہی طنطنہ بھی ٹوٹ گیا تھا جسے محسوس کر کے مسز آفریدی تفاخر سے مسکرائیں وہ پوری طرح معاملہ نہیں بھی سمجھا تھا مگر اتنا تو اندازہ کر سکتا تھا یہ شاطر عورت اسے بلیک میل کرنا چاہ رہی ہے۔

"اپنے گھر جا کے اطمینان سے دیکھ لینا جلدی کیا ہے سویٹ ہارٹ!"

وہ بے حد پرسکون نظر آئی تھیں گویا انہیں اپنی فتح کا یقین کامل ہو، جہان نے اب کے تردد نہیں کیا تھا اور وہ سفید بھاری منہ بند لفافہ ان سے لیا تو اس کے مضبوط آہنی ہاتھ کی گرفت کمزور تھی اور ہاتھ میں بہت واضح کپکپاہٹ اتر آئی تھی، مسز آفریدی کی مکروہ مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں اندھیرے سمیٹ رہی تھی، بے حد اپ سیٹ سا جب وہ گھر پہنچا تو سورج مکمل طور پہ غروب ہو چکا تھا، جاتی گرمیوں کی یہ ایک خوشگوار شام تھی مگر اس کے اندر بلا کا حبس تھا، کوٹ کی جیب میں پڑا وہ بند لفافہ اسے سانپ بچھو کی طرح زہریلا محسوس ہو رہا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا مسز آفریدی اس حد تک گھٹیا پن پہ اتر آئیں گی، اس نے صرف تصویر ہی دیکھی تھیں مووی دیکھنے کا وہ خود میں ہرگز حوصلہ نہیں پاتا تھا، پہلی تصویر جو اس کے ہاتھ میں آئی تھی وہ ان لمحوں کی تھی جب جہان نے مسز آفریدی کے پیچھے پڑ جانے پہ بیزاری سے سہی مگر بے ہوش ژالے کو بانہوں میں اٹھا کر اس کے کمرے میں پہنچایا تھا، کتنے مختلف پوز تھے، ژالے کو بانہوں میں لئے بیڈ پہ لٹاتے ہر ہر جگہ یہ وہ اس کے اتنا نزدیک تھا گویا فاصلوں کا گمان ختم ہو گیا تھا، پھر باقی کی تصویریں سالگرہ کے موقع کی تھیں وہ ژالے کے پیچھے کھڑا تھا حالانکہ وہ زنجیر کو چھڑا رہا تھا مگر دیکھنے میں یوں لگتا تھا وہ اسے لاکٹ پہنا رہا ہوں، ژالے کا دوپٹہ اس کے پیروں میں پڑا تھا اور وہ جھکی ہوئی اپنا دوپٹہ اٹھا رہی تھی، یہ تصویر دیگر تصاویر سے بھی کہیں بڑھ کے معنی خیزیت لئے ہوئے تھی، جہان کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ نکلا پورا وجود یوں جلنے لگا جیسے یکلخت کسی نے اسے الاؤ میں دھکیل دیا ہو، اس نے ایک وحشت کے عالم میں ہر تصویر کے ٹکڑے کیے تھے اور سی ڈی ڈسک کو توڑ کر پھینک دیا پھر بھی اس کے اندر سرسراتی وحشت میں کمی نہیں آئی تھی تو بنا سوچے سمجھے گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا، جس وقت وہ آفریدی پیلس کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا مسز آفریدی کی گاڑی زن سے اس کے پاس آن رکی۔

"ہیلو ینگ مین!" وہ اسے دیکھ کر شوخی سے ہنسی تھیں، جہان نے جواباً کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"خرانٹ بڑھیا تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ وہ سب فضولیات میرے حوالے کر دو ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔" وہ مرنے مارنے والے تاثرات سمیت آگے بڑھا اور کھڑکی کے کھلے شیشے سے ہاتھ اندر داخل کر کے ان کی گردن دبوچ لی، مسز آفریدی نے بدحواس ہو کر اس کی شکل دیکھی جہاں جنوں خیزی اور وحشت کا بسیرا تھا، وہ یقیناً حواسوں میں نہیں رہا تھا، تنے ہوئے ابرو اور

دھونکنی کی مانند چلتا سانس وہ بولا تھا تو اس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی، جب تک واچ مین اور ڈرائیور جہان تک پہنچے وہ مسز آفریدی کی اچھی خاصی حالت بگاڑ چکا تھا، آنکھوں سے بہتا پانی اور بری طرح بکھرے بالوں کے ساتھ کھانستیں ہوئیں وہ ایک تحیر ایک خوف کے عالم میں واچ مین اور ڈرائیور سے تن تنہا جہان کو نبرد آزما دیکھنے لگیں، وہ لڑائی بھڑائی کا شوقین شر پسند لڑکا نظر آ رہا تھا جو غصے اور اشتعال سے بپھر کر بے حد خطرناک ہو گیا تھا، ہٹے کٹے مرد اس کے آگے گویا پلاسٹک کے پتلے تھے، جنہیں وہ بڑی آسانی سے ساتھ اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا اور اس کا غصہ تھا کہ پھر بھی ختم نہیں ہوتا تھا، اچھا خاصا تماشا بن کر رہ گیا تھا، آس پاس کے گھروں کے چوکیدار اور کرکٹ کھیلتے بچے بھی متوجہ ہوئے تب مسز آفریدی جیسے چونکیں اور خود کو سنبھال کر گاڑی سے اترنے کے بعد آگے بڑھ کر واچ مین اور شوفر کو اس سے بامشکل چھڑا کر اندر بھیجا تھا پھر اس کی سمت دیکھ کر پھنکار کر بولی تھیں۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم اپنے لئے کتنا خطرہ مول لے چکے ہو، جو کام مجھے ذرا تاخیر سے کرنا تھا وہ آج ابھی اسی وقت کروں گی، میں چاہتی تھی تم انسانوں کی طرح ری ایکٹ کرو مگر شاید شرافت تمہارے اندر ہے ہی نہیں، ہوگا تو وہی جو میں چاہوں گی، تمہیں عزت سے منظور نہیں ذلت سمیت کرنہ تو یونہی سہی۔" ان کی یہ دھمکی جہان کے اعصاب ٹھٹھرا کے رکھ گئی، طیش اور اشتعال پہ بے بسی نے لمحوں میں غلبہ پایا اور وہ جیسے بھربھری مٹی کی مانند بیٹھتا چلا گیا، ان کے انداز میں خطرناک عزائم تھے، جہان کو لگا تھا وہ کھڑا نہیں رہ سکے گا، مسز آفریدی تنتناتی ہوئیں اندر جا چکی تھیں وہ واپس جانے کی بجائے ان کے پیچھے جانے کو لپکا تو اس سے عزت افزائی کرا لینے کے باوجود واچ مین نے کڑک دار آواز میں اسے ٹوکا تھا۔

"اک قدم بھی آگے نہ بڑھانا بابو ورنہ امارا بندوق گولی داغ دے گا۔" جہان نے بھنچ کر سرخ لہو رنگ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"اپنی میم صاحبہ سے کہو مجھ سے بات کریں پلیز۔" وہ اپنا سارا طنطنہ بھلائے مدھم آواز میں جس وقت کہہ رہا تھا مسز آفریدی شعلہ جوالہ بنی اندر سے باہر آئی تھیں اسے روبرو پا کر جیسے آتش فشاں لاوے کی طرح سے پھٹ پڑیں۔

"جابر خان اسے اٹھا کر باہر پھینکو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔" وہ حلق کے بل غرائیں تھیں، جہان ان کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر ان کے پاس چلا آیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میں ابھی کراچی روانہ ہو رہی ہوں، تمہارے کالے کرتوت تمہاری فیملی کو دکھانے پھر انکار کر کے دکھانا مجھے۔" وہ چنگھاڑیں اور جہان لمحوں میں سرد پڑ گیا تھا۔

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی پلیز، میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں سنیں تو......" وہ یکا یک ان کے سامنے سارے ہتھیار پھینک کر شکست تسلیم کر گیا تھا تو وجہ محبت کے بعد اب شاہ ہاؤس سے وہ اپنی عزت گنوانے کے حق میں ہرگز نہیں تھا، کیا وہ یقین دلا سکتا تھا کسی کو یقیناً نہیں، وہ یوسف نہیں تھا کہ اس کے لئے گواہی اتر آتی، اسے ہار ماننا ہی تھی، اس کے وجیہہ چہرے پہ

اندرونی کرب اور بے بسی کا واضح اظہار چھلکتا تھا وہ ٹوٹا ہوا شکستہ خوردہ نظر آتا ہوا جہان مسز آفریدی کی انا کی تسکین بن گیا انہوں نے گہرا سانس بھر کے مگر نخوت سے اسے دیکھا۔

"اندر چلو کرتے ہیں بات اس موضوع پہ۔" انہوں نے رعونت سے اکڑی گردن کو کچھ اور اکڑا کر اپنا رخ پھیر لیا، جہانے متذبذب سا وہیں کھڑا رہا۔

"میں آپ کی بات مان رہا ہوں نا ابھی فی الحال مجھے جانے دیں۔" اس کے اندر جو شکست و رنجیت اتری تھی اس کے بعد تنہائی ہی اس کی بہترین ساتھی ہو سکتی تھی۔

"احمق سمجھ لیا ہے مجھے اندر چلو میرے ساتھ، اونہہ زبانی بات مان لی اور میں یقین کر لوں۔" وہ چڑ کر تلخی سے بولتی چلی گئیں تو جہان نے جلتی آنکھوں سمیت انہیں دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ میں سمجھا نہیں؟"

"اندر چلو میں سمجھاتی ہوں۔" انہوں نے نخوت زدہ تاثرات سمیت کہا اور خود بے نیازی سے آگے بڑھ گئیں جہان کو ان کی تقلید میں قدم اٹھانے پڑے تھے۔

"تمہارا نکاح آج ہی ہوگا اور ابھی، تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ مجھے اب تم پہ تمہاری زبان پہ اعتبار نہیں ہے۔" ان کے الفاظ نے جہان کو بھک سے اڑا دیا تھا، پیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے بعد ان کا ارادہ سر سے آسمان کھینچ لینے کا بھی تھا، یوں لگتا تھا ان کی ذہنی حالت بگڑ سی گئی ہو، جہان یوں ساکن تھا جیسے پتھر کا ہو گیا ہو، کمرے میں دو نفوس موجود تھے مگر خاموشی ایسی تھی کہ وحشت کا گمان ہونے لگتا۔

"تم خاموش کیوں ہو، اپنا فیصلہ سناؤ مجھے، بلکہ فیصلہ تو تم دے چکے میرے حق میں ہے نا؟"

جہان نے بے بسی اور اضطراب بھری ملتجی نگاہوں سے انہیں دیکھا اسے اپنی زندگی کا یہ مقام بے حد کٹھن اور بے رحم محسوس ہوا تھا۔

"میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہوں آپ میری فیملی سے......"

"مجھے کسی سے نہیں ملنا، مجھے تم پسند آئے ہو بس، ثرا لے کی شادی مجھے تمہارے ساتھ کرنی ہے سمجھے!" مسز آفریدی کا انداز اس مرتبہ توہین آمیز اور دھتکارنے والا تھا جہان کا چہرا سرخ پڑ گیا، مسز آفریدی نے اسے بڑی جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"ایسا کرو فی الحال نکاح کر لو رخصتی بعد میں کرا لینا اپنی فیملی کو اعتماد میں لینے کے بعد، تم کہو تو میں ان لوگوں پہ تمہارا نکاح بھی ظاہر نہیں کروں گی نو مینشن! مگر میں تمہیں یہاں سے نکاح کے بغیر نکلنے نہیں دوں گی۔" وہ بڑے ٹھسے سے بولی تھیں، جہان کے پاس ان کی بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

☆☆☆

پھر دامن امید وہ پھولوں سے بھر گیا
جادو بھری نگاہ سے جادو سا کر گیا
بس دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
کچھ سوچتے ہی سوچتے چہرا اتر گیا

بے تاب بے قرار تھا پہلو میں دل بہت
پھر آپ کا آنا اور بھی بے تاب کر گیا
اک بے خودی کا نام محبت ہے دوستو
چاہت میں کس کو ہوش کہ کیا کیا گزر گیا
کچھ بھی پتہ نہیں ہے محبت میں اے محسن
کب رات صبح بن گئی کب دن گزر گیا

وہ پچھلے دو گھنٹوں میں یونہی ساکن بیٹھی تھی، مدہوشی و سرشاری کی عجب کیفیت تھی جس نے سب کچھ فراموش کرا دیا تھا، ایک نیا جہان تھا دھنک رنگوں سے سجا، گنگناتی ہوائیں متبسم مہکی فضا میں اور سنہرے پروں کے ہمراہ اس کا اڑتا ہوا وجود، اس کے اندر کتنی کیف آگئیں سرشاری اتر آئی تھی، وہ شخص جسے دیکھنے سے بھی وہ گریزاں رہا کرتی تھی، کہ دل سوالی بن کر آنکھوں میں آ بیٹھتا تھا، کتنی حسرت زدہ خواہش تھی، اس کو پانے کی، وہ تو کبھی ڈر کے مارے اسے پانے کی دعا بھی رب سے نہ مانگ سکی تھی کہ اس نے کبھی خود کو اس بے انتہا شاندار شخص کے قابل سمجھا ہی نہ تھا، وہ جو زندگی میں پہلی بار اسے ملا تھا مگر اس کی زندگی کو نئے راستے پہ ڈال گیا تھا، نیندیں گروی رکھ کر وہ بس اسے سوچا کرتی آنکھ کو اس سے کیا غرض کہ وہ ملتا ہے یا نہیں، پرایا ہے یا سگا وہ تو جس چہرے میں کھو جاتی ہے اسی کی ہو کر رہ جاتی ہے، ہے پھر دل کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس خاص چہرے کو اپنے نہاں خانوں میں سجا لے، اس نے مردوں کے بہت سے روپ دیکھے تھے، مگر یہ روپ انوکھا تھا، کھڑی ستواں ناک اس کے ازلی غرور کو دوام دیتی محسوس ہوتی تھی، سحر طراز غلافی آنکھیں گویا پورے چہرے پہ حکمرانی کرتی تھیں اور یہی آنکھیں دوسری آنکھوں میں اپنے خواب سجانے کی صلاحیت بھی بھرپور رکھتی تھیں، خدایا اس ایک چہرے میں اتنی خوبصورتی کیوں بھر دی، تب پہلی بار اس نے اس شخص کے سامنے پوری طرح ہارتے ہوئے اپنے مالک سے کتنی بے بسی میں مبتلا ہو کر کہا تھا۔

وہ جب بھی اس کی دراز پلکوں سے مزین آنکھیں دیکھتی گویا نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹنے سے انکاری ہونے لگیں، وہ بھلا اتنی بے اختیار کب سے ہو گئی تھی، جیسے کسی مکڑی کے جالے میں پھنستی جا رہی ہو، وحشت اور بے اختیاری کا سفر غیر یقینی حالات میں طے کرنا بہت مشکل ہوا کرتا ہے، اس کے خیمہ دل میں جیسے کوئی جگنو ٹھہر گیا تھا، نارسائی کا احساس الگ جان لیوا تھا کہ اچانک محبت و نارسائی کے اس چلچلاتے صحرا میں ابر رحمت چھائی اور معجزہ ہو گیا، یہی معجزہ ہی تو ہوا تھا، وہ جس کا تصور بھی اس کے آس پاس نہیں تھا، بھلا جہانگیر جیسے آدمی کو بھی کوئی لڑکیوں کی کمی تھی جو وہ خود سے اس کا طلبگار ہوتا اور وہ بھی اتنی عجلت میں اتنی افراتفری کے عالم میں کہ فوری نکاح کا تقاضا کر دیتا، کتنا حیران ہوئی تھی وہ مسز آفریدی کے منہ سے یہ بات سن کر اس کی غیر یقینی اور تسخر کو دیکھ کر ہی مسز آفریدی مسکرائی تھیں، پھر نرمی و محبت سے اس کا گال تھپکا تھا اور رسان سے بولی تھیں۔

"جہان کی تو یہ کب کی خواہش ہے، وہ کئی بار مجھ سے یہ خواہش ظاہر کر چکا تھا، میں ہی ڈبل مائنڈڈ تھی بیٹا، ایکچو لی اس کی فیملی میں کچھ پرابلم ہے، وہ جہانگیر کی شادی خاندان سے باہر نہیں کرنا

چاہتے جبکہ جہان کو تم اتنی پسند آگئی تھیں کہ وہ ہر صورت تم سے شادی کا خواہاں تھا، میں چاہتی تھی کہ وہ اپنی فیملی کو لے کر آئے پرپوزل کے لئے......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی، ژالے کے چہرے پہ دھنک کے رنگ تھے مگر ساتھ ساتھ وضاحت تجسس اور شوق کی کیفیت بھی واضح تھی۔

"کیا اب ان کے پیرنٹس مان گئے ہیں؟" ژالے نے نگاہیں جھکالی تھیں، اس پل اسے خود سے بھی بہت ٹوٹ کر حیا آ رہی تھی تو مسز آفریدی کا سامنا بھلا کیسے کرتی اور یہیں وہ مات کھا گئی تھی، مسز آفریدی کے لئے اسے دھوکہ دینا اتنا مشکل نہیں تھا اس صورت میں تو بالکل نہیں وہ نظر ملا کے ان سے بات بھی نہ کر سکے۔

"جہان کے پیرنٹس نہیں ہیں، وہ اپنے چچاؤں کے ساتھ رہتا ہے اور چچا کی خواہش اسے اپنا داماد بنانے کی ہے، ظاہر ہے اتنا شاندار لڑکا کون ہاتھ سے گنوانا چاہے گا۔"

اس طرح کی اور بیشتر باتیں اور ژالے ان کی باتوں میں آ گئی تھی، نکاح جتنی عجلت میں ہوا تھا اس میں کسی دھوم دھڑکے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، مسز آفریدی نے بتایا تھا جہان کسی کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا ہے، جانے سے قبل وہ یہ اہم کام کرنا چاہتا ہے، بھلا ژالے کے لئے اس اعزاز سے بڑھ کر بھی کچھ اہم تھا، وہ تو اس پل سب کچھ بھول گئی تھی، جہان کی بے اعتنائی سے لے کر اس کی نگاہ کے سرسری پن تک کو، اسے یاد رہ گیا تھا تو وہ جھوٹ کا سنہرا پن جو مسز آفریدی نے بہت خوبصورتی سے اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلایا تھا اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کا اسے فی الحال احساس تک نہ ہو سکا تھا، نکاح کے بعد اس کے اندر خوش فہمیوں کے لاتعداد قافلے آسمان ٹھہرے تھے، جبھی تو وہ جہان سے کسی مزید پیش رفت کی منتظر تھی، مگر شام رات میں بدل گئی مگر وہ اس کے پاس نہیں آیا، حالانکہ وہ ہر آہٹ پہ چونکی اور دل کو سمیٹ کر آنکھوں میں اترتے دیکھتی رہی تھی، دروازہ کھلا اور وہ ایک بار پھر دل و جان سے متوجہ ہوئی تھی مگر چوکھٹ پہ مسز آفریدی کو ایستادہ پایا تھا۔

"شاہ چلے گئے مما!" اس کی آس مندانہ نظریں ان کی جانب لمحہ بھر کو اٹھی تھیں، وہ مسکرائیں اور آگے بڑھ کر والہانہ انداز میں لپٹا کر اسے پیار کیا تھا۔

"ہاں کچھ جلدی میں تھا، ملنا چاہ رہا تھا تم سے مگر ایمرجنسی کی وجہ سے جانا پڑ گیا، اب وہ تمہارا ہے میری جان سر سے لے کر پیر تک، جہاں بھی چلا جائے تمہارا ہی رہے گا۔" انہوں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ ژالے بری طرح سے بلش ہو کر رہ گئی تھی، گلابی چہرا سرخ ہونے لگا اور ریشمی لرزتی پلکیں اس پل حیا کے بوجھ سے اٹھنے سے انکاری ہو گئیں مسز آفریدی نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا پھر فتح مندی کے بھرپور احساس سمیت مسکرائی تھیں۔

"یہ دیکھو جہان تمہارے لئے دے کر گیا ہے، کہہ رہا تھا تمہیں دے دوں۔" انہوں نے ہاتھ میں موجود مخملیں کیس اس کے سامنے کیا، ژالے کی نگاہیں حیرانی سے اٹھی تھیں، سرخ مخملیں کیس میں طلائی جڑاؤ کنگن اپنی خیرہ کن چمک دمک سے نگاہوں کو ٹھٹکا گئے تھے۔

"کہہ رہا تھا، نکاح کی خوشی میں حقیر سا تحفہ ہے ابھی پہن لو۔" ژالے جیسے مسمرائز ہو گئی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر کیس تھام لیا، شنگرفی ہونٹوں کی تراش میں دل آویز حد ہوش کن مسکان مچل گئی

تھی تو چہرے کے خدوخال میں اہمیت و چاہت کے احساس نے خفیف سی سرخی دوڑا دی مگر دل شاید کچھ کمی محسوس کر رہا تھا، جبھی اس کے لبوں سے نا تمام حسرت الفاظ کی صورت نکل گئی تھی۔

"ایسی کون سی ایمرجنسی تھی، وہ خود بھی تو دے سکتے تھے نا مجھے۔"

"افوہ، اب اس معمولی سی بات کو لے کر ہرٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے بنی! ابھی رخصتی تھوڑا ہی ہوئی ہے، ابھی وہ اپنے گھر والوں کو منائے گا پہلے۔" ان کی بات پہ ژالے نے کوئی تبصرہ نہیں کیا، سر جھکائے کنگن کے نفیس ڈیزائن پہ انگلی پھیرتی رہی۔

"میری بیٹی خوش ہے نا، میں جانتی تھی جہان کو تم پسند کرتی ہو، جبھی تو اسے انکار نہیں کیا؟" انہوں نے آگے بڑھ کر ژالے کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لے کر شریں لہجے میں کہا تو ژالے چونکی پھر بے طرح جھینپ گئی تھی، اس کا سرخ پڑتا چہرا دیکھ کر مسز آفریدی بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"تم نے مجھے نہیں بتایا تو کیا فرق پڑا، میری جان میں ماں ہوں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔"

ژالے کی خفت اور حیا میں کچھ اور اضافہ ہوا تو ہونٹ کچلتے ہوئے آہستگی سے رخ پھیر لیا، مسز آفریدی چند ثانیے اسے یونہی دیکھتی رہیں پھر پلٹ کر گئیں تو اسے کھانے کے لئے ٹیبل پہ آنے کا کہہ گئی تھیں، ژالے کچھ دیر یونہی کھڑی رہی تھی پھر اس نے کیس سے کنگن نکالے تھے اور بہت آہستگی سے سجاؤ کے ساتھ اپنی کلائی میں پہن لئے، مرمریں سفید کلائی ایک دم سے جیسے اس آرائش کے بعد جگمگا اٹھی مگر اس سے کہیں بڑھ کر اس کی آنکھوں میں چمک تھی، ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے خود کو بے حد آسودہ محسوس کیا تھا، پھر جانے کس جذبے کے تحت جھک کر کلائی میں بہار دکھاتے کنگن پہ اپنے ہونٹ رکھ کر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

تتلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
دیکھ کر پرندوں کو باندھنا نشانوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
گفتگو ہنر اس کا خامشی میرا شیوہ
میری بے گناہی کو لوگ کب مانیں گے
بات بات پر جبکہ مانگنا حوالوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
تم ابھی نئے ہو نا اس لئے پریشان ہو
آسمان کی جانب اس طرح مت دیکھو
آفتیں جب آئی ہوں تو ٹوٹنا ستاروں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

اس نے سگریٹ کا طویل کش لیا اور جلتی آنکھیں کچھ لمحوں کو موند لیں، اس کے پورے وجود

میں جیسے بھانبھڑ جل اٹھے تھے، زینب کے بعد مسز آفریدی اور ژالے نے اسے ناقابل تلافی نقصان اور شکست سے دوچار کیا تھا، اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سے نفرت محسوس ہوئی تھی، مسز آفریدی کے ساتھ ساتھ ژالے سے بھی، وہ دکھ اور حیرت میں مبتلا یہ سوچ رہا تھا کوئی اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی خاطر اس حد تک بھی گر سکتا ہے، اگر دیکھا جاتا تو جو کچھ کیا گیا تھا اس میں رسوائی اور ذلت کا سامان صرف جہان کے لئے ہی تو نہ تھا، ژالے لڑکی تھی وہ اس سے زیادہ بدنامی اور رسوائی پاتی مگر یہ احساس تو اس صورت میں ہوتا اگر غیرت و حمیت زندہ ہو...... وہ کس درجہ غیرت مند تھیں یہ وہ اسی لمحے جان گیا تھا، اسے تاسف و ملال تھا تو اس بات کا وہ مسز آفریدی کو پہلی نگاہ میں ناپسندیدگی کا درجہ دے کر بھی ان کی جانب سے محتاط کیوں نہ رہا، آخر وہ اتنا آسان ہدف کیوں ثابت ہوا ان کے لئے رنج اور تاسف و ملال تھا کہ ڈھلتا ہی نہ تھا، غم و غصے اور جھنجھلاہٹ کا وہ عالم کہ وہ پچھلے چوبیں گھنٹوں سے اپنے کمرے میں مقید تھا، سیل فون آف تھا کھانا پینا موقوف بس سگریٹ پہ تکیہ تھا، نفرت و انتقام کی آگ اسے سرتاپا جلا کر خاکستر کیے دے رہی تھی۔

میری ذات ذرۂ بے نشاں
میری ذات ذرۂ بے نشاں

اس نے درد سے پھٹتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بھینچتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ زور سے سر جھٹکا تھا کھلی کھڑکی سے ہوا کے دوش پر لہراتی سنگر کی آواز اس کی سماعتوں میں اتر کر اس کی بے بسی اور اذیت میں اضافہ کرنے لگی۔

میں وہ کس سے کروں بیاں جو کیے گئے ہیں ستم یہاں
سنے کون میری وہ داستاں کوئی ہم نشیں ہے نہ راز داں
میری ذات ذرۂ بے نشان میری ذات ذرۂ بے نشاں

یکلخت اس کی آنکھوں کی جلن اور سر کے درد میں اضافہ ہونے لگا، اسی پل دروازے پہ ملازم کی دستک اور آواز سنائی دی تھی، جہان چونکا اور کچھ ثانیوں کو خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتا رہا، پھر آگے بڑھ کر بالٹ گرا کر پٹ وا کیا تھا۔

"صاحب! شاہ ہاؤس سے بڑے صاحب کا فون ہے، وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا اور آگے بڑھ کر راہداری میں آ گیا، ٹیلی فون سیٹ کا ریسور کچھ فاصلے پہ رکھا تھا، اس نے تھکے ماندے انداز میں ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا۔

"کیسے ہو بیٹے! خیریت ہے نا آپ کا سیل بھی آف ہے اور......" اس کے سلام کا جواب دیتے پاپا نے پریشان کن لہجے میں اسے مخاطب کیا تھا۔

"سوری چاچو شاید چارجنگ ختم ہو گئی تھی، میں دیکھتا ہوں۔"

"بیٹے ملازم بتا رہا تھا آپ کل سے کمرے میں بند ہو کچھ کھایا پیا بھی نہیں، طبیعت ٹھیک ہے نا آپ کی؟" ان کے لہجے و انداز کی تشویش ہنوز تھی، جہان کے چہرے پہ عجیب سا کرب پھیل گیا، (کوئی نہیں جانتا ہے چاچو میں کس گرداب میں پھنس گیا ہوں، اذیت کا کوئی انت ہی نہیں، کب تک چھپا سکوں گا یہ صورتحال اور اس متوقع شرمندگی کا خیال مجھے موت جیسے احساس سے ہمکنار کر

رہا ہے۔)

"تھینک چاچو آپ ٹینس مت ہوں، بس معمولی سا فلو ہے۔"

"میں فیل کر رہا ہوں جہان آپ یہاں سے جانے کے بعد اپنی طرف سے بہت کیئر لیس ہو گئے ہو، بس پہلی فرصت میں سب چھوڑ کر واپس آ جاؤ، یہ فیکٹری منیجر ہی سنبھالے گا، تمہاری چچی اور مما جان مجھ سے خفا ہیں کہ میں نے ان سے ان کے بیٹے کو دور کر دیا ہے، میں سمجھتا ہوں ان کا شکوہ کچھ اتنا بے جا بھی نہیں ہے۔" ان کا لہجہ ہنوز تھا، محبت سے لبریز، فکر مند اور کیئرنگ، مگر جہان کے چہرے پہ آنکھوں میں موجود اذیت کا رنگ گہرا ہونے لگا تھا۔

(آپ کو کیا پتہ چاچو میں کس قدر بڑا خمیازہ بھگت چکا ہوں، کیسا ناقابل تلافی نقصان ہو گیا ہے میرا، کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا، کاش میری زندگی میں مسز آفریدی اور ثرالے کے عفریت نہ آئے ہوتے۔) اس کی پور پور میں تھکان اترنے لگی۔

"کہاں کھو گئے ہو بیٹے! آپ کب واپس آ رہے ہو؟" پپا کی پکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا، اور گہرا سانس کھینچا۔

(یہ راستے تو میرے لئے دلدل بن گئے ہیں چاچو! میں چاہوں بھی تو اب اس دلدل سے نہیں نکل سکتا، مجھے تو یہ خوف مارے ڈال رہا ہے جب میں آپ کی آنکھوں میں بدگمانی اور دکھ کو دیکھوں گا، آپ زینب کو جانتے تھے، جبھی آپ نے مجھ پہ کوئی الزام نہیں آنے دیا آپ مسز آفریدی کی شاطرانہ فطرت سے آگاہ نہیں ہیں، آپ کو میری بے گناہی اور پارسائی کا یقین کون دلائے گا۔) اس کا دل جیسے ریزہ ریزہ ہو کر وجود میں بکھرنے لگا۔

"میں آ جاؤں گا چاچو آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے خود کو سنبھال کر انہیں تسلی دی۔

"محترم کے بارے میں کچھ پتہ ہے کب تشریف لا رہے ہیں؟ ایجوکیشن تو کمپلیٹ ہو گئی ہے نا، آگے کے کیا ارادے ہیں؟" پپا کے لہجے میں معاذ کے ذکر کے ساتھ ہی خفیف سی خفگی بھی خود بخود در آئی تھی۔

"جی چاچو ایجوکیشن کمپلیٹ ہو گئی ہے، کہہ رہا تھا اب آ جاؤں گا، آنے کی ڈیٹ تو نہیں بتائی سرپرائز دینا چاہتا ہے۔" جہان نے لہجے کو بامشکل کنٹرول کر رکھا تھا، ورنہ وہ جانتا تھا پپا اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے اس کے مزاج اور موڈ کو پا جایا کرتے تھے، اتنا ہی گہرائی سے جانتے تھے وہ اسے چند مزید اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اس نے ریسور رکھا ہی تھا کہ اسی پل پھر زور و شور سے بیل بجتی چلی گئی، جہان نے اکتاہٹ آمیز نظروں سے فون سیٹ کو دیکھا اور بے زاری سے ریسور اٹھایا تھا۔

"ہیلو!"

"ہیلو کے بچے کدھر غائب ہو، کل سے تمہارا اسیل ٹرائی کر رہا ہوں، نمبر تو چینج نہیں کر لیا؟" دوسری طرف معاذ تھا اپنے مخصوص فریش بے فکر اور بے تکلف انداز کے ساتھ جہان نے بے اختیار گہرا سانس کھینچا تھا۔

"نہیں نمبر وہی ہے، تم سناؤ کب آ رہے ہو؟"

"تمہیں کیوں بتاؤں، سرپرائز کا مزا کرکرا تھوڑی کرنا ہے، تم کراچی کب جا رہے ہو؟"

"ابھی تو نہیں شاید کچھ دن لگ جائیں۔" جہان نے مختصر جواب دیا تھا تو دوسری طرف جانب معاذ معنی خیزی سے ہنسنے لگا۔

"خیریت ہے نا جے! مجھے تو لگتا ہے یہاں کا معاملہ گڑبڑ ہے کسی حسینہ مہ جبینہ سے عشق وشق تو نہیں ہو گیا؟" معاذ نے محض ایک تکا لگایا تھا مگر جہان کو لگا کسی نے تاک کر اس نے زخمی دل پہ خنجر دے مارا ہو، اس کا وجود ایکدم دہک اٹھا۔

"جے! کدھر کھو گئے پیارے، مجھے تو لگتا ہے واقعی یہی بات ہے، ہے نا؟" اب کے وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ شوخی سے مخاطب تھا جہان نے بے دردی سے ہونٹ کچلے تھے۔

"تم ہمیشہ فضول مفروضے مت گھڑا کرو سمجھے، فون رکھو مجھے ضروری کام سے باہر جانا ہے۔"

"اور وہ ضروری کام ہماری ہونے والی بھابھی صاحبہ کے دیدار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، ہے نا؟" وہ کھلکھلا رہا تھا، جہان نے سختی سے دانت بھینچے اور ایکدم ریسور کریڈل پہ ڈال دیا تھا، اس کا چہرا بھاپ چھوڑنے لگا تھا، آنکھوں میں بے بسی رقم تھی، بیل پھر بج رہی تھی، جہان نے ریسور اٹھا کر سائیڈ پہ رکھا اور یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔

☆☆☆

بہت بے کیف لمحے ہیں
بہت بوجھل سے سپنے ہیں
نہ غم سے دل بہلتا ہے
نہ خوشیاں راس آتی ہیں
نہ جانے زندگی ہم کو کیوں ایسے آزماتی ہے
بہت تکلیف میں بھی ہم
ضبط سے مسکراتے ہیں
غموں سے دوستی کر کے وفا ایسے نبھاتے ہیں
عجب سی زندگی ہے یہ عجب ہی موڑ آتے ہیں
میری آنکھوں کے سب آنسو صرف اس کو بلاتے ہیں

پرنیاں نے اسائمنٹ بناتے ہوئے نگاہوں کی تپش پہ بے اختیار سر اونچا کیا تھا، نیہاں اسی پلر کے ساتھ ٹیک لگائے اسی کی سمت متوجہ تھی، ہونٹوں پہ عجیب مسکان تھی، پرنیاں نے بغیر کسی تاثر کے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

"یہ پھر آ گئی کمینی، مجھے سمجھ نہیں آتی اسے آخر تم سے پرخاش کیا ہے؟" ثناء نے بھی نیہاں کی جتاتی ہوئی مسکراہٹ دیکھ لی تھی، جبھی کلس کر بولی، نیہاں چند ماہ قبل ہی مائیگریٹ کروا کے یہاں آئی تھی، جب سے آئی تھی پرنیاں سے ایک بیر باندھ لیا تھا، وہ بے حد مالدار اور حسین تھی، ماڈرن اور طرحدار تھی، پوری یونیورسٹی کی لڑکیاں اس سے مرعوب تھیں اور لڑکے تو تھے ہی اس کا دم بھرتے،

مگر وہ پرنیا سے خار کھاتی تھی کلاسز کے دوران بھی وہ ایسی حرکات کر گزرتی جس سے پرنیاں کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا مگر اس کی یہ حرکات اکثر خود اسی کو شرمندہ کروایا کرتی تھیں، پرنیاں ریزروڈ تھی اور اسے نظر انداز کرنے کے فارمولے پہ عمل پیرا، حالانکہ ثنا کو اکثر غصہ آیا کرتا، وہ پرنیاں کو اکساتی بھی تھی کہ ذرا نیہاں کے دماغ درست کردے مگر پرنیاں خوامخواہ کسی سے دشمنی لینا پسند نہیں کرتی تھی وہ بھی اس صورت جبکہ دانیال کی دوستی بھی نیہاں سے ہو چکی تھی اور نیہاں کے اس سے خار کھانے کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ دانیال سے اس کے ساتھ ہو کر بھی ان پل نیہاں کو بھول جاتا تھا جب اسے کہیں آس پاس پرنیاں کی جھلک بھی نظر آ جایا کرتی تھی، دانیال کی پرنیاں کے متعلق پسندیدگی سے وہ یہاں آتے ہی آگاہ ہو چکی تھی، پرنیاں کا ٹھکا دینے والا حسن بھی تھا، وہ جتنا بھی خود کو یہ سمجھاتی باور کراتی کہ وہ پرنیاں سے زیادہ حسین ہے مگر خود کو یقین دلانے سے قاصر رہا کرتی تھی اس میں شک نہیں تھا کہ پرنیاں ہر لحاظ سے اس سے بڑھ کر دلکش اور حسین تھی، نیہاں نے اپنی بے کار کی باتوں کو حسد اور کینہ کی بنیاد بنا کر اس سے نفرت اپنے دل میں پال لی تھی، اس کی چند ایک بے حد فضول حرکتوں کی وجہ سے ثناء اتنا تلملائی تھی کہ پرنیاں کو اکساتی رہی تھی کہ وہ اپنے انکل کے بیٹے (جہان) سے بات کر کے یہ معاملہ ختم کرائے مگر پرنیاں آمادہ نہیں ہوتی تھی، جس پہ ثنا کو بہت جھنجھلاہٹ نے آن لیا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آتی پری کہ تم آخر اتنی ریزروڈ کیوں ہو، تمہارے انکل اتنے پرخلوص ہیں پھر بھی تم ایسے غیروں جیسا رویہ اپنائے پھرتی ہو۔“

”یہ بات نہیں ہے ثناء! جہان بھائی لاہور میں ہوتے ہیں، پھر میری ان سے اتنی بے تکلفی بھی نہیں ہے کہ پرسنلز شیئر کرتی پھروں اور نیہاں والی بات درحقیقت کچھ بھی نہیں ہے، میں ان سے ایک فضول بات کیوں کہوں جس کا کوئی سر پیر نہیں۔“

”اور وہ جو تمہیں خوامخواہ عاجز کیے رکھتی ہے وہ......؟ چلو خیر تم پرنسپل صاحب سے ہی شکایت کر دو۔“ ثناء کی جرح پہ پرنیاں عاجز ہو گئی تھی۔

”ہم یہاں مقصد لے کر آئے ہیں ثناء وہ پورا ہو رہا ہے، یہ درسگاہ ہے میں اسے سیاست کا میدان نہیں بنانا چاہتی، پھر میں کسی اسکینڈل کو ہرگز افورڈ نہیں کر سکتی؟“

”نیہاں کے ساتھ بنے گا تمہارا اسکینڈل؟“ ثناء کی ہنسی نکل گئی تھی، مگر پرنیاں کی سنجیدگی و متانت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

”نیہاں کی پشت پہ دانیال بھی ہے واضح رہے۔“ وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولی تو ثنا نے جواباً ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

”یار جتنی تم شریف اور بے ضرر ہو نا ایسے لوگوں کو دنیا لمحوں میں تر نوالہ سمجھ کے نگل جاتی ہے، اب تمہیں میں صرف یہی دعا دے سکتی ہوں کہ تمہیں کوئی بے حد اسٹرانگ اور شاندار قسم کا کیئرنگ ساتھی مل جائے جو تمہیں ہر لمحہ اس دنیا سے بچا کے اپنی محفوظ پناہوں میں اس طرح سمیٹے کہ دنیا کی گرم ہوا تم تک پہنچ ہی نہ سکے۔“

ثناء کے خلوص پہ اسے کوئی شک نہیں تھا مگر اس کے الفاظ نے اس کے زخموں کے گویا ٹانکے

توڑ ڈالے تھے، معاذ حسن کی تمام تر بے اعتنائی اور ستم ظریفی یاد آ کر اس کے وجود میں سوئیاں نئے سرے سے گاڑھنے لگی، تو تکلیف کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں، جنہیں اس نے رخ پھیر کر ثناء کی نظروں سے اسے بچایا تھا۔

☆☆☆

کبھی اس طرح میرے ہم سفر
کبھی چاہتیں میرے نام کر
گر ہو سکے تو کبھی کہیں
میرے نام بھی کوئی شام کر
میرے دل کے سائے میں آ ذرا
میری دھڑکنوں میں قیام کر
یہ جو میرے لفظوں کے پھول ہیں
تیرے راستے کی یہ دھول ہیں
کبھی ان سے سن میری داستاں
کبھی ان کے ساتھ کلام کر

اس کے چہرے پہ الوہی مسکان تھی، اس کی آنکھوں میں زندگی دمکنے لگی تھی، داہنے ہاتھ کی مومی انگلیاں بہت بے اختیاری کیفیت میں بائیں کلائی میں کھنکتے کنگنوں سے یوں مس ہو رہی تھیں جیسے لاشعوری طور پہ کسی لمس کو پانے کی جدوجہد میں مصروف ہوں، کتنے دن ہو گئے تھے ان کے نکاح کو مگر جہان نے اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، حالانکہ وہ دل و جان سے منتظر تھی، اگر وہ ملنے نہیں بھی آیا تھا تو کم از کم ایک کال تو کر سکتا تھا جو محبت کرتے ہیں وہ تو بہانے ڈھونڈا کرتے ہیں، پھر وہ اتنا غافل کیوں تھا، اس کے اندر عجیب سی بے مائیگی اترنے لگتی تھی مگر وہ اس احساس کو کبھی خود پہ حاوی نہیں ہونے دیا کرتی تھی، جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کی توقع سوچ سے کہیں بڑھ کے تھا، وہ ہر سوچ کو جھٹک کر بس اس احساس کو محسوس کیا کرتی اور سرشاری اس کے اندر خوشنما پھول کھلاتی چلی جاتی، اسے احساس تک نہ ہو سکا تھا ان چند دنوں میں آسودگی اور طمانیت کے بھرپور احساس نے اسے کس درجہ حسین اور دلکش بنا دیا ہے، حسین تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب تو گویا اس کے جھلملاتے روپ پہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی، اس وقت بھی مسز آفریدی نے اسے دیکھا تو چند لمحوں کو یونہی ٹھٹھک کر اسے دیکھتی چلی گئی تھیں، انہیں اپنا فیصلہ بروقت اور دانشمندانہ لگا، جہان کا رویہ انہیں اپ سیٹ ضرور کرتا تھا مگر انہیں خود پہ بہت زعم تھا وہ حالات کو اپنے قابو میں رکھنے کے فن سے آگاہ تھیں، جبھی کسی ٹینشن کو خود پہ سوار نہیں کیا کرتی تھیں، جہان کو بھی انہوں نے ٹریپ کر لیا تھا، گو کہ وہ اسے ایک حد سے زیادہ استعمال نہیں کر سکی تھیں کہ وہ ان کے لئے وہ سرکش اور بدکا ہوا گھوڑا ثابت ہو رہا تھا جسے لگام ڈال کر بھی قابو کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، جس کی پشت پہ سواری زندگی کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہوتی ہے مگر انہیں مشکل کام کرنے میں ہی لطف محسوس ہوا کرتا تھا، جبھی وہ بہت مہارت سے اپنا کھیل کھیل رہی تھیں، ڈالے کے متوقع

سوالوں سے بچنے کی خاطر انہوں نے خود اسے یہ کنگن دیئے تھے اور نام جہان کا لے دیا تھا جیسے ابھی انہوں نے اس سے ایک اور جھوٹ بولنا تھا۔

''اوہ مما! آیئے نا۔'' ژالے اپنے دھیان سے نکلی تو انہیں روبرو پا کے چونک گئی تھی۔

''میں تو آفس کے لئے نکل رہی تھی، مگر جہان کا فون آ گیا، مجھے ڈنر پہ انوائیٹ کر رہا تھا، تمہارا بھی پوچھا تھا میں نے کہا خود بات کر لو، کہتا ژالے شاید پسند نہ کریں۔'' ژالے حیران ہو گئی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے مما!'' وہ کنفیوژ ہو چلی تھی۔

''بیٹے تو وہ یہی سمجھتا ہے نا کہ تمہاری طرف یہ پسندیدگی نہیں ہے، میں نے اسے ذرا سا بھی اشارہ نہیں دیا، خیر یہ اتنی اہم بات نہیں، تم خود اسے کال کر لو، میرا تو خیال ہے اسے بہت اچھا لگے گا۔'' انہوں نے ایک بار پھر تڑپ کر پتہ پھینکا، اپنی کامیابی کا انہیں سو فیصدی یقین تھا، ژالے ان کی توقع کے مطابق گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

''نہیں مما! اچھا نہیں لگتا۔''

اور مسز آفریدی مسکرا دی تھیں، طمانیت آمیز مسکراہٹ، ابھی کل ہی جہان سے ان کی بات ہوئی تھی، اس کے تیور بے حد بگڑے ہوئے تھے، یہاں تک کہ وہ ان کا لحاظ تک کھو چکا تھا، بدتمیز و گستاخ لہجے میں وہ فون پہ چنگھاڑتا رہا تھا۔

''آپ سمجھ لیں محترمہ کہ آپ اس سے زیادہ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں، آپ کا داؤ بس یہیں تک چلنا تھا۔''

''میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔''

''اس کے باوجود کہ وہ موویز اور پکچرز میرے پاس موجود ہیں؟'' ان کا لہجہ طنزیہ تھا، وہ ناگن کی طرح سے پھنکاری تھیں۔

''مائی فٹ، آپ بھلے سینڈ کر دیں وہ سارا کچھ میری فیملی کو، اب اگر آپ اپنی پارسا بیٹی کو میری نام نہاد بیوی بنا ہی چکی ہیں تو اس رشتے میں یہ سب بہت معمولی بات ہے۔'' اس کا زہر خند لہجہ مسز آفریدی کی ساری اکڑ لمحوں میں نکال گیا تھا۔

''تمیز سے تو بات کرو مجھ سے جہانگیر! رشتوں کا احترام کرنا بھی سیکھا ہے کہ نہیں؟'' وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھیں پینترا بدل کر بولیں تو جہان زہر خند سے ہنستا چلا گیا تھا۔

''گن پوائنٹ پہ زبردستی قائم کیے رشتوں میں نہ محبت کا مکمل دخل ہوا کرتا ہے نہ احترام کا، معذرت کے ساتھ مسز آفریدی میں آپ کی توقع پہ پورا نہیں اتر سکتا؟'' بدلحاظی کے اس اعلیٰ و ارفع مظاہرے نے مسز آفریدی کے چودہ طبق روشن کر کے رکھ دیئے تھے، انہوں نے عرق ریز پیشانی کو خفت زدہ انداز میں پونچھا تھا۔

''اس وقت تم حواسوں میں نہیں ہو، آئی تھنک مجھے بعد میں بات کرنی چاہیے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے، بی کوز میرے حواس اب کچھ اس قسم کا کام کریں گے واضح رہے۔'' اس کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، مسز آفریدی نے ہونٹ بھینچ کر کال ڈراپ کر دی تھی، حقیقت یہ تھی کہ انہیں صحیح معنوں میں تشویش نے آن لیا تھا، چند لمحوں کو تو ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرے

چھا گئے تھے، زندگی میں بہت مرتبہ انہوں نے اپنی مرضی کی بساط بچھائی تھی اور مجال ہے جو کوئی مہرہ ان کی منشا کے خلاف آگے پیچھے ہوا ہو، ہمیشہ وہی فتح یاب ٹھہری تھیں مگر یہاں پہلے ہی مقام پہ ان کے سامنے اپنی فتح مشکوک ہونے لگی تھی، جہان ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر شارپ اور جینئس تھا شاید کہ وقتی طور پہ جال میں پھنس جانے کے باوجود وہ مجروح ہو کر مقید نہیں ہوا تھا، اس نے جال کو اگر کترا نہیں تھا تو اپنی قوت طاقت سے جال کو اپنے ساتھ اڑا لیا تھا اور وہ شاید ہاتھ ملنے والوں میں شمار ہو کر رہ گئی تھیں، انہوں نے ژالے کی زندگی اور خوشی کی خاطر یہ قدم اٹھایا تھا مگر اب انہیں لگ رہا تھا وہ زیادہ عرصہ اسے یہ بہلاوہ نہیں دے سکیں گی یہی سوچ تھی جو انہیں پریشان کر رہی تھی، شاید اب انہیں کسی نئی سازش تیار کرنی پڑتی تھی اور وہ کیا ہو گی ان کی سوچ کا ہر مرکز یہی تھا۔

☆☆☆

نہ کوئی نہ ہاتھوں پہ حنا تیرے بعد
میں مکمل ہی سیاہ پوش ہوا تیرے بعد
لے کے جاتا رہا ہر روز پھول اور چراغ
بس یہی میں نے کیا جتنا جیا تیرے بعد
میرے ہونٹوں سے تیرا نام نکل جاتا تھا
جس نے اپنایا مجھے چھوڑ دیا تیرے بعد
ساری دنیا نے مجھے مال غنیمت سمجھا
جس نے بھی چاہا مجھے لوٹ لیا تیرے بعد
فیصلہ لکھ کر قلم توڑ دیا مصنف نے
پھر محبت کی نہ دی کوئی سزا تیرے بعد

اس نے بوجھل سانس کھینچا اور ڈائری بند کر دی، کمرے کی فضا میں گھٹن تھی مگر وہ بے حس بنی بیٹھی رہی، یہاں تک کہ روشندان سے اس پر پڑتی سورج کی کرنوں کا رنگ مدھم پڑتا بالکل اندھیرے میں بدل گیا مگر اس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا، مما نے اس کے سامنے زیاد کے پرپوزل کا ذکر کیا تو نوریہ نے پوری بات سنے بغیر ہی صاف انکار کر دیا تھا، مما تو مما خود حوریہ بھی ششدر رہ گئی تھی، نوریہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو حوریہ اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

''کیوں آئی ہو تم؟ مجھے تنہا چھوڑ دو پلیز۔'' اس کا ضبط جواب دے گیا تھا جبھی وہ چیخ اٹھی تھی۔

''بجو آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ مما اتنی پریشان ہو گئی ہیں آپ کے اس ایٹی ٹیوڈ کی وجہ سے۔''

''اور جو میں اپ سیٹ ہوں اس کی کسی کو پرواہ ہے کہ نہیں؟'' وہ بھڑک اٹھی تھی، حوریہ کچھ ہراساں سی ہونے لگی۔

''آپ کیوں اپ سیٹ ہیں؟ کچھ بتائیں گی تو پتہ چلے گا نا بجو۔'' وہ کسی قدر آہستگی سے بولی تو نوریہ کی آنکھوں کی جلن ایکدم کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

''بس تم مما سے کہہ دو، مجھے ہرگز بھی زیاد سے شادی نہیں کرنی۔'' وہ ضبط کھو کر چیخ اٹھی،

نوریہ نے حیرانی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"کل بڑے ماموں اور چھوٹے ماموں یہ بات اسپیشلی آ کر مما سے کہہ کر گئے ہیں، زیاد بھائی کی خواہش بھی شامل ہے، بجو کیا خرابی ہے زیاد بھائی میں اتنے تو ہینڈسم ہیں۔"

(تم نے معاذ کو دیکھا ہے پھر بھی یہ بات کہتی ہو حوری! پھر اس ستم گر کی موجودگی میں میں کیسے ہی نیا رشتہ اور اس کے تقاضے نبھا سکوں گی، میں مر جاؤں گی حوری) وہ ایکدم سے سسک اٹھی تو حوریہ کی پریشانی و بوکھلاہٹ دوچند ہونے لگی۔

"مما سے کہو ماموں کو انکار کر دیں، اس کے علاوہ وہ جہاں بھی کہیں گی مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔" اس کے بھیگے لہجے میں اتنی عاجزی اس درجہ بے چارگی تھی کہ دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑا زیاد ساکن ہو کر رہ گیا تھا، تبھی حوریہ کی نگاہ اس پہ پڑی تو اس نے شپٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"زید بھائی آپ!" نوریہ نے چونک کر نظریں اٹھائیں، وہ اسی کی سمت دیکھ رہا تھا، کیا تھا ان نظروں میں رنج و کرب ملال، شکایت، نوریہ نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، زیاد اس کے کج ادا انداز پہ مزید زخمی ہو کر رہ گیا۔

"حوریہ تم میرے لئے ایک کپ چائے بنا کے لا سکتی ہو؟" اس نے قدم بڑھاتے ہوئے گویا حوریہ کو وہاں سے ٹرخایا تھا، وہ سر ہلاتی اگلے لمحے دروازہ سے باہر تھی۔

"اتنا برا ہوں میں نور کہ تم میرے علاوہ کسی بھی انجانے شخص کو قبول کرنے کو تیار ہو۔" اس کے شاکی لہجے میں بے مائیگی کا کرب سمٹ آیا تھا۔

"میں اس موضوع پہ آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، آپ براہ کرم یہاں سے تشریف لے جائیں۔" وہ جس قدر بیگانگی اور تنفر سے بولی تھی زیاد اسی قدر ہرٹ ہوا تھا۔

"اتنی خفا ہو؟ حالانکہ میرا قصور اتنا بڑا نہیں تھا اور میں معافی بھی مانگ چکا۔" زیاد نے متاسفانہ انداز میں کہہ کر اسے دیکھا تو نوریہ نے زور سے سر جھٹکا تھا۔

"سب سے پہلے تو آپ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ میں آپ سے خفا ہوں۔"

"پھر اس اندازِ گفتگو کو کیا سمجھوں گا؟" زیاد جھلا اٹھا تھا۔

"آپ کو یوں مجھ سے پوچھے بغیر اپنا پروپوزل نہیں بھجوانا چاہیے تھا۔" وہ تڑخ اٹھی، زیاد چونک کر اسے بغور دیکھنے لگا پھر ایکدم ہنس دیا۔

"اوہ جناب اس وجہ سے خفا ہیں کہ پہلے آپ یہ نیک ارادہ ظاہر کیوں نہیں کیا، چلیں میں ابھی یہ کام کر لیتا ہوں۔" وہ شوخی سے ہنسا پھر ایک ٹانگ کو زمین پر ٹیک کر اس کے سامنے بیٹھا اور اس کے آگے اپنا بائیاں ہاتھ بہت ڈرامائی انداز میں پھیلا کر مسکراتے ہوئے کھنک دار لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"مائی سویٹ ہارٹ ول یو میری مس پلیز۔" نوریہ ایک پل کو تو ہونق ہوئی تھی مگر اگلے لمحے جیسے اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ یہ کیا بیہودگی ہے زیاد بھائی!" زیاد کا مسکراتا چہرا روشن آنکھیں ایکدم بجھ کر رہ گئیں اس نے پہلے تحیر سے پھر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھا تھا، پھر خود کو سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئی تھنک اس موضوع پہ ہم پھر بھی بات کریں گے، اوکے؟"

"میں کبھی بھی اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہوں گی، سنا آپ نے۔" وہ چیخ کر بولی تو زیاد نے یونہی بھینچتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ چند لمحے اسے دیکھا تھا۔

"کسی کو ٹھکرانے کے دو اہم وجوہات ہوا کرتی ہیں نوریہ! یا تو آپ کسی اور میں انوالو ہوں یا پھر آپ ٹھکرانے والے کو پسند نہ کرتے ہوں، ان دونوں میں سے کون سی وجہ ہے یہ مجھے بتانا پڑے گا تمہیں؟" نوریہ جو پہلی وجہ کو سن کر ہی نظریں چرا گئی تھی، اس کی بات سرے سے نظر انداز کئے یونہی ساکن کھڑی رہی۔

"تمہیں میری بات کا جواب دینا ہو گا نوریہ۔"

"یہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔" وہ درشتگی سے بولی تو جواباً زیاد نے اسے بے حد عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم میری محبت ہو نوریہ! اور تم سے میں صرف اس صورت دستبردار ہو سکتا ہوں کہ تم کسی اور کو چاہتی ہو، بتاؤ ایسا ہے؟" نوریہ کے جسم میں جیسے کسی نے بھالا اتار دیا تھا، زندگی کا یہ کیسا مقام تھا کہ وہ اس درجہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

"آپ یہاں سے نہیں جائیں گے تو ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔" وہ ایکدم سلگی اور جھٹکے سے پلٹ کر واش روم میں گھستے ہی بالٹ چڑھا دیا، زیاد ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا، وہ پلٹا تو اس کے قدموں سے اضمحلال لپٹا ہوا تھا۔

☆☆☆

یہ اداس دن میری تنہائی کو
ایسے عروج بخشتے ہیں
کہ مجھے اک وہی
پھر وہی
بس وہی شخص یاد آتا ہے

وہ گم صم بیٹھی تھی جب زینب نے اس کے سامنے بھاپ اڑاتا کافی کا مگ رکھا، اس نے چونک کر معاذ کی تصویر سے نگاہ اٹھائی تو ایکدم خفیف ہو گئی، پتہ نہیں کیوں وہ اتنی غیر محتاط ہو جاتی تھی، زینب کی گہری نظریں خود پہ مرتکز پا کے اس نے خجل ہوتے ہوئے سوچا تھا۔

"کافی لو نا ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" زینب کی نگاہیں ہنوز اس پہ تھیں، نوریہ نے کچھ کہے بغیر مگ اٹھا لیا۔

"شاپنگ کمپلیٹ ہو گئی تمہاری؟" وہ اپنی کنفیوژن ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی جبھی اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

"نہیں ابھی کچھ رہتی ہے، کل تم کیوں نہیں آئی تھیں، کیا فرق پڑ جاتا اگر ساتھ چلی چلتیں؟" زینب کا لہجہ شاکی تھا، نوریہ نے نگاہ چرا لی۔

"بس یونہی پھر سہی۔"

"اب بے تو شاید میرے ساتھ نہ جانا چاہیں، ہر بار زیاد بھائی ہی ہوں گے، تم ہر بار بہانے بناؤ گی کیا؟" زینب کا بات کرنے کا مخصوص انداز تھا، بے لچک، بدلحاظ اور کھوجتا ہوا، نوریہ کا رنگ ایکدم سے پھیکا پڑ گیا، اس سے کافی کا بھرا ہوا گھونٹ حلق سے اتارنا مشکل ثابت ہونے لگا۔

"میرے بھائی میں کوئی کمی نہیں ہے نوریہ، ان کا دل بھی بہت خالص ہے، سو بی کیئر فل۔" وہ ہنوز اسی لہجے میں گویا تھی، نوریہ کی آنکھوں میں یکلخت نمی بھرنے لگی، اگر وہ بدلحاظ اور بے شرم ہوئی تو لازمی پوچھتی، کون سا بھائی، معاذ کہ زیاد، ابھی کل تک وہ معاذ کا نکاح ہو جانے کے باوجود اسے معاذ سے اظہار کر دینے پہ اکساتی رہی تھی اور اب زیاد کے لئے کنونس کر رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" زینب نے ایکدم سے اٹھ کر جاتی نوریہ کا ہاتھ کسی قدر بدحواسی کے عالم میں پکڑ کر کھینچا تھا۔

"مجھے چھوڑ دو زینی پلیز۔" اس کا گلا بھرانے لگا تھا، وہ بامشکل بولی تھی۔

"دس از ناٹ فیئر نوری۔" زینب ملتجی ہوئی تھی، نوریہ نے آنسوؤں سے دھندلاتی نظروں سے لمحہ بھر کو اسے دیکھا۔

"فیئر تو وہ بھی نہیں ہے زینی جو میرے ساتھ ہو رہا ہے، میں انسان ہوں کھلونا نہیں ہوں۔" ہاتھوں میں چہرا چھپا کر وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

"سوری میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، پلیز ریلیکس۔" زینب گھبرا کے اسے چپ کرانے لگی۔

"تم جانتی تو ہو معاذ بھائی انگیجڈ ہو چکے ہیں، سمجھداری کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس بات کو ایکسپٹ کر لو۔"

"زینی میں نے اس صورتحال کو اگر تمہیں یاد ہو تو تم سے پہلے ایکسپٹ کیا تھا، میں غاصب نہیں تھی نہ ہوں، مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے کہ پرنیاں کو دیکھ کر تم......" وہ خوددار تھی اور اس کی خودداری کو یہ شکایت اور شکوہ گوارا نہیں تھا جبھی بات ادھوری چھوڑ دی، زینب نے ہونٹوں کا نچلا کنارہ دانت سے دبا لیا تھا۔

"سوری یار وہ دراصل میں پرنیاں کو دیکھ کر حیران ہی کچھ اس قدر رہ گئی تھی کہ تمہیں پتہ ہے میں کس درجہ حسن پرست ہوں۔"

حسب سابق شرمندہ ہوئے بغیر وہ بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی تھی، نوریہ نے ساکن نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر جانے اسے کیا ہوا کہ وہ زہرخند سے کہہ گئی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم حسن پرست ہو، میں کیسے یہ بات سمجھ سکتی تھی زینی اگر ایسا ہوتا تو تم کبھی بھی جہان بھائی کو چھوڑ کر تیمور خان کا چناؤ نہ کرتیں، بہرحال یہ بات تو تم بھی جانتی ہو کہ تیمور خان جہان بھائی کے مقابلے میں......" اس کی بات ادھوری اس طرح رہ گئی تھی کہ اس کی نگاہ اسی پل ہال کمرے کے دروازے پہ آن رکنے والے جہان پہ جا پڑی تھی، جس کے کاندھے پہ لٹکا بیگ بتلاتا تھا کہ وہ ابھی ابھی لاہور سے شاہ ہاؤس پہنچا ہے، جہان کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ چیخ کر بتا رہے تھے کہ وہ یہ آخری بات پوری جزئیات کے ساتھ سن چکا ہے نوریہ تو ٹپٹائی ہی تھی،

زینب کی شرمندگی کا عالم ابھی دیکھنے والا تھا، جہان چند لمحے ٹھٹکنے کے بعد الٹے قدموں دروازے سے ہی پلٹ گیا تھا، نوریہ نے گھبرا کر ساکن کھڑی زینب کو دیکھا جس کے چہرے پہ زلزلے کو آثار بے حد نمایاں تھے۔

"آئی ایم ساری زینی میرا مقصد......"

"تمہارا مقصد جو بھی تھا نوریہ بہرحال تم نے مجھے اس کم ظرف انسان کے آگے دو کوڑی کا کر کے رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔" وہ حواسوں میں لوٹی تو بپھر سی گئی تھی، نوریہ ہونٹ بھینچے شرمندہ سی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

سب امتحان عشق کے اپنے کڑے رہے
ہم کوزہ گر کے چاک پہ برسوں پڑے رہے
ان کی نگاہیں شوخ تھیں ہم تھے حیا پسند
مشتاق وہ ہم اپنے کہے پہ اڑے رہے
بیٹھے رہے ہم رات کی راہوں کے خواب اگر
دن مرحلہ دید میں حائل کھڑے رہے

وہ ہاتھ لے کر نکلا تو مما خود چائے بنائے بانفس نفیس اس کی منتظر تھیں، وہ باہر آیا تو بے اختیار لپک کر اسے سینے سے لگایا، پیشانی چومی اور کتنی دیر اس کا چہرا ہاتھوں میں لئے نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہیں، ان نگاہوں کی حسرت سے وہ بخوبی آگاہ تھا، صرف پپا ہی نہیں خود مما کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ زینب کے حوالے سے ہمیشہ کے لئے ان کا ہو جائے مگر قدرت کو یہ منظور نہیں ہوا تھا تو ان کے دل کو قرار نہیں آتا تھا، ناتمام حسرت اکثر ان کو مضطرب کرنے لگتی تھی۔

"معاذ کب آ رہا ہے کچھ بتایا آپ کو؟" جہان ان کا دھیان بٹانے کو بولا تھا، مما نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں اور سر کو نفی میں ہلایا۔

"نہیں کچھ نہیں بتایا، پتہ نہیں کیوں میرا دل ہولتا رہتا ہے، راتوں کو بھی نیند نہیں آتی، اگر وہاں کسی لڑکی کے دام میں پھنس گیا تو پھر......؟ وہاں کا تو ماحول بھی ایسا ہے۔" ان کے مخصوص خدشات تھے، بال بناتے جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے، اس نے آئینے میں دکھائی دیتے مما کے پرملول عکس کو دیکھا۔

(کسی کو دام میں الجھا لینے کے لئے جگہیں ماحول اور خطے کا مخصوص ہونا ضروری تو نہیں ہے چچی جان! معاذ تو شاید صحیح سالم لوٹ آئے پر تو میرے کاٹ دیے گئے، اس قدر شرمندہ ہوں اپنی اس بے دھیانی پہ کہ خود کو معاف نہیں کر پاتا، اسلام نے یونہی تو حد بندیاں نہیں لگائیں، میں اس کا غیر محرم تھا، پھر کیوں کسی مجبوری کے تحت بھی اسے اٹھایا تھا، کیوں اتنا نزدیک گیا تھا کہ اس طرح جال میں پھنس گیا، یہ مجھے سزا ملی ہے اللہ کی حدوں کو پھلانگنے کی۔)

"جہان بیٹے آپ کے چاچو اور پاپا چاہتے ہیں کہ آپ کی بھی شادی جلد کر دی جائے اگر آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتا دیں ورنہ پھر...... دراصل زیاد نوریہ کے لئے کہہ رہا ہے تمہارے چاچو

زیادہ سے پہلے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ وحشت زدہ سوچوں میں مبتلا تھا جب مما کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا اور خالی نظروں سے انہیں دیکھتا چلا گیا، مما نے کچھ حیرانی سے اس کی اس گم صم کیفیت کو دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹے! آپ پریشان کیوں ہو گئے ہو؟" جہان نے ہونٹوں کو کسی اذیت سے گزرتے ہوئے سختی سے باہم بھینچ لیا۔

"چچی جان پلیز آپ لوگ مجھے کچھ وقت دیں۔" اس کا لہجہ ملتجی نہیں کسی حد تک بھینچا ہوا تھا، مما نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر اٹھ کر نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

"آپ جیسا چاہو گے نا بیٹے ویسا ہی ہوگا، ڈونٹ یو وری۔" مما اسے تسلی دے کر خود باہر چلی گئیں جہان یونہی ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا تھا۔

(میں جو جو چاہتا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا، یہی تو المیہ ہے، مگر میں وہ بھی نہیں ہونے دوں گا جو میں نہیں چاہتا، جن لوگوں نے مجھے کمزور سمجھ کر مجھ سے ٹکر لی ہے اب ان کو بھی مجھے بتانا ہے کہ میں درحقیقت وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔) اس کے اندر سلگتی آگ یکا یک بھڑک اٹھی تھی۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں جے؟" وہ سر جھکائے سگریٹ سلگا رہا تھا جب مدھر سروں میں دستک دینے کے بعد وہ اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی تھی، جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن نہیں ہوئے تھے، اس کا دل اسی کا وجود اس کا رواں رواں ساکن ہو کر رہ گیا تھا، چند ثانیوں کو وہ اپنی کیفیت پہ خود بھی ششدر ہو کر رہ گیا۔

(کیا ابھی بھی اس لہجے اس آواز میں اتنی پاور اتنا طلسم اور کشش ہے کہ میں اسے سنوں اور باقی سب فراموش کر دوں، اس نے خود سے سوال کیا تھا اور کوئی اس کے اندر تمسخرانہ انداز میں ہنستا چلا گیا تھا، اب...... اب کیا ہوا؟ وہ کسی اور کی ہو رہی ہے، تم کسی اور کے نام کر دیئے گئے جہانگیر حسن شاہ تو کیا محبت کے تقاضے اس کے اصول اور لوازمات بدل گئے؟ نہیں...... اگر تم اس بھول میں ہو تو اس فریب سے نکل آؤ۔)

تسکین محبت کے بس دو ہی طریقے تھے
یا دل نہ بنا ہوتا ، یا تم نہ بنے ہوتے

"آپ بھی خفا ہیں لالے کی طرح مجھ سے؟" اس نئے سوال پہ جہان کے ہونٹوں پہ نافہم سی مسکان بکھر گئی۔

"معاذ کے بارے میں میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔"

"اور اپنے بارے میں؟" وہ سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے جھکے سر کو مزید جھکا کر چائے کا مگ اٹھا لیا۔

"میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں زینب یہ باتیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔" اس کے اس کا لہجہ و انداز کسی قدر کڑا تھا، زینب نے جواباً خاموش جانچتی نظروں سے اسے کتنی ہی دیر تک دیکھا تھا اور جہان خود کو کمپوزڈ رکھنے کو بھرپور جدوجہد میں مصروف ہوا تھا۔

"اب بھی اس خاص الخاص ہستی کی رونمائی نہیں کرائیں گے جے۔" سوال تھا یا کوئی بم

بلاسٹ ہو گیا تھا، جہان کے زخم بری طرح ادھڑے۔

"میں ایک بے حد غیر اہم ہستی ہوں زینب! تم کیوں آخر اس قدر متجسس ہو؟" وہ اب کے زچ ہوا تھا، زینب آہستگی سے ہنس دی۔

"چلیں جانے دیتی ہوں، فی الحال آپ یہ بتائیں لالے نے کب آنا ہے؟"

"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" جہان نے مگ سے آخری گھونٹ بھر کے خالی مگ بے خیالی میں اس کی جانب بڑھا دیا جسے زینب نے کسی قدر تردد کے بعد تھاما تھا۔

"میں جانتی ہوں مجھ سے خفا ہیں، ساری دنیا آپ کے سوا مجھ سے خفا ہو گئی ہے۔" وہ ایکدم روہانسی ہونے لگی، جہان نے ہونٹ بھینچ لئے۔

(کاش میرے بس میں ہوتا میں بھی تم سے خفا ہو سکتا۔) اس نے سرد آہ بھری۔

"جے اگر لالے نے ناراضگی میں شادی میں بھی شرکت نہ کی تو......؟" پتہ نہیں کیوں وہ اس حد تک حساس ہو رہی تھی، جہان نے محض لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور چاہنے کے باوجود اسے دل شکنی کے احساس سے دوچار نہ کر سکا۔

"ایسا نہیں ہوگا، وہ آ جائے گا، ڈونٹ وری۔"

"اور آپ برنیاں کو کب لائیں گے؟" اگلا سوال بھی بے حد اہم تھا، جہان نے کچھ تحیر و استعجاب میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔

"ضروری تھوڑی ہے کہ انہیں میں ہی لے کر آؤں گا۔"

"ضروری ہے نا، پپا ہر اہم کام آپ جناب سے ہی کراتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر خصوصیت سے مسکرائی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

(ہاں جیسے تمہارے حوالے سے اک حسین خواب بھی تو دیکھا تھا انہوں نے میرے لئے، مگر ہر کام ہر بات پوری ہونے کے لئے تھوڑا ہوتی ہے۔)

وہ جانے کیوں پھر سے خود ترسی خود اذیتی اور بے تحاشا کرب کا شکار ہو رہا تھا، زینب اس کی سوچوں کے تسلسل سے بے خبر اپنی دھن میں مگن کہہ رہی تھی۔

"آپ اسے کچھ دن پہلے لے آئیے گا، میں کچھ شاپنگ اس کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں۔" اب کی مرتبہ جہان نے کچھ کہنے کی بجائے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا، اپنی سوچوں اور خیال کے باعث وہ اتنا نڈھال ہو رہا تھا کہ خود میں بولنے کی ہمت بھی نہیں پاتا تھا، زینب نے اس کی کیفیت کو نوٹ کیا تو کاندھے اچکا کر بولی تھی۔

"آئی تھنک آپ تھک گئے ہیں، آرام کر لیں۔" وہ پلٹ کر چلی گئی تو جہان گرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا، اس کے چہرے پہ جانے کیا کچھ کھو دینے کا ملال گہرا مزید گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے گہرا سانس کھینچا اور ہاتھوں کو اٹھا کر چہرا تھپتھپایا، پھر پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارنے کی کوشش کی تھی، ابھی کچھ دیر قبل اس نے کس درجہ فضول حرکت کی تھی، بظاہر معمولی بات پہ

وہ ثناء پہ اتنا برسی تھی کہ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی چلی گئی، پھر اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی شرمندگی اور خفت نے یکبارگی پرنیاں پر حملہ کر دیا تھا، اسے خود احساس ہو گیا تھا اس نے ثنا کے ساتھ زیادتی کی ہے، پتہ نہیں کیوں پچھلے کچھ دنوں سے وہ نا چاہتے ہوئے بھی لوگوں سے خوامخواہ الجھنے لگی تھی، وجہ کیا تھی؟ وہ اچھی طرح آگاہ تھی، زینب کی شادی میں محض چند دن رہ گئے تھے اور وہ اکثر شاپنگ پہ جاتے ہوئے زبردستی اسے بھی گھسیٹ لیا کرتی، یہ زینب کی محبت تھی اور مان تھا مگر وہ اس مان اور محبت کے ساتھ درماندگی اور بے مائیگی کے شدید سے دوچار ہونے لگتی تھی، وہ بھی جانتی تھی ان چند دنوں میں معاذ کی آمد متوقع ہے، پھر اس کے بعد...... یہاں پہ آکے اس کی سوچیں بھی مفلوج ہونے لگتی تھیں، حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کی آمد پہ خوش ہونے کی بجائے، فکر مند اور مضطرب تھی، وہ اچھی طرح سے اس کے نزدیک اپنی اہمیت سے آگاہ تھی، ایک طوفان تھا جو رکا ہوا تھا، مگر اب اس کے بہاؤ کا بند ٹوٹ جانا تھا، منجدھار میں ڈولتی کشتی کو بہر حال ڈوب جانا تھا، وہ احمق تھی نہ خوش فہم کہ سنہرے خواب سجا کر بیٹھ جاتی اور یہی خوف یہی وہم اسے پاگل کرتا تھا تو وہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی ہرٹ کر جاتی۔

''تین بجے تمہاری ہاسپٹل میں ڈیوٹی ہے، دو بج چکے ہیں۔'' وہ انہی وحشتوں کے صحراؤں میں سرگرداں تھی کہ ثنا کی آواز پہ چونک گئی، اس کا لہجہ و انداز نارمل تھا، جبکہ پرنیاں شرمندگی کی اتھاہ میں پھر سے اترنے لگی، ضبط کی کوشش میں ہار کر اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں ہزار ہا ضبط کے باوجود پھر سے نیر بہاتی چلی گئی تھیں، وہ سخت بے بس کھڑی رہ گئی، ثنا نے ہی پیش قدمی کی تھی پھر اسے گلے لگا کر کتنی دیر تھپکا کچھ پوچھے بغیر نرمی سے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دھیان بٹایا اور ہاسپٹل روانہ کیا تھا، مگر پرنیاں کے دل کا بوجھ کم نہیں ہو رہا تھا، وہ آن ڈیوٹی بھی غیر حاضر دماغی کا مظاہرہ کرتی رہی تھی جس پہ سرواثق سے اسے دوبارہ ڈانٹ بھی سننی پڑی تھی۔

''ڈاکٹر پرنیاں آپ کا دھیان کدھر ہے، آپ سمجھتی ہیں ایک ڈاکٹر کو اتنا غیر حاضر دماغ ہونا سوٹ کرتا ہے؟'' اور وہ گڑبڑا گئی تھی، جبھی معذرت کرنے لگی۔

''اٹس اوکے، وارڈ نمبر الیون کے بیڈ نمبر فور کے جو پیشنٹ ہیں آپ ان کا بی پی نوٹ کریں مکمل چیک اپ کے بعد رپورٹ تیار کریں میں ابھی چیک کرتا ہوں۔'' انہوں نے رسان سے کہہ کر اسے کام سے لگایا تھا اور وہ شکر کا کلمہ پڑھتی اپنا اوور آل بیگ اور اسٹیتھو سکوپ سنبھالے مطلوبہ وارڈ کی جانب بڑھی تھی کہ ایک دم افراتفری سی چھا گئی، ایکسیڈنٹ کا کیس تھا یقیناً شور مچاتی ایمبولینس سے مریض کو اسٹریچر پر منتقل کر کے باعجلت میل نرس ایمرجنسی وارڈ کی سمت لے جا رہے تھے، پرنیاں جو صورتحال جاننے کو دانستہ وہاں رک گئی تھی ایک پل میں جیسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی محسوس کرتی بے اختیار دل تھام کر وہیں بیٹھتی چلی گئی، اسٹریچر پہ بے سدھ خون میں نہایا وجود کسی اور کا نہیں معاذ حسن کا تھا، اس ایک چہرے کو خاک و خون میں مل جانے کے باوجود بھی وہ ایک لمحے میں شناخت کر گئی تھی اس نے دہشت کے حصار میں گھرتے گردن موڑ کر دیکھا ایمرجنسی وارڈ کی شفاف راہداری اس کے وجود اور دل کی طرح سناٹے کی زد پہ آئی ہوئی تھی۔

(جاری ہے)

''السلام علیکم امی جان!'' فرح کی کھنکھناتی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ جو صبح کے دس بجنے کے باوجود کسلمندی سے بستر پر لیٹی تھی جلدی سے اپنے اوپر سے کمبل ہٹاتی، بنا پیروں میں ... ڈالے کمرے سے نکل کر باہر صحن میں فرح کے پاس جا پہنچی، فرح ابھی امی سے مل رہی تھی اسے دیکھتے ہی والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھی اور اسے گلے لگاتے ہی چٹا چٹ پیار کرنے لگی۔

''ارے اتنی بے تاب کیوں ہو رہی ہو تم دونوں؟ ابھی کچھ دن اکٹھے ہی رہنا ہے۔'' امی نے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں بھی اپنی بے تابی کے مظاہرے پر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہوئے مسکرانے لگیں۔

''بے تابی کیوں نا ہو امی؟ جب سے ماہم کی شادی ہوئی ہے، اس کے بعد سے ہم دونوں اب مل رہی ہیں۔'' فرح نے پیار سے ماہم کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے وہ ٹھٹھک سی گئی، اسے لگا کہ ماہم کے ہنستے مسکراتے چہرے پر شادی کا ذکر آتے ہی جیسے تاریک سا سایہ گزرا ہو، وہ بے چین سی ہو گئی۔

''تم خوش تو ہو نا ماہم!'' اس نے صحن میں بڑی چارپائی پر بیٹھ کر اسے بھی اپنے پاس بٹھا لیا، امی ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر کچن کی طرف چل دیں۔

''جی...... آپی! میں بالکل خوش ہوں اور آپ مجھے یہ بتائیں کہ تقریباً سال بعد ہم مل رہی ہیں اور آپ بچوں کو بھی لے کر نہیں آئیں، کتنا دل کر رہا تھا میرا ان کو دیکھنے کو، میں آپ سے بہت سخت ناراض ہوں۔'' وہ لاڈ سے فرح کے گرد بازو حمائل کر کے بولی گو کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی لیکن فرح کو وہ مسکراہٹ کھوکھلی ہی لگی۔

''جب عاطف مجھے لینے آئیں گے تب وہ تینوں ان کے ساتھ آئیں گے۔'' اس نے بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور وہ یقیناً آپ کے جانے سے ایک دن پہلے آئیں گے تو بچے صرف ایک دن کے لئے مجھ سے ملیں گے تو عاطف بھائی یہ احسان عظیم نہ ہی کریں تو بہتر ہے، آپ اکیلی آئی ہیں تو اکیلی جا بھی سکتی ہیں۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا تو فرح کو اس کے چہرے کے تپے ہوئے تاثرات دیکھ کر ہنسی آ گئی، وہ اس کے بچوں سے پیار بھی تو بہت کرتی تھی۔

''ان کی پڑھائی کا حرج ہو جانا تھا نا، اب تو بس تم سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اس لئے بالکل اچانک پروگرام بنا ہے، انشاء اللہ جب بچوں کو چھٹیاں ہوں گی تو میں ان کو لے کر ضرور آؤں گی اور کافی دن رہوں گی، اب تو خوش ہو جاؤ نا۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

''پھر بھی تین، چار چھٹیوں سے کوئی حرج تو نہیں ہو جانا تھا۔'' وہ ابھی تک اسی نقطے میں الجھی ہوئی تھی۔

''لو بیٹا! ناشتہ کرو، اچھا خاصا لمبا سفر کر کے آئی ہو، اسے چاہیے تھا کہ تمہارے لئے ناشتہ لے کر آتی بجائے اس کے یہ تمہارے ساتھ باتیں بگھارنا شروع ہو گئی۔'' صفیہ نے ناشتے کی ٹرے فرح کو پکڑاتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی اچھی طرح لتاڑ دیا اور خود ان کے سامنے بچھی چارپائی پر بیٹھ گئیں، وہ اپنی عزت افزائی پر منہ بسورنے لگی۔

''دیکھیں نا آپی! امی کو ہمیشہ مجھ میں کیڑے ہی نظر آتے ہیں، ہمیشہ میرے ساتھ ... کرتی ہیں۔'' وہ صفیہ کو شکایتی نظروں سے ... ہوئے بولی تو اس کی بھولی صورت پر ان ... کو ڈھیروں پیار آیا۔

''اچھا بھئی! میری بیٹی تو بہت سمجھدار ہے، ... کر دونوں ناشتہ کر لو، میں تو صبح ہی ناشتہ کر ... ہوں، پھر فرح کے لئے دوپہر کے کھانے کا ... بھی کرنا ہے، گوشت میں نے فریزر سے ... دیا ہے، جب تک نرم ہوتا ہے میں تمہیں ... ٹ دیتی ہوں، کھیر میں نے پکا لی ہے، ... تم بنا لینا۔''

''ارے...... واہ صرف سالن؟ میں تو چاول ... ؤں گی اور ساتھ بازار سے روسٹ بھی ... ؤں گی اور...... اور۔'' وہ مینو ترتیب دیتے ... مزید سوچ رہی تھی کہ صفیہ ہنسنے لگیں۔

''بھئی! جو دل کرتا ہے پکا لو، بس مجھے یہ بتا ... کیا کاٹنا ہے۔''

... وہ ناشتے کے ساتھ ساتھ باتوں میں بھی ... ہو گئیں لیکن فرح کی بے چینی ختم ہونے ... نہ آ رہی تھی، وہ گاہے بگاہے جانچتی ... سے ماہم کو کھوج رہی تھی، وہ اسے پیاری ... بہت تھی، اس لئے اس کا ماہم کے لئے ... ہونا فطری بات تھی، دو ہی تو بہنیں تھیں

... ح کی پیدائش کے بعد جب صفیہ اور ... کے لئے بالکل ناامید ہو گئی تھیں تو دس سال ... م پیدا ہوئی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ امی، ابو کی ... نے کے علاوہ فرح کی بھی بہت لاڈلی تھی ... کی اتنی تفاوت کے باوجود دونوں میں ... تی تھی اور ماہم کو اپنی ہر بات فرح سے ... نے کی عادت تھی۔

... م کی شادی سے پہلے فرح جب بھی میکے ... تنے عرصے میں جو کچھ بھی ہوا ہوتا وہ فرح کو لازمی ساری روداد سنایا کرتی تھی، فرح دوسرے شہر میں بیاہی گئی تھی جو پانچ گھنٹے کے فاصلے پر تھا لیکن ماہم کی شادی اسی شہر میں ہوئی تھی، سسرال کا گھر بھی میکے سے زیادہ دور نہیں تھا اور سسرال میں بھی اس کے ساس، سسر اور میاں ہی تھے کہ جواد اکلوتے تھے، وہ کچھ دنوں کے بعد امی، ابو کی طرف چکر لگا لیتی تھی، رات تو وہ شاذ و نادر ہی رکتی لیکن دن میں چند گھنٹوں کے لئے ہی سہی وہ ان سے ملنے آ جایا کرتی تھی اور صفیہ تو اسی بات پر خوش ہو جاتی تھیں کہ وہ اس سے چند دنوں بعد ہی مل تو لیتی ہیں اس کے برعکس فرح کا چھ مہینے، سال بعد ہی چکر لگ پاتا تھا، ایک تو اس کا سسرال دوسرے شہر میں تھا اور ویسے بھی وہ بھرے پرے سسرال میں بیاہی گئی تھی تو ذمہ داریاں بھی اس حساب سے تھیں اور بچے بھی سکول جاتے تھے تو ان کی چھٹیوں کے حساب سے ہی وہ آ پاتی تھی، اب بھی ماہم کی شادی کے بعد وہ اب آئی تھی اور اس کی آمد کا سن کر ہی ماہم پہلے سے ہی میکے آ گئی تھی کہ وہ ایک ہفتہ رہنے کے لئے آئی تھی اور ماہم یہ دن اس کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔

''اگر ماہم کو کوئی پریشانی ہوئی بھی تو وہ مجھے ضرور بتائے گی۔'' فرح یہ سوچ کر قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''آپی! آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' ماہم نے چائے کا کپ فرح کو پکڑایا اور اپنی چائے کا کپ لے کر اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''ہاں پوچھو؟'' فرح کو وہ تھوڑی الجھی الجھی لگی۔

''آپی...... وہ۔'' وہ جھجکتے ہوئے کچھ کہتے

کہتے رک گئی، عجیب کیفیت ہو رہی تھی اس کی جیسے کچھ کہنا بھی چاہ رہی ہو اور کہہ بھی نہ پا رہی ہو۔

"ہاں...... ہاں...... کہو نا، ایسی کیا بات ہے؟" فرح نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

آج رات ان کے جاگنے کی آخری رات تھی کہ کل عاطف اور بچوں نے آجانا تھا پھر ظاہر ہے فرح نے مصروف ہو جانا تھا اور پھر پرسوں صبح اس نے چلے جانا تھا، جب سے وہ دونوں اکٹھی ہوئی تھیں وہ رات دیر تک جاگتی باتیں کرتی رہتی جبکہ امی ابو دونوں بہنوں کو باتوں میں مشغول چھوڑ کر سونے چل دیتے کہ وہ جلدی سوتے تھے آج ان دونوں نے ساری رات جاگنے کا پروگرام بنایا تھا اس لئے ماہم نے چائے بنائی تھی کہ نیند کو چائے سے بھگا سکیں، اسی کا خیال تھا کہ باتیں تو دن کو بھی ہو سکتی ہیں جبکہ گھر میں اور کوئی تھا بھی نہیں وہ سارا دن باتیں کرتے ہی گزارتی تھیں لیکن رات کو جاگ کر ساتھ ساتھ چائے پی کر باتیں کرنے کا جو مزا ہے وہ دن میں کہاں؟ یہ ان دونوں کی مشترکہ رائے تھی۔

"تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی چندا۔"

فرح چند ثانیے اس کے خاموش اور پرسوچ چہرے کو دیکھتے رہنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

"آپ کی شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں اور میں نے ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ آپ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہی ہیں، کیا آپ کے سسرال والے اور عاطف بھائی بہت اچھے ہیں؟ کیونکہ میں نے آپ کو کبھی بھی بہت زیادہ پریشان نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے آپ کو کبھی امی سے ایسا کوئی تذکرہ کرتے سنا ہے کہ آپ کا یا عاطف بھائی کا جھگڑا ہوا ہو یا آپ کی سسرال سے ان بن ہوئی ہو حالانکہ آپ سب دیورانیاں جیٹھانیاں اکٹھی رہتی ہیں۔" ماہم نے چائے پیتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

اس کے سوال پر فرح کھوجتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو گویا اسے جو لگ رہا تھا کہ ماہم کچھ پریشان ہے تو وہ ٹھیک سوچ رہی تھی، وہ پچھلے دن سے ہی اسے الجھی الجھی لگی تھی اور بعد کے دنوں میں بھی اس نے نوٹ کیا تھا کہ ماہم کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کہہ نہیں پاتی، اس نے ایک دو دفعہ ماہم سے پوچھا بھی تھا کہ کیا وہ پریشان ہے لیکن ہر بار اس نے ہنس کر ٹال دیا تو وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

"میں الحمدللہ بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں اور رہی بات یہ کہ میں نے امی سے کبھی جھگڑے کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ تو یہ حقیقت ہے کہ میرا کبھی سسرال والوں سے جھگڑا نہیں ہوا نہ ہی کبھی عاطف سے کوئی سخت قسم کا جھگڑا ہوا ہاں معمولی نوعیت کی نوک جھونک تو ہر میاں بیوی میں ہو ہی جاتی ہے۔" فرح رسان سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئی۔

"اور اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر کرو میں تمہاری بہن ہوں کوئی غیر تو نہیں، میرے سے اپنے دل کی ہر بات کہنے والی بہن اب کیوں جھجک رہی ہے؟ شادی کے بعد بہنیں بہنیں ہی رہتی ہیں گڑیا! بھول نہیں جاتیں گھروں کے فاصلے دلوں میں فاصلے تو پیدا نہیں کرتے نا، تو پھر یہ غیریت کیوں؟ میں کئی دنوں سے انتظار میں تھی کہ اگر تمہاری کوئی پریشانی ہے تو تم مجھ سے ضرور کہو گی۔" فرح نے اس پر ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے دبایا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی، ماہم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے شفاف موتی اس کی ہتھیلیوں کو بھگونے لگے تو وہ یکدم گھبرا سی گئی۔

"ماہم! کیا ہوا ہے میری جان؟ رو کیوں رہی ہو؟" اس کے آنسو فرح کے دل پر برچھی کی طرح وار کر گئے تھے۔

وہ فرح کے گلے لگ کر اور شدت سے رونے لگی، پہلے تو فرح نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن پھر اسے رونے دیا وہ چاہتی تھی کہ اس کے دل کا غبار آنسوؤں کی صورت بہہ جائے، دل پر رکھا وہ نادیدہ بوجھ جو وہ امی کو بھی نہیں دکھا پائی، اس بوجھ کا آنسوؤں کی صورت بہہ جانا ہی ٹھیک تھا، بعض دفعہ دل میں موجود بہت سی کثافتیں، بہت سا غبار نمی کی صورت آنکھوں سے بہہ کر وجود کو ہلکا پھلکا کر دیتا ہے اور یہی کیفیت اس وقت ماہم کی تھی، بہت سا رو لینے کے بعد وہ جیسے سنبھل گئی تھی اور اپنی سابقہ کیفیت سے آہستہ آہستہ باہر نکل آئی تھی۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے؟" فرح نے پیار سے اس کے ماتھے پر آئے بال کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں کوئی اتنی خاص بات تو نہیں ہے، آپ کو تو پتہ ہے میں ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہوں۔" اس نے آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے فرح کو ٹالنا چاہا۔

"ماہم! پھر وہی بات۔" فرح نے تنبیہی انداز اپنایا تو وہ تذبذب سے انگلیاں مروڑنے لگی، کچھ دیر خاموشی ان کے درمیان حائل رہی بالآخر ماہم بولی۔

"آپی! میں بہت خوش ہوں، سسرال بھی اچھا ہے، بظاہر سب کچھ ٹھیک ہے لیکن میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی، میں حق پر ہوتے ہوئے بھی اپنا موقف تک بیان نہیں کر سکتی، کبھی کبھار فہمیدہ آنٹی (ساس) بہت چبھتی ہوئی باتیں کر جاتی ہیں کہ مجھ سے ضبط نہیں ہوتا اور میں ان کو وضاحت دیتی ہوں تو وہ بجائے میری بات سمجھنے کے مجھ سے اور زیادہ ناراض اور اکھڑی اکھڑی رہنے لگ جاتی ہیں اور جواد بھی ایسے ہی ہیں بظاہر بہت اچھے ہیں لیکن بعض دفعہ اتنے روڈ ہو جاتے ہیں کہ میں گنگ رہ جاتی ہوں، اکثر وہ مجھے ناحق ہی ڈانٹ دیتے ہیں اور اگر میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کروں تو ہمارے مابین نوک جھونک شروع ہو جاتی ہے، وہ مجھے کہتے ہیں کہ تم آگے سے جواب دیتی ہو، کبھی کہتے ہیں تم بحث بہت کرتی ہو، کبھی کہتے ہیں تم بدتمیز ہو، لڑاکا عورتوں کی طرح مقابلے بازی پر اتر آتی ہو، ایسا کیوں ہے آپی؟ غلط بات تو غلط ہوتی ہے نا اور خاموش تو تب رہا جاتا ہے جب آپ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو، لیکن جب غلطی آپ کی نہیں تو خاموش کیوں رہا جائے؟ آپ بتائیں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟" وہ دھیرے دھیرے اپنا حال دل فرح کے گوش گزار کرتی گئی، ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی دھند کی صورت جمع ہونے لگی، اس نے بمشکل اس دھند کو اپنی آنکھوں کی سطح سے صاف کیا۔

"مجھے بتائیں آپی! کیا آپ کے ساتھ ایسا کچھ ہے اور اگر ایسے مسائل ہیں تو آپ کس طرح ان مسائل کا سامنا کرتی ہیں کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ کو مطمئن دیکھا ہے، پلیز آپی مجھے بھی وہ گر سکھا دیں جو میرے لئے اطمینان کا باعث ہو کیونکہ بعض دفعہ میں بہت گھبرا جاتی ہوں۔" اس

کی آخری بات پر فرح مسکرا دی تو وہ استعجاب سے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا آپ کو میری باتیں بچگانہ لگ رہی ہیں؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تو پھر آپ مسکرائی کیوں؟" وہ جواب طلب نظروں سے فرح کو دیکھنے لگی۔

"میں اس لئے مسکرائی تھی کہ کتنی چھوٹی سی باتیں ہیں جنہوں نے تمہیں پریشان کیا ہوا ہے؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ مجھے بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" وہ اچنبھے سے فرح کو دیکھنے لگی۔

"ماہم! میری بات غور سے سننا، جو مسائل تم نے مجھے بتائے ہیں یہ بہت عام سے مسائل ہیں تقریباً ہر لڑکی کو ہی اس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تم نے کہا کہ جب کوئی غلطی نہ ہو تو اس پر خاموش کیوں رہا جائے؟ تم نے بالکل ٹھیک کہا لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، سسرال میں یہ سب اپلائی نہیں ہوتا اور ہر حال میں لڑکی کو ہی سمجھوتا کرنا پڑتا ہے کیونکہ اپنا گھر چھوڑ کر وہ آتی ہے دوسرے نہیں، اس لئے سسرال اور میاں کے مقابلے میں لڑکی کی پوزیشن کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اسے ہی دبنا پڑتا ہے کیونکہ ہمیشہ کمزور کو ہی دبایا جاتا ہے، یاد رکھنا سسرال میں وہ بہو اچھی کہلائی جاتی ہے جو مسکرا مسکرا کر غلط بات کو بھی برداشت کرے اور ناکردہ خطاؤں پر شرمندہ شرمندہ سی پھرتی رہے جبکہ ہزاروں دلیلیں، وضاحتیں دل کے کسی کونے میں پڑی کرلا رہی ہوتی ہیں لیکن ان کو نوک زبان پر لانا حماقت ہوتی ہے کیونکہ جو بہو زبان سے الفاظ ادا کر دے چاہے وہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہو تو وہ بدتمیز کہلاتی ہے، اسی طرح اچھی بیوی پر بھی یہ اصول لاگو ہوتے ہیں، میرے جھگڑے اسی لئے نہیں ہوتے کیونکہ میں نے یہ اصول اپنا لئے ہیں، تم نے صرف ساس، سسر اور شوہر کو فیس کرنا ہے جبکہ میرے گھر میں تو اور بھی بہت سے رشتے ہیں، تم میری بات سمجھ رہی ہو نا۔" فرح نے زیرِ نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کہا جبکہ وہ جواباً اثبات میں سر کو ہلکی سی جنبش بھی نہ دے سکی بس خاموش نظروں سے فرح کو دیکھتی رہی۔

"اور اس کے علاوہ میرے پاس ایک گر بھی ہے جو مجھے زندگی نے سکھایا ہے اور وہ گر یہ ہے کہ میں سنتی ہوں، سنتی ہوں اور صرف سنتی ہوں بولتی بھی ہوں لیکن اپنے شوہر اور سسرال کے سامنے میرے منہ سے صرف وہی الفاظ نکلتے ہیں جو ان کی تائید میں ہوتے ہیں اور جہاں کہیں ان کی کسی بات سے مجھے اگر اختلاف ہوتا ہے تو وہاں میرے لفظ گونگے ہو جاتے ہیں اور میری زبان کا ساتھ دینے سے انکاری ہو جاتے ہیں اور نتیجہ کیا نکلتا ہے کہ مجھ سے سب خوش رہتے ہیں اب دیکھو میرا دل چاہ رہا تھا کہ بچوں کو ساتھ لے کر آؤں لیکن عاطف نے کہا کہ ان کی پڑھائی ڈسٹرب ہو گی چنانچہ میں خود ایک دن کے لئے لے آؤں گا اور میں خاموش ہو گئی حالانکہ چند دن کی ہی تو بات تھی لیکن میں نے ہمیشہ کی طرح ان کی بات مانی۔"

"تو کیا آپ کو غصہ نہیں آتا؟ ہمیشہ خاموش رہو، ہمیشہ دوسروں کی مانتے جاؤ اپنی مرضی کا کچھ نہ کر سکو۔" وہ حیرانی سے اپنی متورم پلکیں جھپکتے ہوئے بولی، وہ فرح کی باتوں سے بہت حیران ہو رہی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ فرح کی زندگی پُرسکون ندی کی مانند ہے۔

"اپنی مرضی؟ میرے پاس اپنی مرضی کا آپشن ہی نہیں ہے تو اس لاحاصل بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن ہاں زندگی ہر ایک کو کبھی نہ کبھی موقع ضرور دیتی ہے اور مجھے بھی اگر زندگی نے ایسا موقع یا آپشن دیا تو میں ضرور فائدہ اٹھاؤں گی۔" فرح کے چہرے پر بالکل ہلکے پھلکے تاثرات تھے۔

"اور رہی غصہ آنے والی بات؟ تو پہلے بہت غصہ آتا تھا میں اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھی، بہت دفعہ چھپ چھپ کر روئی بھی کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ایسی بات ہوتی جس پر مجھے غصہ آتا تو میں کچھ کر تو نہ سکتی لیکن جو کام کر رہی ہوتی مثلاً جیسے میں کپڑے استری کر رہی ہوتی تو سارا غصہ کپڑوں پر خوب سارا پانی پھینک کر نکالتی اور پھر مجھے خود ہی زیادہ دیر لگا کر کپڑے استری کرنے پڑتے، کبھی بچوں کو ایک ایک جڑ دیتی اور پھر انہیں چپ کرانے میں ہلکان ہوئی جاتی، ایک دفعہ تو میں نے حد ہی کر دی۔" فرح ہنستے ہوئے بولی جیسے اس نے اپنی بات سے خود ہی حظ اٹھایا ہو۔

"کیوں ایسا کیا کیا؟" ماہم جو پہلے از حد پریشان تھی اب قدرے بہل گئی تھی اور دلچسپی سے اس کی بات سننے لگی۔

"ایک دفعہ عاطف نے کہیں جانا تھا اور انہیں اپنی مطلوبہ ٹائی نہیں مل رہی تھی اور اتنی سی بات پر انہوں نے مجھے لتاڑ دیا، سست، کاہل اور جانے کون کون سے القابات سے نوازنے لگے، جب میں نے الماری میں دیکھا تو ٹائی اسی جگہ پر پڑی تھی جہاں میں نے انہیں بتایا تھا اب اگر میں کچھ کہتی تو انہوں نے اپنا قصور کبھی نہیں ماننا تھا اور بات بڑھ جانی تھی، میرا دل ٹوٹ سا گیا اور اپنی بے بسی پر مجھے رونا آنے لگا اور عاطف پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے عاطف کے سارے استری شدہ

کپڑے نکال کر باہر قالین پر پھینک دیے اور جتنے ہینگ کیے ہوئے تھے وہ بھی پھینک دیے، ابھی غصہ کسی قدر کم ہی ہوتا تھا کہ عاطف جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ٹائی کی ناٹ لگا کر اب خود پر پرفیوم اسپرے کر رہے تھے اس لمحہ جناب اپنی طنزیہ گفتگو یکسر بھلا چکے تھے، انہوں نے ایک نظر پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور کہا، "الماریاں ٹھیک کر رہی ہو، چلو میرے واپس آنے تک سارا کام سمیٹ لینا اچھا۔" یہ کہہ کر وہ چلتے بنے اور میں جو ان کی باتوں کے ردعمل کے طور پر اپنا غصہ اتار رہی تھی سلگ کر رہ گئی، تو پھر نقصان کس کا ہوا؟ میرا ہوا نا، میرا ہی کام بڑھا تھا، تو جب میں عاطف کو کچھ کہہ رہی نہیں سکی تو پھر دل میں ٹینشن لے کر اپنے آپ کو کیوں الجھاؤں؟ بس پھر تب سے میں نے معمولی معمولی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دیا اور وہ باتیں جو کبھی میرے لئے بہت اہم ہوتی تھیں کہ میں سارا سارا دن ان پر کڑھتی رہتی پھر ان کی میری نظر میں کوئی وقعت نہ رہی تھی اور پھر آہستہ آہستہ میں بہت حد تک ٹینشن فری ہو گئی، میں یہ نہیں کہتی کہ کوئی بات ہو تو تم اس کے متعلق بالکل نہ سوچو، سوچ تو خود بخود ہی آ ہی جاتی ہے لیکن ہاں اپنی کوشش کر کے اس پر کسی حد تک قابو تو پایا جا سکتا ہے نا، میری ایک بات یاد رکھنا ماہم! اگر انسان کی عقل اس کی اپنی زندگی کو خوشگوار نہ بنا سکے تو کیا فائدہ ایسی عقل کا، اس لئے اپنے حالات سے سمجھوتا کر کے انہیں خوشگوار بنانے کا سوچنا چاہیے نہ کہ ان پر پریشان ہو کر خود کو ختم کرنا چاہیے، کیونکہ زندگی ایک دو دن کی کہانی نہیں جو ختم ہو جائے گی، یہ کئی ماہ و سال کا سفر ہے جس میں شروع میں کئی اتار چڑھاؤ آتے ہیں، نشیب و فراز آتے ہیں، بالکل ٹھیک راستہ ہوتے ہوئے بکدم خاردار جھاڑیاں راستے میں آ جاتی ہیں لیکن ان سب مشکلات کے باوجود بالآخر سیدھا اور ہموار راستہ مل ہی جاتا ہے بس امید اچھی رکھنی چاہیے۔" فرح نے اپنی بات ختم کر کے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تو اس نے بھی اس کے مہربان چہرے پر مسکراہٹ سے بھرپور نظر ڈالی۔

ہنسی ہنسی میں فرح نے اسے کتنی سمجھداری کی باتیں بتا دی تھیں، اس کی باتوں نے اس کے دل کو بہت ڈھارس دی تھی اور ایک بے نام سی اداسی، دلگرفتگی جو اسے اپنے حصار میں لئے رکھتی تھی وہ یک لخت ہی جیسے اس سے آزاد ہو گئی تھی۔

"میرے خیال میں پہلے تہجد کے نوافل پڑھ لیں پھر باقی باتیں بعد میں کریں گے کیونکہ وقت تو ہو گیا ہے۔" فرح نے گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی اس کے ساتھ وضو کرنے چل دی۔

یہ بڑی بہنیں کتنی نعمت ہوتی ہیں نا بعض دفعہ ان کے تسلی آمیز الفاظ جو زندگی کے حقائق نے ان کو سکھائے ہوتے ہیں مرہم کا کام کر جاتے ہیں، جیسے اس وقت فرح نے ماہم کے دل کی تشفی کروا کر اس پر دلاسے کے پھاہے رکھ دیے تھے اور وہ قدرے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

"آپی! میں آپ کے مشورے پر ضرور عمل کروں گی اور بقول آپ کے جو آپ کے پاس گر ہے میں بھی اسے اپناؤں گی کیونکہ یہ آپ کا تجربہ ہے اور کسی کے تجربے سے فائدہ اٹھانا سو فیصد ہی ہوا کرتا ہے۔" اس نے نوافل ادا کرتی اپنی بہن پر محبت بھری نظر ڈالی اور خود بھی جائے نماز بچھا کر نیت باندھ لی۔

☆☆☆

باڈی گارڈ

مہر گل

انتاری تھی۔

''کیا ہو رہا ہے بچوں؟'' دادا جی اندر داخل ہوئے تو حیرت سے ٹھٹک کر رک گئے، آج ان کی آنکھیں ناقابل یقین منظر دیکھ رہی تھیں اور کان ایک بے ہنگم سا شور سن رہے تھے۔

''آؤ جی، جاؤ جی دل سے دل ملاؤ جی آ رہا ہے، دیکھو باڈی گارڈ۔'' گانا تیز آواز میں چل رہا تھا کمپیوٹر کی اسکرین پر سلمان خان رقص کر رہا تھا اور کمرے میں جواد اور باذل جھوم رہے تھے۔

''ارے دادو، چاچو سلمان خان کی ''باڈی گارڈ'' لائے ہیں کیا زبردست مووی ہے، آپ بھی دیکھیں ناں۔'' چودہ سالہ باذل نے معصومیت سے کہا۔

جبکہ جواد کے تو اپنے بابا کو دیکھ کر ہوش ہی اڑ گئے تھے، اس نے جلدی سے والیوم کم کیا۔

''نہیں بیٹا! ہم یہ خرافات نہیں دیکھتے، جب تم لوگ فارغ ہو جاؤ تو اسٹڈی میں آ جانا، آج یوم دفاع پاکستان یعنی چھ ستمبر ہے۔'' ان کا انداز جتاتا ہوا تھا، پھر وہ مڑے اور کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

''مارے گئے۔'' جواد نے فوراً کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کیا۔

''اور تم نے ساری ٹوپی میرے سر ڈال دی کہ چاچو مووی لائے ہیں۔'' اس نے بھتیجے کی گردن دبوچی، اٹھارہ سالہ جواد جوانٹر میں تھا اور چودہ سالہ باذل جو ہشتم کا طالب علم تھا، دونوں میں بلا کی بے تکلفی تھی کچھ جواد تھا بھی لاابالی اس لئے ہر قسم کی شرارتیں مل کر ہوتی تھیں۔

''ارے چاچو! گردن تو چھوڑیں، میں نے جھوٹ تھوڑی بولا تھا۔'' باذل نے احتجاج کیا۔

''ہاں میرے سیدھے سادھے شریف بچے ایک مہینے سے میرا کان کون کھا رہا تھا کہ چاچو باڈی گارڈ لاؤ۔'' جواد نے دانت کچکچا کر نقل اتاری تھی۔

''تو آپ چھ ستمبر کو ہی کیوں لائے جبکہ آپ جانتے ہیں کہ دادو چھ ستمبر اور چودہ اگست کو ہمیں ہمیشہ قربانیوں کی کہانیاں اور حب الوطنی کا درس دیتے ہیں اور آپ ان کی ازلی دشمن انڈیا کی مووی لے آئے، ویسے چاچو دادو انڈیا سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟'' باذل نے بال ہاتھوں سے سیٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''خود ہی پوچھ لینا دادو سے۔'' جواد تو جلا بیٹھا تھا، دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کرتے جب وہ دونوں اسٹڈی میں پہنچے تو دونوں کے ہاتھوں کے طوطے ایک مرتبہ پھر اڑ گئے۔

''چاچو؟'' باذل نے مردہ لہجے میں کہا۔

''ہاں بھتیجے۔'' چاچو کا جواب اس سے زیادہ مرے ہوئے انداز میں آیا۔

''کچھ دیکھا۔'' دریافت کیا گیا۔

''ہاں فاتحہ خوانی کا مکمل بندوبست ہے۔'' جواد بڑبڑایا، کیونکہ سامنے اسٹڈی کے صوفوں پہ باذل کی امی اور دونوں بہنوں ثمینہ اور قرینہ کے ساتھ ساتھ ان کی پھپھو جہاں آراء بیگم اپنی بیٹی حدیقہ اور نند مہر النساء کے ساتھ براجمان تھیں اور حدیقہ اور مہر النساء طرف مہر وے تو ان چچا بھتیجے کی ازلی دشمنی چلی آ رہی تھی اس لئے ان کے سامنے متوقع بے عزتی کے احساس نے دونوں کے چہروں پر مظلومیت کے تاثرات پیدا کر دیئے تھے۔

''ہو گئی تمہاری مصروفیت ختم برخوردار۔'' دادو نے چشمے کے پیچھے سے دونوں کو جھانکا، تو دونوں کے چہرے پر برستی مظلومیت اور التجائیہ انداز نے انہیں زیرلب مسکرانے پر مجبور کر دیا سو وہ پھر بھی کا اشارہ کرتے انہیں بیٹھنے کو کہہ گئے۔

''آج کون سی کہانی سنائیں گے دادو

جان۔'' چھ سالہ قرینہ نے دادو کی گود میں سر گھساتے ہوئے پوچھا، تو انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر جواب دیا۔

''دادو کی جان آج ہم آپ کو باڈی گارڈز کی کہانی سنائیں گے۔'' دادو کی بات پر جواد اور باذل جنہوں نے ابھی اطمینان کا سانس لیا تھا پھر سٹپٹا گئے۔

''سلمان خان کی باڈی گارڈ کی۔'' حدیقہ نے بے ساختہ کہا۔

''نہیں اصلی باڈی گارڈز کی کہانی۔'' دادو نے تنبیہی انداز میں جواب دیا۔

''اُفوہ، خاموش تو کرو تم لوگ، ہر وقت بیچ میں ٹپک پڑتے ہو۔'' جہاں آراء بیگم نے بیٹی کو گھر کا۔

''ارے مت ڈانٹا کریں ان معصوم پریوں کو۔'' دادو نے کہا تو حدیقہ نے اترا کر سب کو دیکھا۔

''چاچو! دادو غلطی سے چڑیل کی جگہ پری کہہ گئے ہیں یا دل رکھنے کے لئے۔'' باذل نے اتنی آواز میں سرگوشی کی کہ دادو کو تو نہیں البتہ کان ادھر ہی لگائے حدیقہ کو آواز ضرور پہنچ گئی اس نے جواباً گھور کر دیکھا مگر اس سے پہلے ہی اسے جوابی کاروائی کا ارادہ ترک کرنا پڑا کیونکہ کہانی شروع ہو گئی تھی، یہ اس گھر کا ایک بہت ہی خوبصورت رواج تھا کہ ہر سال چودہ اگست، چھ ستمبر، آٹھ مئی اور سولہ دسمبر کو دادو خوبصورت کہانیوں کے ذریعے جوش ولولہ اور حب الوطنی اپنی نسل میں منتقل کرتے تھے تاکہ وہ ملک دشمن عناصر کے بچھائے ہوئے جال کو پہچان سکیں۔

''ہاں تو بچوں دو بھائی تھے، جو ایک گھر میں مل جل کر رہتے تھے بڑے ہی پیار اور اتفاق کے ساتھ ایک دن ان کے گھر کچھ مہمان آ گئے جب انہوں نے ان کے درمیان اتنی محبت دیکھی تو حسد کرنے لگے اور انہوں نے سوچا کہ ان کے گھر میں جو خوشحالی ہے وہ اتفاق اور اتحاد کی وجہ سے ہے، کیوں نہ اسی اتحاد کو توڑا جائے اور دونوں کو بیوقوف بنا کر ان سے مال و دولت لوٹی جائے، تو جناب مہمان کا قیام طویل سے طویل تر ہو گیا اس نے بڑے بھائی کو بہکانا شروع کیا کہ بھئی تمہاری اتنی بڑی فیملی ہے آدھے سے زیادہ کاروبار تم سنبھالتے ہو، اتنی محنت کرتے ہو اور عیش تمہارا چھوٹا بھائی کر رہا ہے اسے ایم ڈی کا درجہ خواہ مخواہ ملا ہوا ہے بڑے بھائی نے باتوں میں آ کر بھائی کو کاروبار سے الگ کر دیا، چھوٹے بھائی کے گھر فاقے ہونے لگے، مگر حاسدوں کو چین کہاں، انہوں نے بڑے بھائی کے بچے کے ہاتھوں چھوٹے بھائی کے بچوں کو پٹوانا شروع کر دیا اور نوبت یہاں تک آ گئی کے وہ یعنی بڑے بھائی کے بچے اپنے چچا زادوں کا سر پھاڑ دیا کرتے، انہیں زخمی کر دیا کرتے، اور کچھ بچوں کو تو انہوں نے جان سے بھی مار ڈالا اور دشمن نے خوشی سے نقارے بجائے۔''

''ہاہ! دادو بڑے بھائی نے کچھ نہیں کہا اپنے بچوں کو۔'' ثمینہ نے ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔

''وہ بھلا کچھ کیسے کہتا بیٹا اسے تو کہانی اسی طرح سنائی جاتی کہ الزام چھوٹے بھائی کے بچوں پر ڈال دیا جاتا تھا، خیر جب بات جان پر آ گئی تو چھوٹے بھائی نے ہمت کر کے گھر کے الگ الگ پورشن بنانے کا مطالبہ کر دیا تاکہ لڑائی جھگڑے نہ ہوں، قانوناً دونوں بیٹوں کا حصہ آدھا آدھا ہوتا ہے مگر یہاں بھی دشمنوں کے سکھائے میں آ کر بڑے بھائی نے ڈنڈی ماری اور ایک چھوٹا سا حصہ اور لان کے نام پر کچی زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا

جو بجر تھا ان کے حوالے کر دیا، گھر کے سامان میں سے بھی دو چار چیزوں کے سوا باقی سب کچھ اپنے پاس رکھ لیا اور اس بات پر بھائی کو سب کے سامنے برا بھلا بھی کہا کہ اس کی وجہ سے گھر کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں۔" دادا جان ذرا دیر کو تھمے تھے۔

"کتنا ظالم تھا وہ بڑا بھائی۔" باذل نے افسوس سے کہا۔

"اور سب سے زیادہ غصہ تو مجھے اس مکار مہمان پر آ رہا ہے انہی کے گھر میں رہ کر ان دونوں کو لڑوا دیا۔" مہرالنساء جو باذل سے دو سال ہی بڑی تھی تاسف سے بولی تھی۔

"ہاں تو بچوں سب سے زیادہ مزہ تو اسی بات کا ہے وہ مہمان اب بھی دونوں کا دوست بنا ہوا تھا، ان کے کاروبار میں شیئرز لگا کر حصہ دار بھی بنا رہا اور ان پر اپنا احسان بھی جتاتا رہا کہ اسی کی بدولت وہ دونوں بھائی الگ الگ گھر کے مالک بنے، وقت کا پہیہ چلتا رہا، چھوٹے بھائی نے بڑی محنت سے اپنا گھر بنایا، تنکا تنکا جوڑ کر آشیانہ بنایا، اپنے بنجر لان میں خون دل سے سینچ کر وہاں چمن مہکا دیا، لگن اور کوششوں کے باعث اس کا گھر مہک اٹھا، دشمن نے پھر رقابت کی آگ بڑے بھائی کے بچوں کے دلوں میں سلگائی اور ایک رات تایا زاد بھائی چپکے سے پٹرول لے کر ان کے گھر میں کود پڑے اور تیل چھڑک کر آگ لگانے لگے، مگر چھوٹے بھائی کے بچے دشمن کی طرف سے ہوشیار تھے، انہوں نے اپنے گھر کے باڈی گارڈز کا کام انجام دیا اور ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ منہ کی کھا کر بھاگ گئے۔" دادا نے چشمہ اتار کر صاف کیا۔

"اف کتنے کمینے تھے وہ دشمن۔" حدیقہ پھر بول اٹھی تھی۔

"اور معلوم ہے بچوں اس کے بعد بھی دشمنوں نے ہار نہ مانی بلکہ چھوٹے بھائی کے بھی بچوں میں پھوٹ ڈالوا دی اور انہوں نے چھوٹے سے گھر کے بھی حصے کر لئے اس کے علاوہ چرس، ہیروئن اور سلو پوائزن کے ذریعے انہیں ہر وقت مدہوش کر دیا تاکہ وہ اپنے گھر کی حفاظت نہ کر پائیں اور دشمن موقع دیکھ کر پھر اس گھر کو جلا کر راکھ کر دیں۔" دادا جی کی آنکھوں اور لہجے دونوں میں نمی در آئی تھی۔

"مگر چھوٹے بھائی کے بچے اتنے بیوقوف کیسے بن گئے۔" اس مرتبہ جواد نے سوال کیا تھا۔

"یہ تو تم لوگ بتاؤ گے؟" دادا نے کہا تو سارے بچے حیران ہو گئے۔

"بھلا ہم کیسے بتائیں؟" انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیونکہ وہ بچے تم ہی لوگ تو ہو، بڑا بھائی بھارت اور چھوٹا بھائی پاکستان ہے، دشمن انگریز اور سلو پوائزن، یعنی زہر، کیبل، رقص و سرور، میوزک، فضول فیشن ہے جس کی بدولت ہم مذہب اور کلچر کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔" دادا نے کہا تو سب کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"آج ہمیں پھر ضرورت ہے ان شیر جوان بیٹوں کی جنہوں نے پینٹھ کی جنگ میں اپنے ملک کے باڈی گارڈز کا کام سر انجام دیا اپنے سینے پر گولی کھائی مگر دھرتی پر آنچ نہ آنے دی۔" ان کی نظریں اوپر فریم میں لگی باذل کے والد کی تصویر کی طرف تھیں جو کیپٹن کی وردی پہنے مسکرا رہے تھے وہ بھی کارگل کے شہداء میں شامل تھے، اس مرتبہ باذل کی والدہ اور پھپھو کے ساتھ سب گھر والوں کی بھی آنکھیں چھلک اٹھی تھیں۔

"میرا عہد ہے بابا! ہم بھی باڈی گارڈز بن کر دکھائیں گے اپنے اس پیارے دیس کے اور

دشمنوں کو ان کے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔" آخر جواد کی آواز نے سکوت توڑا تھا۔

"ہم بھی وعدہ کرتے ہیں۔" باقی بچوں کی آواز گونجی تو دادا ابا روتے ہوئے مسکرا دیے اور بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

نہ ہو مایوس اے اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆☆☆

وقت کا کام گزرنا ہے سو وہ بے پاؤں گزرتا رہا، جواد نے انٹر کے بعد آرمی میں اپلائی کیا مگر ہائے قسمت کہ اس کی آنکھیں کچھ کمزور تھیں اور وہ میڈیکلی ان فٹ ثابت ہو گیا اور آرمی میں نہ جا سکا، اس دن وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا، تین دن اس نے کھانا نہیں کھایا، کتنے ہی دنوں وہ صدمے سے بیمار پڑا رہا، سب گھر والے اس کی وجہ سے پریشان تھے ایسے میں اسے بابا اور باذل نے سہارا دیا، بابا نے کہا۔

"بیٹا ملک کی حفاظت صرف فوج ہی نہیں کر سکتی، ہم اگر اپنے ملک کی معشیت بہتر بنائیں گے تو ہمارا ملک محتاج نہیں رہے گا، تمہارے فزکس میں کتنے اچھے نمبر آئے ہیں تم سائنس ریسرچ میں کیوں نہیں ایڈمیشن لیتے۔" بابا نے نئی راہ دکھائی تھی۔

"مگر بابا میرے خواب میری آرزوئیں۔" وہ سسک اٹھا تھا۔

"تو چاچو آپ اور میں الگ الگ ہیں کیا، میں آپ کے خواب کو پورا کروں گا۔" باذل نے کہا تو جواد نے اسے سینے سے کھینچ لیا، یوں جواد جہاں ایم اے فزکس میں ٹاپ کر کے سائنس ریسرچ میں آگے بڑھ گیا وہاں باذل نے کاکول اکیڈمی جوائن کر لی اور جس دن اس نے باپ کی طرح کیپٹن کی وردی پہنی جواد کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"یار باذل تو میدان مار گیا تو نے اپنے چچا کو پیچھے چھوڑ دیا۔"

"کہاں چچا میں نے تو آپ کا خواب پورا کیا ہے۔" اس نے کہا اور دونوں طمانیت سے مسکرا دیے تھے۔

گزرتے وقت کے ساتھ مہرالنساء جواد اور حدیقہ باذل کی نوک جھونک کب چاہت میں بدلی، معلوم ہی نہ ہو سکا تھا، جواد تو بس ایک ہی دھن میں لگا تھا کہ مجھے ملک کے لئے کچھ ایجاد کرنا ہے جو میرے ملک کی حفاظت میں اہم کردار ادا کر سکے اور آخر وہ کامیاب ہو ہی گیا۔

وہ پاکستان کا سب سے کم عمر سائنسدان تھا جسے ایٹمی لیبارٹری میں کام کرنے کا موقع ملا تھا اور یہ سب اس کی ریسرچ کا نتیجہ تھا اس نے ایک ایسا ایٹمی میزائل فارمولا ایجاد کیا تھا جس کی بدولت پاکستان ایٹمی میزائلوں کے حملوں سے بچ سکتا تھا اور وہ اس نظام کی تیاری میں بری طرح مصروف تھا جب اس کے موبائل پر بپ ہوئی تھی، اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ اب بھی کام میں مشغول تھے، اس نے نمبر دیکھا اور سیل آف کر کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ میں کتنا اہم کام کر رہا ہوں۔" جواباً اتنی ہی سنجیدگی سے کہا گیا۔

"اچھا اب مجھے کیا الہام ہو گا کہ آپ اس وقت بھی کام کر رہے ہیں اور کام اتنا ضروری ہے کہ آپ اپنے بھتیجے کی آمد بھی بھول گئے، یاد ہے چچا آپ کو آج مجھے گھر آنا تھا۔" باذل کی آواز میں شکوہ تھا۔

"ارے یار! میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔"

جواد نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''جی ہاں اور آپ واقعی سب کچھ ہی بھلا بیٹھے ہیں، آپ کو معلوم ہے میں آتے ہوئے پھپھو کے گھر سے ہوتا ہوا آیا تھا، مہرو آنٹی کا رشتہ ہو رہا ہے۔'' باذل نے گویا اس کی سماعتوں پر بم پھوڑا تھا۔

''کیا؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ بے چینی سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''درست کہہ رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

''اوہ یار! اب کیا ہوگا؟'' جواد کے لہجے کی بے قراری محسوس کر کے وہ ہنس دیا۔

''ڈونٹ وری چاچو آخر مجھے بھی تو اپنی لائن کلیئر کروانی ہے آپ سے بات ڈال آیا ہوں پھپھو کے کان میں کہ آپ کے ننھے بھائی گوڈے گوڈے آنٹی کے عشق میں ڈوب چکے ہیں۔'' باذل نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا تو جواد نے اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

''اوہ! اور تم نے میری جان نکال دی تھی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ ہولڈ کرنا ذرا مجھے ریسرچ روم سے کچھ آہٹ سنائی دی ہے۔'' کھٹر پٹر کی آواز سن کر وہ ایک دم ملحقہ دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا، دروازہ کھول کر اندر آیا تو اندر ایک شخص الماری کھول کر تیزی سے سامان نکال رہا تھا۔

''اے کون ہو تم؟ اور تم نے الماری کا لاک کیسے کھولا؟'' جواد نے گرج کر پوچھا تو وہ شخص ہڑبڑا کر پلٹا تھا اور جواد ششدر رہ گیا تھا وہ اس کا جونیئر اسٹنٹ سمعان تھا جو دو ماہ پہلے لیبارٹری میں آیا تھا۔

''آ...... آ...... آپ ابھی تک یہیں ہیں۔'' وہ سٹپٹا کر بولا تھا۔

''میں تو یہاں ہوں مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ خدا بخش اور عبدالرحیم نے تمہیں روکا نہیں اس طرف آنے سے۔'' اس نے چوکیداروں کا نام لیا، اس کا پورشن سب سے ہٹ کر تھا تاکہ وہ آرام سے اپنا کام کر سکے۔

''وہ کیسے روک سکتے ہیں مجھے جبکہ وہ تو اب اوپر پہنچ چکے ہیں مسٹر جواد حسن۔'' اچانک ہی سمعان ہنسا تھا۔

''اور اچھا ہوا تم خود یہاں آ گئے ورنہ مجھے تمہاری طرف ہی آنا تھا، ایک ہفتہ ہو گیا مجھے تلاش کرتے ہوئے مگر تم نے اپنی ریسرچ فارمولا فائل نجانے کہاں چھپا رکھی ہے اب تم خود بتاؤ گے کہ وہ کہاں ہے؟'' سمعان کے ہاتھ میں اب ریوالور چمک رہا تھا۔

''اوہ تو تم بک چکے ہو؟'' جواد نے بے خوف لہجے میں کہا۔

''بکا نہیں ہوں بلکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے یہ سب کر رہا ہوں۔'' وہ غرایا تھا۔

''فارمولا چوری کرنا ملک کا مفاد ہے۔'' جواد نے تمسخر اڑایا۔

''تمہارے ملک کے نہ سہی میرے ملک کے مفاد میں تو ہے مسٹر جواد۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' جواد چونکا تھا۔

''مطلب یہ کہ میں بھارتی ہوں اور میرا نام سمعان نہیں وجے ہے میں وہاں کی اسپیشل فورس کا کیپٹن ہوں اور تمہیں یہ سب اس لئے بتایا کہ اب تمہیں زندہ نہیں رہنا۔''

''زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' یہ کہہ کر جواد اچانک سمعان یعنی وجے پر چھلانگ لگا چکا تھا، دونوں بری طرح گتھم گتھا ہو گئے مگر وجے مسلح تھا اور تربیت یافتہ بھی، اس نے

کچھ ہی دیر میں جواد کو بے ہوش کر دیا تھا۔

☆☆☆

جواد کی آنکھ ایک زوردار تھپڑ سے کھلی تھی، اس کے منہ میں خون کا ذائقہ گھل چکا تھا، سامنے وجے کھڑا تھا ہاتھ میں ریوالور لے کر۔

''ہاں تو مسٹر جواد اب تم بتاؤ گے کہ فائل کہاں ہے؟'' اس نے مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں، میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔'' جواد کے اطمینان بھرے لہجے پر وہ مشتعل ہو گیا، اس پر جنون سا طاری ہو گیا۔

''میں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں گا۔'' وہ غرایا تھا۔

''مگر تب بھی تمہیں فائل کا پتہ نہیں ملے گا۔'' جواد مسکرایا تھا۔

''اچھا دیکھتا ہوں کتنی برداشت ہے تم میں۔'' وجے نے جنونی انداز میں ریوالور سیدھا کیا اور سائلنسر لگی پسٹل کا رخ جواد کی دائیں ٹانگ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا، ٹھک کی آواز کے ساتھ گولی جواد کی پنڈلی میں لگی اور خون کا فوراہ نکل پڑا، اس کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑ گیا، مگر وہ یوں مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو کر لو جو کرنا ہے، وجے نے اس کی بائیں ٹانگ کی طرف رخ کر کے ٹریگر دبایا پھر وہی عمل ہوا، خون کا فوارہ چھوٹا اور ہلکا سا جھٹکا کھا کر جواد کا سر ڈھلک گیا، وجے نے آگے بڑھ کر پھر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور اس کے بالوں کو مٹھی میں دبوچ کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

''بس اتنی ہمت تھی۔'' جواد نے ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں کھول کر کہا۔

''اس سے زیادہ ہمت ہے اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔''

''تم ذلیل کمینے تم نے میرے منہ پر تھوکا کیپٹن وجے کے منہ پر تیری اذیتناک موت میرے ہاتھوں ہی ہو گی لیکن تجھے پہلے فائل کا پتہ بتانا ہو گا۔'' وہ وحشیانہ انداز میں چیخا تھا۔

''جو مرضی آئے کر لو فائل تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔'' جواد دھیرے سے ہنسا تھا اور یہ ہنسی وجے کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی تھی اس نے پے در پے وار اس کے دونوں بازوؤں پر کئے تھے جواد ایک مرتبہ پھر تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو گیا تھا، اس مرتبہ جب اس کی آنکھ کھلی تو بے انتہا تکلیف سے کھلی تھی، اس کا دایاں کان کاٹ کر نیچے ڈال دیا گیا تھا، وجے فاتحانہ انداز میں مسکر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں باریک دھار کا استر تھا۔

''کہو مزہ آرہا ہے، بتا کیوں نہیں دیتے فائل کا پتہ، اپنے ساتھ بھارت لے جاؤں گا تمہیں، علاج کروا کے وہاں نوکری دلوا دوں گا عیش کرو گے۔'' اس نے لالچ دیا تھا۔

''گیدڑ...... کی سو...... سالہ...... زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔'' الفاظ اس کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔

''بڑی برداشت ہے تجھ میں مگر اب نہیں رہے گی، یہ استرا دیکھ رہا ہے اس سے تیری پیشانی کی کھال اتار دوں گا اور پھر آہستہ آہستہ تیرے بدن کا ایک ایک ریشہ الگ کروں گا لیکن مرنے سے پہلے تجھے بتانا ہوگا کہ فائل ہے کہاں؟'' وہ جنونانہ انداز میں کہتا اس کی جانب لپکا تھا، مگر جواد نے ہونٹ مزید سختی سے بھینچ لئے تھے، اس لمحے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا، دونوں نے چونک کر دیکھا، اندر آنے والوں میں کیپٹن باذل اور سیکیورٹی کے اہکار تھے۔

''اوہ! ولڈر پر رکھے موبائل کو تو میں بھول گیا۔'' جواد نے اچانک سوچا، جیب میں ہولڈر پر موجود فون امداد غیبی ثابت ہوا تھا، باذل تمام گفتگو اور خطرے کو بھانپ کر آن پہنچا تھا۔

''مسٹر وجے ہم نے تمہاری تمام باتیں سن لی ہیں اور ریکارڈ بھی کر لی ہیں اب تم قانون کے گھیرے میں ہو، شرافت سے خود کو قانون کے حوالے کر دو۔'' باذل نے گونجدار آواز میں کہا تھا۔

''اوہ!'' وجے ہنسا تھا۔

''تو یہ سسٹم یہاں خفیہ لگا ہے، پھر تو تمہیں یہ بھی پتہ ہوگا کہ میں اسپیشل فورس کا کیپٹن ہوں ان معاملات سے نکلنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، تم اپنی خیر مناؤ۔'' اس نے ریوالور کا رخ باذل کی طرف کر دیا تھا، اسی اثناء میں وجے کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر جواد نے اپنے جسم کی پوری طاقت سے کرسی کو اس پہلو میں جھٹکا دیا تھا جس طرف وجے کھڑا تھا اور دوسرے لمحے وجے کرسی اور جواد کے نیچے دب چکا تھا، باذل تیزی سے آگے بڑھا اور چند لمحوں میں کرسی ہٹا کر وجے کو گرفتار کر کے لے جایا جا چکا تھا۔

''چاچو آپ کا تو بہت خون بہہ گیا ہے، آپ آپ اپنے آپ کو سنبھالیں ہم ابھی ہسپتال چلتے ہیں۔'' وہ رسی کھولتے ہوئے بری طرح رو رہا تھا۔

''نن...... نہیں یار...... باذل اب میں...... میں جا رہا ہوں مگر بابا کو بتا دینا، ان...... ان کا جواد کمزور نہیں...... وہ...... وہ بھی اس دھرتی ماں کا بیٹا ہے اور...... اور فارمولا اس دیوار پر لگی تصویر کے...... پیپ...... پیچھے خفیہ لاکر میں ہے باری باری دونوں ہاتھ رکھو تو کھل جائے گا۔'' جواد کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی۔

''چاچو...... چاچو آپ کو کچھ نہیں ہوگا چاچو۔'' باذل دیوانہ وار چلایا تھا۔

''لا...... الہٰ...... الا...... للہ...... محمد...... الرسول......'' جواد کی گردن ڈھلک گئی تھی، روح کا پرندہ قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔

''چاچو...... چاچو آپ کہتے تھے ناں میں نے میدان مار لیا، نہیں چاچو میدان تو آپ مار گئے، جب تک آپ جیسے نوجوان ملک میں ہیں، انشاء اللہ ہمارے ملک کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔'' اس نے روتے ہوئے کہا تھا اور کھڑے ہو کر جواد کو سیلوٹ کیا تھا، اس کے پیچھے کھڑے دونوں اہکاروں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، آنکھیں خالی ہو چکی تھیں، آخر روتے ہوئے تین دن تو ہو گئے تھے اب بندہ کتنا رو سکتا ہے، کتنے آنسو بہا سکتا ہے، ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں تین دن سے سوائے پانی کے اس کے پیٹ میں کچھ نہ گیا تھا، آنتیں بھوک کی وجہ سے اکڑ گئی تھیں لیکن اس کا دل ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ ایک دانہ بھی منہ میں ڈالے، یہ احتجاج تھا دکھ تھا یا پھر جدائی کا صدمہ، وہ کچھ نہیں جانتی تھی وہ تو بس اتنا جانتی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہو گیا ہے وہ کبھی کسی کے ساتھ نہ ہو۔

''کھانا کھا لے۔'' وہ آواز جو کل تک شہد ٹپکاتی تھی آج قدرے روکھے پھیکے انداز میں اس کے سامنے آئی تھی۔

''بھوک نہیں ہے۔'' اس کا وہی تین دن پرانا جواب تھا۔

''نہ کھا، مر جا تو بھی، میں اب تمہارے منہ میں نوالے بنا بنا کر تو نہیں ٹھونس سکتی۔'' وہ جس طرح پیر گھسیٹتے ہوئے آئی تھیں اسی طرح واپس چلی گئی تھیں، باہر صحن میں لگے انار کے درخت پر چڑیوں نے بہت شور مچایا ہوا تھا، جانے کس بات پر جھگڑ رہی تھیں اس کی خشک آنکھیں اپنی بے قدری پر ایک بار پھر ساون برسانے لگی تھیں جس زبان سے اپنے لئے ہمہ وقت دعائیں ہی سنی ہوں ان پر ایسی بد دعا آ جائے تو دل کس طرح کٹ کٹ جاتا ہے یہ تو بس وہی جانتی تھی۔

دل کے آتش دان میں شب بھر
کیسے کیسے غم جلتے ہیں
نیند بھرا سناٹا جس دم
بستی کی اک اک گلی میں
کھڑکی کھڑکی تھم جاتا ہے
دیواروں پر درد کا کہرا
جم جاتا ہے
رستہ دیکھنے والی آنکھیں
اور قندیلیں بجھ جاتی ہیں
شعلہ شعلہ ہم جلتے ہیں
دوری کا موسم جھیلتے ہیں
تم کیا جانو قطرہ قطرہ
دل میں اترتی اور پگھلتی
رات کی صحبت کیا ہوتی ہے
آنکھیں سارے خواب بجھا دیں
چہرے اپنے نقش گنوا دیں
اور آئینے عکس بھلا دیں
ایسے میں امید کی وحشت
درد کی صورت کیا ہوتی ہے
ایسی تیز میں ہوائیں پیارے
بڑے بڑے منہ زور دیئے بھی
کم جلتے ہیں
لیکن پھر بھی ہم جلتے ہیں
ہم جلتے ہیں
اور ہمارے ساتھ
تمہارے غم جلتے ہیں

☆☆☆

''بابا میں تو ساون میں جھولا ڈالوں گی۔'' وہ باپ کے کندھے سے لٹکتے ہوئے فرمائش کر رہی تھی۔

''ارے دیکھو تو باپ کے قد کے برابر ہو گئی ہے کام کاج کچھ آتا نہیں اور لاڈ دیکھو جھولا ڈالوں گی۔'' ثریا جو پاس ہی بیٹھی دال صاف کر رہی تھی تنک کر بولی تھی۔

''اماں تمہیں کیا ہے، بابا ڈال دیں گے جھولا۔'' وہ ماں کی طرف منہ بسور کے پھر سے بات سے کہنے لگی تھی۔

''ہونہہ مجھے نہیں تو اور بی پڑوسن کو ہو گی بیسویں میں لگ گئی ہے کل کلاں کو جہاں بھیجو گی تو وہاں اماں باوا کا نام خوب ہی روشن کرے گی، لوگ کہیں گے کیسی پھوہڑ اور بدسلیقہ ماں کی بیٹی ہے، جس نے کچھ نہ سکھایا۔''

''او ہو نیک بخت، بچی نے ایک ذرا سی فرمائش کیا کر دی تم بھی کہیں سے کہیں پہنچ گئی، چل آ ہم جھولا ڈالیں۔'' سلیم احمد نے بیوی کو گھورا تھا اور طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر صحن میں لے آیا تھا، آم کا بڑا سا درخت خاموش کھڑا تھا، سلیم احمد نے موٹا سا رسہ لیا اور آم کی سب سے مضبوط شاخ پھر جھولا ڈال دیا تھا۔

''بابا میں اپنی سہیلیوں کو بلا لاؤں۔'' وہ اندر سے ماں کی نظر بچا کر ایک تکیہ اٹھا لائی تھی اور رسے پر نرم نرم سا تکیہ اس طرح رکھا تھا کہ اچھی خاطی آرام دہ سیٹ بن گئی تھی۔

''ہاں جاؤ، تمہیں ان کے بغیر چین تھوڑی ہے۔'' سلیم احمد نے جوانی کی حدود کو چھوتی بیٹی کی بچگانہ خواہشوں پر ہنستے ہوئے اسے اجازت دے دی تھی، وہ دوپٹہ سر پر جما کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھی، یہ ان کا آبائی گھر تھا، یہاں سلیم احمد کے باپ دادا نے ایک عمر گزاری تھی، ان کے اردگرد کے لوگ بھی انہی کی طرح سالوں سے یہاں آباد تھے، اس لئے کوئی فکر کی بات نہ تھی، سب ایک دوسرے کو جانتے تھے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔

''آپ نے تو اس بھاگ بھری کو کوئی بھی بات نہ ٹالنے کی قسم کھا رکھی ہے، جو وہ کہتی ہے بس وہی کرتے ہیں، میں جتنا مرضی بول لوں، کلپ لوں، آپ نے کبھی میری بات ہی نہیں سنی۔'' سلیم احمد اندر آیا تو ثریا بیگم جو باپ بیٹی کے کارناموں پہ جلی بیٹھی تھیں کہنے لگی تھیں۔

''ثریا بیگم ایک یہ تو ہماری بیٹی ہے اب اس کے لاڈ نہیں اٹھائیں گے تو کس کے اٹھائیں گے، ویسے ہی تو دن ہوتے ہیں بیٹیوں کے لاڈ اٹھانے کے، آگے جانے ان کی قسمت میں کیا لکھا ہے، جو چار دن یہاں ہیں وہ تو لاڈ پیار میں گزار لینے دو۔''

''ہاں کہتے تو آپ صحیح ہیں، کل بھی بوا رحمت آئی تھی، کہہ رہی تھی، ثریا تم کہو تو اپنی طاہرہ کا کوئی رشتہ دیکھوں، بوا رحمت کے جانے کے بعد میں نے اپنی طاہرہ کو دیکھا تو پتہ چلا کہ میری بیٹی اتنی بڑی ہو گئی کہ کل تک گڑیا کا بیاہ کرتی تھی اور میں اس کی گڑیا کے گوٹے کنارے والے کپڑے سیتی تھی آج سے مجھے اپنی طاہرہ کے گوٹے کناری والے کپڑے سینے پڑیں گے، دیکھ لیں وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔'' ثریا بیگم یہ نہیں تھا کہ اپنی اکلوتی بیٹی طاہرہ سے پیار نہ کرتی تھی، وہ بھی اپنی بیٹی کو سلیم احمد کی طرح ہی چاہتی تھی بس کبھی کبھار روک ٹوک کر دیتی تھی اس وقت بھی بات کرتے کرتے آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

''اسی لئے تو کہتا ہوں ہر وقت اس کے پیچھے نہ پڑی رہا کرو۔''

''اچھا اب چھوڑیں اس بات کو، میں تو یہ سوچتی ہوں کہ اپنی طاہرہ کو اپنے گھر سے اپنی نظروں سے وداع کروں گی تو کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔'' وہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر سسکنے لگی تھیں۔

''ابھی سے دل اتنا تھوڑا کرو گی تو میں بھی ڈول جاؤں گا، یہ وقت تو ہر ایک پر آتا ہے جس کی بیٹی ہوتی ہے، چل اٹھ اپنا کام کر، یونہی پریشان مت ہو۔'' سلیم احمد نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

''آپ یہ بتائیں دال کے ساتھ روٹی بناؤں یا چاول۔'' ثریا بیگم نے خود کو سنبھال کر بات بدلی تھی۔

''جو تمہارا دل چاہے بنا لو پہلے کبھی کھانے

پر میں نے اعتراض کیا ہے۔"
"اچھا پھر چاول ہی بنا لیتی ہوں۔" وہ دال صاف کر کے کچن میں لے گئی تھیں۔

☆☆☆

"آؤ دیکھو تو میرے بابا نے کتنا اچھا جھولا ڈال کر دیا ہے۔" طاہرہ نعمیہ اور سندس کو لے کر آ گئی تھی۔
"ہائے کتنا مزہ آئے گا، بادل گھرے ہو رہے ہیں اگر بارش ہو گئی تو بارش میں جھولا جھولنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔" نعمیہ جھٹ سے جھولے پر بیٹھ گئی تھی۔
"ہاں اور بابا سے آم بھی منگوائیں گے، پھر ساون کا صحیح مزہ آئے گا۔" طاہرہ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے جھولے دینے لگی تھی۔

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی

طاہرہ نے تان اڑائی تھی نعمیہ بھی اس کا ساتھ دینے لگی تھی۔

محلے کی سب سے نشانی پرانی
وہ بڑھیا جسے بچے کہتے تھے نانی
وہ نانی کی باتوں میں پریوں کا ڈیرا
وہ چہرے کی جھریوں میں صدیوں کا پہرہ
بھلائے نہیں بھول سکتا ہے کوئی
وہ چھوٹی سی راتیں وہ لمبی کہانی

☆☆☆

کہتے ہیں مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جا سکتا، لیکن وہ تو مر گئی تھی، وہ ہنسنا بولنا کھانا پینا سب بھول گئی تھی، ایسے میں اس کا شمار مردوں میں ہی تھا، زندہ لوگ بھلا ایسے کب ہوتے ہیں، باہر تیز ہوا چل رہی تھی، اس کا من حبس بھرا تھا جب جینے کی آس ختم ہو جائے تو پھر من میں تازہ ہوا کے جھونکے نہیں آتے حبس ہی حبس من میں ٹھہر جاتا ہے، اس کا سانس سینے میں بند ہو رہا تھا، اس نے اٹھ کر باہر گلی میں کھلنے والی کھڑکی کھول دی تھی، تازہ ہوا کے جھونکے کمرے کی حبس اور اس کے اندر کے موسم کو بدلنے لگے تھے، اس نے لمبی سانس کھینچ کر تازہ ہوا کو سینے میں اتارا تھا۔
"یہاں کیا کر رہی ہے جو خاک بچ گئی ہے وہ تم ہمارے سر میں ڈال دو، بند کرو یہ کھڑکی اور پیچھے ہٹ کر بیٹھو۔" وہ ابھی پوری طرح تازہ ہوا اور خوش گوار موسم سے لطف اندوز نہ ہونے پائی تھی کہ وہ اندر آئی تھیں اور اسے جھٹکے سے ہٹا کر کھڑکی کے پٹ زور سے بند کر کے مقفل کر دیئے تھے اور حقارت آمیز لہجے میں بولی تھیں۔
"آپ میرے ساتھ ایسے کیوں کر رہی ہیں، میں نے کچھ نہیں کیا ہے، میں تو صرف تازہ ہوا کے لئے کھڑکی میں کھڑی تھی۔" لہجے کی نمی ان کی بدگمانی اور حقارت پر آنکھوں سے آنسو بن کر بہنے لگی تھی۔
"یہ تازہ ہوا کا بہانہ مت بناؤ، تم جیسی لڑکیاں گھروں کی مضبوط دیواروں میں ایسے ہی روزن تلاشتی رہتی ہیں اور پھر ماں باپ کے سر میں خاک ڈال کر بھاگ جاتی ہیں، بند کرو یہ کھڑکی آئندہ اسے کھولا تو مجھ سے کوئی برا نہ ہو گا۔" تازہ ہوا لینے کی خاطر کھڑکیاں کھول لینا اور پھر من پسند مشاغل ڈھونڈ لینے سے بہتر ہے کہ ایسی لڑکیاں گھروں کے اندر ہی دم گھٹ کر مر جائیں، اس کم از کم عزت تو بچی رہتی ہے وہ اسے اچھی طرح جھڑک کر جس طرح آئی تھیں ویسے ہی واپس چلی گئی تھیں، جس آنکھ کی ہلکی سی نمی ان کی راتوں کی نیند اڑا دیا کرتی تھی آج ان آنکھوں سے بھل بھل بہتے آنسو ان کے پتھر دل میں کوئی سوراخ نہ کر سکے تھے وہ ان کے کمرے سے جانے کے بعد بے تحاشا اور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

☆☆☆

"ہمیں اس رشتے کے لئے ہاں کر دینی چاہیے، بوا رحمت کہہ رہی تھی اس دنیا میں ایک بیٹے کے علاوہ ان کا کوئی نہیں ہے، لڑکا پڑھا لکھا بھی ہے اور اچھی بھلی کمائی بھی کرتا ہے اور جس طرح تم نے طاہرہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا ہے وہ کسی بڑے گھر میں جائے گی تو لمبی چوڑی گھرداری کو نہ سنبھال سکے گی، دو بندوں کا کام ہی کتنا ہوتا ہے، مجھے تو بوا رحمت کا لایا ہوا یہ رشتہ ہر لحاظ سے اپنی طاہرہ کے لئے مناسب لگا ہے، ایسے رشتے روز روز نہیں ملا کرتے، طاہرہ اس کے ساتھ خوش رہے گی۔" ثریا بیگم نے جب سے صبیر الحسن کی تصویر دیکھی تھی اس کے بارے میں سنا تھا تب سے وہ چاہتی تھیں اس رشتے کے لئے بات چلائی جائے، وہ سلیم احمد سے باتیں کر رہی تھیں۔
"ثریا ابھی ہماری بیٹی کی عمر ہی کتنی ہے، ساری عمر گھرداری ہی کرنی ہے، میرا تو خیال ہے کچھ دیر اور انتظار کروں، اس میں کچھ ذمہ داری تو پیدا ہو لینے دو، پھر یہ شادی وادی بھی ہو جائے گی۔" سلیم احمد کو بیٹی کی جدائی کے خیال سے ہی سے ہول اٹھ رہے تھے۔
"طاہرہ کے ابا یہ بھی خوب کہی، تم اپنی دو ٹکوں کی خاطر دو چار سال بچی کو گھر بٹھا بھی لو گے تو پھر ایسا رشتہ کہاں سے ڈھونڈو گے، ہو سکتا ہے دو چار سال بعد ہمیں ایسا رشتہ نہ ملے، میں تو کہتی ہوں ہماری طاہرہ بڑی بخت آور ہے جس کے لئے ایسے اچھے اچھے رشتے آ رہے ہیں ورنہ آج کل تو رشتوں کا اس قدر کال پڑ گیا ہے کہ بچیاں اماں باوا کی دہلیز پر بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہیں۔"
"اچھا ٹھیک ہے، پتہ کروا لیتے ہیں صبیر الحسن کا، اب ایسے تو بیٹی کو نہیں پھینک سکتے۔"
"ہاں کیوں نہیں ہم صرف بوا رحمت کی معلومات اور باتوں پر اعتبار تھوڑا کریں گے، ہم اپنے طور پر مکمل معلومات کروائیں گے، آخر کو بیٹی کا معاملہ ہے۔" ثریا بیگم نے سلیم احمد کی بات سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

"صبیر الحسن شریف النفس نوجوان ہے، پانچ وقت کا نمازی ہے، بوڑھی ماں کی بہت خدمت کرتا ہے، دفتر والے اور گلی محلے دار سب اس سے بہت خوش ہیں۔" یہ تھیں وہ معلومات جو سلیم احمد نے اپنے ایک دوست کے توسط سے کروائی تھیں۔
"اس میں آج کل کے نوجوانوں والی کوئی بات نہیں ہے، لگتا ہے اس نے کسی بہت ہی نیک عورت کا دودھ پیا ہے، ہماری طاہرہ اس کے گھر میں بہت خوش رہے گی، بیٹا ہی نہیں ماں بھی بہت اچھی عورت ہے۔" صبیر الحسن کی تعریفیں پہلے ثریا بیگم کرتی تھیں اور اب سلیم احمد کی زبان اس کے نام کا وظیفہ پڑھتے ہوئے نہیں تھک رہی تھیں، یوں صبیر الحسن کی والدہ کو کچھ دنوں بعد رشتے کے لئے ہاں کر دی گئی تھی۔
"تو...... تو بہت خوش نصیب ہے، تیرا منگیتر بہت خوبصورت ہے۔" سندس نے گم سم بیٹھی طاہرہ کو چھیڑا تھا۔
"شرم کر کچھ، میں تجھ سے دور چلی جاؤں گی، تجھے یہ سوچ کر کچھ نہیں ہو رہا الٹا تو اس شخص کے قصیدے پڑھ رہی ہے، جانے اس نے سب لوگوں پر کیا جادو کر دیا ہے کہ جس کو دیکھو اس کی

تعریفیں کیے جا رہا ہے۔'' وہ اتنی جلدی شادی کے حق میں نہ تھی، سندس کی بات پر جل کر بولی تھی۔

''آج ہم اس کی تعریفیں کر رہے ہیں کل کو تو کر رہی ہو گی۔'' سندس نے پھر بے ڈھنگے پن سے آنکھیں گھمائی تھیں۔

''جی نہیں ایسا نہیں ہو گا۔''

''ایسا ہی ہو گا، تم دیکھ لینا۔'' سندس نے کہا تھا۔

اور پھر جلد ہی سندس کی بات سچ ثابت ہوئی تھی، صبیر الحسن کی ماں بیمار تھی اور تنہا، انہیں گھر میں کسی عورت کی ضرورت تھی اس لئے بات پکی ہوتے ہی جھٹ شادی کی تاریخ بھی طے ہو گئی تھی۔

''اماں اتنی جلدی بھی کیا ہے، مجھے نہیں کرنی ابھی شادی وادی۔'' وہ ذہنی طور پر شادی کے لئے اتنی جلدی تیار نہ تھی، اس لئے ماں کے سامنے پھٹ پڑی تھی۔

''تو کب کرنی ہے، جب اماں باوا کی دہلیز پر بیٹھی بوڑھی ہو جاؤ گی۔'' وہ بیٹی کی نفسیات خوب جانتی تھیں کہ اگر اسے پیار سے سمجھایا تو یہ اور پھیل جائے گی اسے لئے ڈپٹ کر بولی تھیں۔

''آپ کو تو ویسے بھی بہت جلدی ہے مجھے گھر سے نکالنے کی، بابا کیا میں اتنی بری ہو گئی ہوں کہ آپ مجھے غیروں کی طرح گھر سے نکالنے پر تل گئے ہیں۔'' وہ ماں کو جواب دے کر بابا کے پاس جا پہنچی تھی، جانتی تھی وہ اس کے چہرے پر غم کا سایہ بھی کب برداشت کر سکتے ہیں، اس لئے ابھی اس کو پیار سے پاس بٹھا کر کہیں گے۔

''ہماری بیٹی نہیں چاہتی تو ہم نہیں کرتے اس کی شادی۔''

''تم تو ہمیں اور بھی پیاری ہو گئی ہو، مگر بیٹا یہ زمانے کی ریت ہے ایک وقت ایسا آتا ہے جب اپنے جگر کا ٹکڑا نکال کر دوسروں کے حوالے کرنا پڑتا ہے، آج نہ سہی مگر کل تو یہ وقت ضرور آئے گا جب ہمیں بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا تو کیوں نہ ہم یہ زہر آج ہی کھا لیں کہ صبیر الحسن جیسا ہیرا ہمیں پھر نہ ملے گا۔'' بابا نے اسے بڑے پیار سے پاس بٹھا کر سمجھایا تھا۔

''بابا!'' وہ رونے والی ہو گئی تھی، ساتھ ہی سلیم احمد کی بھی آنکھیں بھر آئی تھیں، اپنی راج دلاری بیٹی کو خود سے جدا کرنا ان کے لئے بھی کتنا مشکل تھا، یہ تو صرف وہی جانتے تھے، باہر چولہے کے پاس بیٹھی ثریا نے بھی دوپٹے کے پلو میں ٹپ ٹپ بہتے آنسو خاموشی سے جذب کئے تھے، طاہرہ میں ان کی بھی تو جان تھی۔

☆☆☆

صبیر الحسن ماں کی بیماری کی وجہ سے بڑی سادگی سے بارات لے کر آئے تھے مگر بڑی چاہت سے طاہرہ سلیم کو بیاہ کر اپنے سنگ لے گئے تھے۔

تیری ہر ادا محبت سی لگتی ہے
اک پل کی جدائی مدت سی لگتی ہے
پہلے نہیں سوچا اب پر سوچتے ہیں
زندگی کے ہر لمحے میں
تیری ضرورت سی لگتی ہے

''آج سے میرا سب کچھ آپ کا ہے، مجھے کوئی لمبے چوڑے وعدے نہیں کرنے بس چند باتیں کرنی ہیں آپ سے، ماں جب سے بیمار ہے تب سے یہ گھر ہنر مند ہاتھوں اور اس کے در و دیوار محبتوں کو اور مسکراہٹوں کو ترس گئے ہیں، میں اپنے لئے آپ سے کچھ طلب نہیں کروں گا بس میری ماں کا خیال رکھئے گا اور اس گھر کی فضا کو اک عورت کے وجود سے سدا آباد رکھئے گا، بس [التج]ا کروں گا، بولیئے منظور ہے۔'' صبیر الحسن [سے] ملاقات میں جانے اس سے کیسی مشکل باتیں [کر ر]ہے تھے اور وہ شرم و حیا کے مارے گم صم [...] اس کی طرف سے کسی شوخ ادا کی کسی [...]تے فقرے کی یا اپنی بے تحاشا تعریف کی [...]ی اس کی سکھیوں نے تو یہی بتایا تھا کہ شوہر [...]ات یہی کرتا ہے تعریف اور بس تعریف، مگر [...] تو صبیر الحسن اور ہی کہہ رہا تھا، اس کا دل [...]م سے بور ہونے لگا تھا، وہ خود بھی شوخ تھی [...]نے جیسا انسان ہی چاہتی تھی۔

''کیسے لگے دولہا بھائی۔'' وہ ویسے کی دلہن [او]ر رسم کے مطابق شام کو جب صبیر الحسن کے [...]اپنے گھر آئی تو سندس نے موقع پاتے ہی [...]تھا۔

''کچھ خاص نہیں۔'' سہیلیوں سے بھلا کیا [...]پوشی اس نے بغیر لگی لپٹی کے سندس کو بتا دیا [...]

''ارے وہ کیوں، دیکھنے میں تو ٹھیک [...] ہیں، پھر تمہیں پسند کیوں نہیں آئے۔'' [...] کھسک کر مزید قریب ہوئی تھی۔

''موصوف خاصے بور قسم کے انسان ہیں، [...]ل سے بیمار ماں کا راگ ہی الاپے جا رہے [...] جیسے اس شادی کا مقصد بس ایک ہی ہو، مجھے [...] ہے ان کی اپنی خوشی تو کہیں ہے نہیں۔'' [...]نے منہ پھلا کر کہا تھا۔

''پاگل ایسے مت کہو، تم نے ایک ہی رات [...]ن کو اتنا کیسے جان لیا، اگر ان کی اپنی خوشی نہ [...] تو پھر وہ شادی کرتے کیوں۔''

''ہونہہ، بعض کام مجبوری سے بھی تو کیے [...] ہیں۔'' وہ سندس سے کہہ کر کپڑے بدلنے [...]ڑی ہوئی تھی، بھاری بھر کم کام والا ولیمے کا [...]تھا اور بھی بھاری لگنے لگا تھا۔

''تم تو کل بھی بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور آج بھی، تمہارا حسن دیکھ کر بھی کیا ان کے ہوش نہیں اڑے۔'' سندس رشک سے اس کے حسین و جمیل چہرے کو دیکھ کر بولی تھی۔

''نہیں۔'' طاہرہ کپڑے اٹھا کر باہر نکل گئی تھی، سندس حیران سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

''بیٹی صبیر الحسن کو کوئی دکھ نہ دینا اس کی ہر خوشی کو اپنی خوشی اور ہر غم کو اپنا غم سمجھنا، آج سے یہ گھر تیرے لئے پرایا ہے، بس صبیر الحسن کا گھر تیرا اپنا ہے، اب وہاں اپنا دل لگانا، ہمیں کسی قسم کی شکایت کا کوئی موقع نہیں ملنا چاہیے۔''

اگلے دن رخصت ہونے پر اماں اور بابا نے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ ڈھیروں نصیحتیں بھی اس کے زرتار آنچل میں باندھ دی تھیں، وہ خاموشی سے صبیر الحسن کے ساتھ آ گئی تھی، وہ جیسا بھی تھا اب ماں باپ کی لاج تو رکھنا تھی۔

بے فکری کے سب دن تمام ہوئے تھے، سہیلیوں سکھیوں کا ساتھ چھٹ گیا تھا، اماں بابا کی قربت بھی گئی تھی، سارا دن بے فکری سے اِدھر اُدھر کو پھرنے لگانے اور موج مستیوں نے بھی دامن چھڑا لیا تھا، اپنی مرضی سے اٹھنا سونا جاگنا بھی گیا تھا، اس نے تو مانو شادی نام کا عذاب گلے میں ڈال لیا تھا، اسے اس لفظ سے ہی چڑ ہونے لگی تھی، صبیر الحسن کے گھر میں وہ سارا دن تنہا ہوتی تھی، بیمار ساس تو بس چارپائی پر پڑی رہتی تھی اور خود صبیر کام پر ہوتا تھا، تنہائی اداسی کا روپ ڈھال ڈھال کر اسے ستانے لگی تھی، پھر کاموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا بے شک صبیر نے صفائی دھلائی کے لئے ایک عورت اسے رکھ دی تھی مگر پھر بھی گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی ذمہ داری ختم نہ ہوتی تھی اور صبح سے شام ہو جاتی تھی شام بھی ''حسن ولا'' پر پھیکے رنگ

لے کر اترتی تھی، وہ طاہرہ کو اتنی عزت دیتا تھا کہ آپ جناب سے ابھی تک باہر ہی نہیں آیا تھا، جبکہ اس کا دل کرتا تھا صبیر گھر آئے تو اس کی زندگی کے گئے سب ہنگامے بھی ساتھ لے آئے، اس کے ساتھ اونچے اونچے قہقہے لگائے خوب ہنسے اسے سیر کروانے لے جائے، بات بات پر اس کی تعریف کرے، اس کے ساتھ ٹی وی دیکھے، گپ شپ لگائے، مگر صبیر کچھ وقت ماں کے ساتھ گزارتا اور باقی طاہرہ کے ساتھ مدد اور تعاون کرنے کے خیال سے چھوٹے موٹے کاموں میں لگا رہتا ہاں ساتھ ساتھ اس کے ساتھ باتیں ضرور کرتا جاتا تھا، اس کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھتا تھا، بھلے وہ کھانے پینے کا سامان ہو یا کوئی دوسری چیز، طاہرہ کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور وہ لے آتا تھا، پھر اس نے طاہرہ کو روپے پیسے کی تنگی کبھی نہ دی تھی، گھر میں بھی ضرورت کا سب سامان لا کر رکھتا اور اضافی پیسے بھی طاہرہ کو پکڑاتا رہتا تھا، مگر اس سب سے طاہرہ کی تسلی نہیں ہوتی تھی اسے جو چاہتے تھا وہ صبیر الحسن سے نہیں مل رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ماہ نور کی آواز سنی تھی، ماہ نور کی آواز بڑے عرصے بعد سماعتوں نے سنی تھی، اس لئے اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی تھی، وہ دوڑ کر باہر نکلنے لگی تھی مگر قدم دروازے پر ہی زنجیر ہو گئے تھے۔

''تم ادھر ہی بیٹھو صحن میں، میں اسے ادھر ہی بلا لاتی ہوں، حال چال ہی پوچھنا ہے تو ہمارے سامنے پوچھ لو، کیا ضروری ہے کہ بند کمرے میں گھنٹوں فضول باتیں کی جائیں۔''

اس کی اور ماہ نور کی نظریں ملی تھیں دونوں نے اس کرخت آواز پر بے حد شرمندگی محسوس کی تھی اس کا تو دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''یہ ماہ نور تم سے ملنے آئی ہے، آ کر ملو اس سے، بیٹھ جاؤ ماہ نور بیٹی کھڑی کیوں ہو'' انہوں نے اسے دروازے میں بت کی طرح کھڑے دیکھ لیا تھا اسے کہہ کر ماہ نور سے کہنے لگی تھیں، ماہ نور چارپائی پر ذرا سی ٹک گئی تھی، وہ ... چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی تھی۔

☆☆☆

دنوں کی ترتیب وہی تھی، وہی بے رنگ صبحیں تھیں وہی پھیکی سیٹھی شامیں، وہی طویل دوپہریں، مگر اک خبر ایسی تھی جس نے ساکن پانی میں ذرا سی ہلچل مچا دی تھی۔

صبیر الحسن باپ بننے والا تھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، وہ فالج زدہ ماں کے پاس بیٹھ کر اسے بھی اس خوشی میں شریک کرتا رہتا تھا، طاہرہ کے ساتھ بھی باتوں میں اب اس کے لہجے سے اک خوشی اک جوش اک سرشاری سی جھلکتی تھی، وہ اپنے ہونے والے بچے کی باتیں کرتا تھا، طاہرہ کو بازار ساتھ لے جاتا تھا تا کہ وہ خود شاپنگ کر لے، طاہرہ بھی کچھ وقت کے لئے بہل گئی تھی، اس نئی خبر نے اس کی زندگی میں کچھ ہلچل تو مچائی تھی، وہ بھی اس آنے والے ننھے مہمان کی آمد کا انتظار پوری شدت سے کر رہی تھی۔

''میں نے اور اماں نے بہت کڑے دن گزارے ہیں اس گھر میں، مالی لحاظ سے بھی اور تنہائی کے لحاظ سے بھی، جب ابا گزر گئے اور اماں پر فالج نے حملہ کر دیا تب میں کالج میں پڑھتا تھا مجھ پر تو آن واحد میں ذمہ داریوں کا پہاڑ گرا تھا باپ کی جگہ کمائی بھی اب مجھے ہی کرنا تھی اور ماں چارپائی پر پڑ گئی تھی اس کی دیکھ بھال گھر کے ... چھوٹے موٹے کام بھی مجھے ہی کرنے ہوتے تھے، میرا ایک پیر اندر ہوتا تھا اور دوسرا باہر، میں صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا تھا، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ آج تمہارے سامنے ہے، ابھی جاب میرے پاس ہے، تم میرے پاس ہو اور ہماری خوشیوں کو مکمل کرنے والا بچہ بھی آنے والا ہے میں تو اس پر خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔'' صبیر الحسن اکثر طاہرہ کو اپنی زندگی کی کہانی الفاظ بدل بدل کر سناتا رہتا تھا، پھر وہ دن بھی آیا جب طاہرہ نے ہاسپٹل میں ایک پھول سی بچی کو جنم دیا۔

نین تارا، صبیر الحسن نے بچی کی موٹی موٹی آنکھوں کو دیکھ کر بے اختیار اسے پکارا تھا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے تھے، بچی کا لمس پا کر اس کے اندر اولاد کی محبت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے، خدا نے اسے ایک صحت مند اور تندرست اولاد سے نوازا تھا، اس نے پورے ہاسپٹل میں مٹھائی بانٹی تھی ہاسپٹل سے ثریا طاہرہ اور بچی کو اپنے ساتھ گھر لے آئی تھی، کیونکہ سسرال میں طاہرہ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ تھا۔

''شکر ہے میری بیٹی مجھ پر گئی ہے باپ پر نہیں۔'' طاہرہ نے بچی کی گلابی اور دودھیا رنگت کو دیکھ کر سوچا تھا، صبیر الحسن کا دبتا ہوا رنگ اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔

نین تارا بہت پیاری بچی تھی، طاہرہ جو پہلے اکثر بوریت کا رونا روتی رہتی تھی اب اس ننھی سی گڑیا کے چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف رہتی تھی اب اسے زندگی اتنی بری نہیں لگتی تھی جتنی شادی کے بعد لگنے لگی تھی۔

جس دن نین تارا سوا مہینے کی ہوئی اس دن صبیر الحسن انہیں لینے آ گیا تھا۔

''بیٹا دو ماہ تو طاہرہ کو یہاں رہنے دیتے، یہ مکمل آرام کر لیتی۔'' ثریا بیگم نے داماد سے کہا تھا۔

''خالہ جان گھر میں اماں بھی نین تارا کو دیکھنے کو ترس رہی ہیں، انہوں نے یہ دن جانے کیسے گن گن کر گزارے ہیں میں نے انہیں کہا تھا میں آج ہی ان کی بہو اور پوتی کو لے آؤں گا۔'' صبیر نے خوشی سے جواب دیا تھا۔

''چلو بیٹا جیسے تمہاری مرضی، واقعی بہن جی کو بھی نین تارا کو دیکھنے کا بہت ارمان ہوگا آخر یہ ان کی پہلی پہلی پوتی ہے۔'' ثریا اٹھ کر طاہرہ اور نین تارا کا سامان پیک کرنے لگی تھیں۔

گھر آ کر صبیر نے نین تارا کو ماں کے ساتھ لٹا دیا تھا، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے اور بیمار وجود کے انگ انگ سے سرشاری کے تمام رنگ منعکس ہو رہے تھے، وہ طاہرہ اور نین تارا کو دیکھ کر جیسے نئے سرے سے جی پڑی تھیں۔

دن گزرتے رہے اور نین تارا نانا نانی و بیمار دادی ماں اور باپ کی بے پناہ محبتوں اور چاہتوں کے ساتھ بڑھتی رہی، اس دوران طاہرہ دو دفعہ امید سے ہوئی مگر دو تین ماہ گزرنے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی پیچیدگی ہو جاتی کہ اس کے آنگن میں دوسرا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتا۔

''طاہرہ مجھے لگتا ہے تم اکلوتی ہو، میں اکلوتا ہوں، ہماری بیٹی کو بھی ہماری طرح اکلوتا ہی رہنا ہے تا کہ اس کے پیار کا حصہ دار کوئی اور نہ بنے۔''

وہ دوسری دفعہ اپنی کوکھ اجڑنے پر گم صم اور پریشان رہتی تھی، صبیر مختلف طریقوں سے اس کی دل جوئی کرتا رہتا تھا۔

''مگر میرا دل کرتا ہے نین تارا کا اور بہن بھائی بھی ہو، اسے ہماری طرح اکیلے پن کا

عذاب نہ سہنا پڑے۔" اس نے صبیر سے کہا تھا۔

"کس کا دل نہیں کرتا کہ اس کے آنگن میں اس کے بچوں کی کلکاریاں گونجیں مگر خدا کے کاموں میں ہم کیا کر سکتے ہیں، وہ جہاں رکھے وہیں رہنا پڑتا ہے ہوسکتا ہے اس کے ہاں دیر ہو اور وہ ایک دن ہماری خواہش ضرور پوری کر دے۔"

مگر نین تارا کا پیار بٹانے والا کوئی نہ آسکا اور وہ بچپن کی دہلیز سے گزر کر جوانی کی حدود کو چھونے لگی، اس عرصے میں بیمار دادی اللہ کو پیاری ہوگئی اور گھر میں بس تین افراد ہی رہ گئے، بوڑھی دادی بے شک ہمہ وقت چارپائی پر لیٹی رہتی تھی مگر اس کے ناتواں اور بیمار وجود سے بھی گھر بھرا بھرا لگتا تھا وہ کیا گئیں کہ گھر ایک دم خالی خالی سا لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

"آج کھانے پر ذرا اہتمام کر لینا، لاہور سے میرے خالہ زاد بھائی آرہے ہیں، شام تک وہ پہنچ جائیں گے۔" وہ کچن میں صبح کا ناشتہ تیار کر رہی تھی جب صبیر نے جاتے جاتے طاہرہ کو بتایا تھا، صبیر الحسن کے رشتہ دار کافی دیر سے ان سے کٹے ہوئے تھے، جب وہ یتیم ہو گئے تھے اور ماں بیمار ہوگئی تھی، تب عزیز رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا تھا، مگر ماں کے مرنے پر سب ایک بار پھر اکٹھے ہو کر آئے تھے اور ناراضگیاں ختم کر دی تھیں، صبیر الحسن نے بھی سب کی طرف سے دل صاف کر لیا تھا۔

"کون سے والے۔" طاہرہ اب ان کے زیادہ تر رشتہ داروں کو جانتی تھی۔

"تمہیں ان کا نہیں پتہ، وہ فرسٹ ٹائم آرہے ہیں ہمارے گھر، انوار نام ہے ان کا، ہر حال میں آج جلدی آنے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" طاہرہ نے سر ہلا دیا تھا۔

طاہرہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ صبیر الحسن کے خاندان میں کوئی ایسا شخص بھی ہوگا، انوار کو دیکھ کر اس سے مل کر طاہرہ کو لگا تھا یہ بالکل اس کا آئیڈیل ہے، وہ خوش لباس، خوش شکل اور خوش اطوار تھا، بات بات پر چٹکلے چھوڑنا، دلفریب جملے بولنا، کھل کر ہنسنا اس کا شیوہ تھا، پھر اس کے پاس اتنے موضوعات تھے وہ گھنٹوں ان پر کھل کر بول سکتا تھا، وہ بس جب سے آیا تھا ہر طرف وہی چھایا ہوا تھا، کھانے کی میز پر ہمیشہ نین تارا چہکتی تھی صبیر الحسن خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہتے تھے اور طاہرہ اس کی باتوں کے جواب دیتی رہتی تھی مگر آج تو نین تارا کو بھی بولنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، انوار کبھی صبیر الحسن سے سیاست کا موضوع چھیڑ لیتا کبھی طاہرہ کو رشتے داروں کی باتیں بتانے لگ جاتا یا پھر اپنا رخ نین تارا کی طرف موڑ لیتا، کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

"توبہ امی جان انکل انوار کتنا ہنساتے ہیں، میرے تو پیٹ میں بل پڑ گئے ہیں۔" کھانے کے بعد وہ کچن میں سبز قہوہ بنا رہی تھی جب نین تارا اس کے پیچھے آکر بولی تھی۔

"زندہ لوگ زندگی کو ایسے ہی انجوائے کرتے ہیں۔" آج بڑے عرصے بعد طاہرہ لبوں پر پھر وہی خوشی تھی جو کبھی اس کے چہرے کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔

انوار نے اس کے بنائے کھانوں کی بے حد تعریف کی تھی اس کے گھر سجانے کے انداز کو بہت سراہا تھا نتیجہ صاف ظاہر تھا آج معمول سے زیادہ کام کرنے کے باوجود بھی طاہرہ فریش تھی اور اب دل جمعی سے سب کے لئے سبز قہوہ بنا رہی تھی۔

"آپ کو ایسے زندہ دل لوگ اچھے لگتے ہیں۔" نین تارا نے ایک اور سوال کیا تھا۔

"کبھی تمہاری ماں بھی ایسے ہی شوخ ہوتی تھی۔" وہ قہوے کے لئے پیالیاں دھوتے ہوئے بولی تھیں۔

"پھر کیا ہوا آپ کو؟"

"ہونا کیا تھا تمہارے باپ کی ٹھنڈی طبیعت اور سرد مزاجی نے میرے سارے جذبات کا گلا گھونٹ دیا پھر جب تم اس دنیا میں آئیں تب مجھے کچھ زندگی، زندگی لگنے لگی تھی۔"

"مگر امی جان مجھے تو ابو جان سب سے اچھے لگتے ہیں، انوار انکل سے بھی زیادہ ان کی طبیعت کا ٹھہراؤ اور سکون مجھے تو بہت عزیز ہے۔"

"تم تو باپ کی چمچی ہو، شاید ساری بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، اماں میرے لئے بھی ایسا ہی کہا کرتی تھیں کہ یہ اپنے باپ کی چمچی ہے۔" طاہرہ نے بات بدل دی تھی نین تارا ہنستے ہوئے کچن سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

انوار کی جاب لاہور سے کراچی ہوگئی تھی وہ بس دو تین دن ہی صبیر الحسن کے گھر رہا تھا، پھر کمپنی کی طرف سے ملی رہائش میں شفٹ ہو گیا تھا، صبیر الحسن کو خود بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ اپنے گھر کی پرائیویسی میں کسی دوسرے کو برداشت کرے بے شک وہ اس کا کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، ہاں ملنے ملانے کے لئے آنا اور بات تھی مگر مستقل رکھنا صبیر کے لئے بہت مشکل تھا۔

"انوار بھائی آپ ادھر ہی رہ جاتے، ہمارے گھر میں بہت جگہ ہے، وہاں آپ کو کھانے پکانے کا مسئلہ ہوگا۔" طاہرہ نے انوار سے کہا تھا۔

"نہیں بھابھی کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، کھانے وغیرہ کے لئے ملازم ہے۔" انوار نے شائستگی سے کہا تھا۔

"لیکن یار یہ تمہارا اپنا گھر ہے، پھر اس شہر میں تم نئے ہو، جب دل گھبرائے یا اداسی محسوس ہونے لگے تو آجایا کرنا، اب یہ نہ ہو کہ جا کر شکل ہی نہ دکھاؤ۔" صبیر الحسن نے مہمان داری نبھائی تھی۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں اس شہر میں بس تم لوگ ہی تو اپنے ہو اور پھر اس چھٹکی سے تو ملنے کو بہت دل کیا کرے گا۔" انوار نے نین تارا کے سر پر چپت لگائی تھی اور طاہرہ کو خدا حافظ کہہ کر صبیر الحسن کے ساتھ باہر نکل گیا تھا صبیر اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔

انوار چلا تو گیا تھا، مگر اپنی شخصیت کے گہرے نقش طاہرہ کے دل پر چھوڑ گیا تھا، طاہرہ کو تو لگتا تھا وہ اس گھر میں دو تین دن رہ کر نہیں گیا بلکہ ازل سے یہیں رہ رہا تھا اور اب گیا ہے تو اداسی در و بام پر ٹھہر سی گئی ہے، وہ اس وقت تک بولائی بولائی سی رہی جب تک انوار نے دوبارہ ان کے گھر کا چکر نہیں لگایا، اسے اپنی کیفیت کی خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی، عرصہ ہوا جن عادتوں اور جذبات کو اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا، انوار کو سامنے دیکھ کر وہ ایک دم سے بیدار ہو جاتے تھے، اب اسے انوار کا انتظار رہنے لگا تھا۔

پھر اس نے خود ہی اس سے کہا تھا کہ وہ آنے سے پہلے فون کر دیا کرے تاکہ وہ اس کا من پسند کھانا تیار کر سکے، اب ایسا ہی ہوتا تھا، انوار ہر ویک اینڈ پر آنے لگا تھا اور ڈنر ان لوگوں کے ساتھ ہی کرتا تھا، طاہرہ پوری توجہ اور لگن سے ڈنر تیار کرتی تھی اور وہ ہر کھانے کی تعریفیں کر کر کے کھاتا تھا، طاہرہ کو اپنی تعریف سننا بہت اچھا لگتا تھا، پھر صبیر الحسن اور انوار کی سیاست

بخشیں لمبی ہو جاتیں اور طاہرہ گرم چائے یا مزیدار قہوہ بنا بنا کر ان کو دیتی رہتی تھی۔

انوار کوئی بچہ نہ تھا اس نے خاتون خانہ کا حد سے زیادہ اپنی طرف جھکاؤ محسوس کر لیا تھا اس لئے وہ بھی اس کی پذیرائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا، طاہرہ کی بے چین فطرت کی تسکین ہو رہی تھی اسے اور کیا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''ابو، انوار انکل کچھ زیادہ ہی ہمارے گھر آنے لگے ہیں، اب تو آپ کے آفس ٹائم میں بھی اکثر آ جاتے ہیں، پھر وہ اور امی گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' نین تارا کو سکول سے چھٹیاں تھیں اس نے جو دیکھا جو محسوس کیا وہ اسے اچھا نہیں لگا تھا، اس نے یہ سب اپنے باپ کے نوٹس میں لانا بہتر سمجھا تھا۔

نین تارا کی بات پر صبیر الحسن ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھنے لگے تھے، ایک گتھی تھی جو کئی دنوں سے سلجھ نہ رہی تھی، طاہرہ کئی دنوں سے ان سے کترائی کترائی پھرتی تھی جیسے ان کا وجود اس کے لئے کوئی معنی نہ رکھتا ہو، بلکہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ اب وہ بات بات پہ انوار سے ان کا موازنہ کرنے کی کوشش کرتی ہے ہر بات میں انوار بھائی ایسے انوار بھائی ویسے کی گردان کرتی رہتی تھی۔

''نہیں...... نہیں ...... نین تارا تو بچی ہے نا سمجھ ہے، میں کیوں اس کے پیچھے لگ کر اپنی بیوی پر شک کرنے کا سوچ رہا ہوں۔'' صبیر الحسن نے جلدی ہی اپنی تمام منفی سوچیں جھٹک دی تھیں، طاہرہ کے بارے میں وہ کچھ بھی ایسا ویسا نہیں سوچ سکتے تھے، مگر رائی ہو تو پہاڑ بنتا ہے، بعد میں بھی طاہرہ کا رویہ انہیں بات بات پر کھٹکتا رہا۔

''میں انوار کو اپنے گھر آنے سے منع کر دوں گا، ایک خالہ زاد کے لئے میں کیوں اپنی زندگی کو مسائل سے دو چار کروں۔'' صبیر الحسن نے اس مسئلے کا حل نکال لیا تھا۔

''انوار بھائی کو گھر آنے سے آپ نے منع کیا ہے۔'' جس دن انہوں نے انوار سے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ بات کی تھی اسی شام طاہرہ تن کر ان کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

''ہاں۔'' وہ آرام سے بولے۔

''مگر کیوں؟'' اس کا انداز جھنجھلایا ہوا تھا۔

''دیکھو طاہرہ انوار میرا رشتہ دار ہے، اگر میں اس کو پسند نہیں کرتا تو پھر تمہیں بھی کوئی حق نہیں ہے کہ تم اس کے لئے مجھ سے کچھ پوچھو۔''

''لیکن میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ آخر کیوں، پہلے تو آپ انہیں بڑا پسند کرتے تھے پھر ایک دم سے ناپسندیدگی کی وجہ؟''

''بس تم چھوڑو، تم نین تارا کو دیکھو کہ کیا کر رہی ہے، اسے میرے ساتھ بازار جانا تھا۔'' انہوں نے طاہرہ کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا اور اسے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

''ابو جان امی جان گھر پر نہیں ہیں، کیا انہیں کہیں جانا تھا، آپ کو پتہ ہے۔'' وہ آفس میں تھے جب ان کے سیل پر نین تارا کی کال آئی تھی۔

''مجھے تو نہیں پتہ، شاید محلے میں کہیں گئی ہو یا پھر کسی کے ساتھ بازار وغیرہ، تم انتظار کر لو۔'' وہ آفس میں مصروف تھے اس لئے جلدی سے لائن کاٹ دی تھی۔

''تمہاری ماں ابھی تک نہیں آئی کیا۔'' نین تارا اپنے لئے کھانے کے لئے آملیٹ بنا رہی تھی صبیر الحسن نے آفس سے آ کر پوچھا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے جواب دیا تھا، نین تارا نے صبح بارہ بجے انہیں کال کی تھی اور اب شام

کے سات بج رہے تھے، آج وہ معمول سے کہیں لیٹ ہو گئے تھے۔

''چلو نانا نانی کو فون کر کے پتہ کرو، وہیں ہو گی۔''

''میں کر چکی ہوں، وہاں نہیں ہیں۔'' نین تارا نے آملیٹ اور چپاتیاں ڈائننگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا، شاید ماں کے انتظار میں وہ اب تک بھوکی بیٹھی تھی۔

''اچھا۔'' صبیر الحسن کو اب صحیح معنوں میں تشویش نے گھیرا تھا، آج کل شہر کے حالات بھی تو ایسے تھے، پھر انہوں نے ایک دو جگہ فون بھی کئے تھے جہاں طاہرہ کے جانے کی امید ہو سکتی تھی مگر جواب ندارد۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گئے تھے، رات گئے تک وہ شہر میں طاہرہ کو ڈھونڈنے کے لئے مارے مارے پھر رہے تھے، جب ان کے سیل پر ایک انجانے نمبر سے ایس ایم ایس آیا تھا۔

''طاہرہ میرے ساتھ ہے، ہم دونوں ایک انجانی منزل کی طرف جا رہے ہیں، تم اسے ڈھونڈنے کی کوشش مت کرنا، کیونکہ یہ بے کار ہو گا، ہاں اسے طلاق ضرور دے دینا، تاکہ ہم اپنی زندگی کا سفر شروع کر سکیں انوار۔''

ایس ایم ایس تھا یا بم کا گولہ جو صبیر الحسن جیسے شریف آدمی کے سر پر پھٹا تھا وہ گھر کیسے پہنچا اسے خبر نہیں تھی۔

☆☆☆

جنہیں کم مایہ سے ہٹ کر کچھ پرے بیٹھے ہیں لوگ
کیونکہ مٹھی میں لئے سکے کھرے بیٹھے ہیں لوگ
بے خبر ہے وہ ہوا دشنام سے الزام سے
تہمت آوارگی جس پر دھرے بیٹھے ہیں لوگ
منتشر ہونے ہی والا ہے وہ خواب وصل بھی
دشت تنہائی میں جس کے آسرے بیٹھے ہیں لوگ
تہلکہ برپا کیا وہ جو ہر نا چیز نے
تیرگی میں جگنوؤں سے بھی ڈرے بیٹھے ہیں لوگ
جانے والے نے تو اختر آخر جانا ہی ہے
ہاتھ کیونکر اپنی آنکھوں پر دھرے بیٹھے ہیں لوگ

''ابو جی امی کا کچھ پتہ چلا۔'' نین تارا جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی کسی ممکنہ حادثے سے وہ بھی خوفزدہ تھی آج کل شہر کے حالات ہی ایسے تھے بات بات پر دل دہل جاتا تھا اور طاہرہ تو صبح سے لاپتہ تھی۔

''نہیں۔'' وہ تھکے ہارے قدموں اور جھکے شانوں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے، ابھی تو رات تھی کسی کو پتہ نہیں چل سکا تھا، کل جب سورج طلوع ہو گا اور یہ اتنی بڑی خبر بھی آخر کب تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہے گی تب وہ لوگوں کی باتوں کا کیا جواب دیں گے۔

صبیر الحسن کی بیوی اس عمر میں گھر سے بھاگ گئی جب اس کی بیٹی جوان ہو چکی تھی، یہ فقرہ ان کی سماعتوں پر سنگ زنی کر رہا تھا اور کل تک یہ بازگشت ہر منہ سے سنائی دینے والی تھی، صبیر الحسن نے سلیم احمد کا نمبر ملایا تھا اور سلیم احمد کے فون اٹھاتے ہی کہا تھا۔

''آپ کی بیٹی طاہرہ سلیم مجھے اور نین تارا کو چھوڑ کر انوار نامی شخص کے ساتھ چلی گئی ہے، میری شرافت کا اس نے یہ صلہ دیا ہے، میرے چہرے پر عمر بھر کے لئے کالک مل دی ہے۔'' صبیر الحسن نے طاہرہ کے نام کے ساتھ اپنا نام ہٹا کر اس کے باپ کو اس کے کارنامے سے آگاہ کر دیا تھا، دوسری طرف سلیم احمد کیا کیا کرتے رہ گئے تھے اور صبیر نے فون بند کر دیا تھا، اب کہنے سننے کے لئے کیا رہ گیا تھا۔

نین تارا جو جائے نماز سے اٹھ کر باپ کے

پاس آرہی تھی یہ الفاظ سن کر زمین پر ہی بیٹھتی چلی گئی تھیں، اس نے بہت سی کہانیاں پڑھی تھیں بہت سے ڈرامے دیکھ رکھے تھے جس میں ایک عورت اپنے بچوں کو چھوڑ کر گھر سے بھاگ جاتی ہے اور اسے ہمیشہ یہ سب بکواس اور جھوٹ لگتا تھا اور تخلیق کار کی سوچ پر ہنسی آیا کرتی تھی اور اس وقت اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ بھی یہ سب ہوگیا ہے اور یہ کوئی کہانی یا ڈرامہ نہیں تھا یہ حقیقت تھی اس میں کسی تخلیق کار کا کوئی قصور نہیں تھا۔

ایسی باتیں چھپی کب ہیں، جلد ہی ساری دنیا کو خبر ہوگئی تھی کہ صبیر الحسن کی بیوی اور نین تارا کی ماں اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہے اور پھر جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں، لوگوں کی زبانوں کو کون روک سکتا ہے وہ اور اس کا باپ منہ چھپا کر گھر بیٹھ گئے تھے، طاہرہ تو جانے کہاں اپنی ناتمام خواہشات کو لے کر عیش کر رہی تھی اور اس کا بھگتان اس کی بیٹی اور شوہر سمیت بوڑھے ماں باپ کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔

سلیم احمد اور ثریا بیگم بھی کب کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہے تھے، جس بیٹی کو عزت سے گھر سے وداع کر کے وہ سکھ کی نیند سوتے تھے کیا خبر تھی وہ بڑھاپے میں ان کو یوں ذلیل و خوار کرے گی اور ان کے ساتھ ساتھ صبیر الحسن جیسے شریف آدمی کی شرافت بھی تار تار کر جائے گی۔

''خالہ آپ نین تارا کو اپنے ساتھ لے جائیں، میں اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا میں طاہرہ والے حادثے سے سنبھل ہی نہیں پا رہا ہوں، میں ملک سے باہر جا رہا ہوں، یہاں رہا تو لوگوں کی باتیں اور لوگوں کی نظریں ہمہ وقت مجھے ذلیل کرتی رہیں گی۔'' صبیر نے بیٹی کو دور کرنے کا کڑا فیصلہ جس ہمت سے کیا تھا یہ وہی جانتا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتا وہ شریف آدمی دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

''ابو آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں، میں آپ کے بغیر نہیں رہوں گی۔'' نین تارا باپ کے اس انتہائی فیصلے پر مچل اٹھی تھی۔

''ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہا، بس جب تک اس واقعے پر وقت کی راکھ پڑ جانے سے اس کی یاد لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جائے گی میں لوٹ آؤں گا میری بچی، لیکن تم اب مجھے جانے دو، تمہارا باپ بہت کمزور پڑ گیا ہے، وہ دنیا والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' وہ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولا تھا اور نین تارا برستی آنکھوں کے ساتھ نانا نانی کے ساتھ آگئی تھی۔

☆☆☆

نانا اور نانی بھی کب پہلے جیسے رہے تھے، وہ دونوں اس پر جان چھڑکتے تھے اکلوتی بیٹی کی اکلوتی اولاد میں تو ان کی جان تھی، لیکن طاہرہ نے ان کو نین تارا کی طرف سے بھی بدگمان کر دیا تھا بے شک نین تارا کے ساتھ ان کی محبت ویسی ہی تھی مگر اب اس پر کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے تھے، ماں کے ایک غلط قدم نے نین تارا کو بے اعتبار کر دیا تھا، وہ دونوں اب جوان جہان لڑکی کی ذمہ داری اٹھا کر چلتی ہوا سے بھی ڈرنے لگے تھے۔

ماہ نور چلی گئی تھی اور وہ خاموشی سے چارپائی پر بیٹھی رہی تھی، نانو بھی پاس ہی بیٹھی سبزی بنانے لگی تھیں، نین تارا کا دل کر رہا تھا وہ پہلے کی طرح اس سے باتیں کریں اور وہ ان سے لاڈ کرے اپنی سنوائے اور بس اپنی ہی منوائے، مگر ان کے ماتھے پر پڑے بل دیکھ کر نین تارا کچھ بھی کرنے کی ہمت نہ کر سکی تھی اور چارپائی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

''میں نے صبیر الحسن کو آج فون کیا تھا اور اس سے نین تارا کی شادی کی بات کی ہے اس نے کہا ہے کہ یہ ہم دونوں کی مرضی ہے کہ ہم نین تارا کے لئے کیا فیصلہ کرتے ہیں اس نے سب اختیار ہمیں دے دیئے ہیں اب کوئی بھی اچھا سا رشتہ دیکھ کر جلد از جلد نین تارا کو رخصت کرنے کی بات کرو، ہم دونوں کے چل چلاؤ کا وقت ہے آخر کتنے سال نین تارا کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں بس اپنی زندگیوں میں ہی اسے بیاہ دیں تو اچھا ہے۔'' نانا نے دوپہر کا کھانا کھاتے ہوئے نانو سے کہا تھا۔

''رشتے اتنی آسانی سے کہاں مل پاتے ہیں۔'' وہ بولی تھیں۔

''چلو تم کوشش تو کرو، ایک دو رشتہ کروانے والیوں کو کہہ رکھو۔''

نین تارا اپنے کمرے میں بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی، شادی کے ذکر پر شاہ میر کا سراپا چھم سے آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا، شاہ میر ان کا ہمسایہ تھا اور ان لوگوں کے ساتھ ان کے بہت اچھے تعلقات تھے، طاہرہ اور شاہ میر کی امی کے درمیان کئی بار یہ بات ہوئی تھی کہ شاہ میر اور نین تارا ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے۔

''میں شاہ میر کو چھوڑ کر کسی اور سے شادی کیسے کر سکتی ہوں۔'' نین تارا کا دل ڈوبنے لگا تھا، وہ تیزی سے باہر نکلنے لگی تھی کہ نانو سے کہے آپ کسی سے رابطہ مت کریں، میرے لئے تو بس شاہ میر ہے

''جیسی ماں ویسی بیٹی، نانو تو یہی کہیں گی۔'' کہ اس کے تیزی سے اٹھتے قدم ایک سوچ نے جکڑ لئے تھے۔

''تو کیا اب شاہ میر کبھی میرا نہیں ہو سکتا۔'' وہ باہر نکلنے کی بجائے واپس اندر کی طرف آگئی تھی۔

''امی جان آپ تو مجھ سے میری زندگی بھی لے گئیں۔'' اسے اپنی ماں جیسا نہیں کہلوانا تھا، وہ تکیے پر سر ڈال کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، اس وقت اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا گلا بھی گھونٹ دیا تھا، مائیں اولاد کے راستے کے خار پلکوں سے چنا کرتی ہیں مگر کبھی کبھی اولاد کو ماؤں کا کیا ایسے بھی بھگتنا پڑتا ہے جیسے نین تارا بھگت رہی تھی۔

☆☆☆

نین تارا کی زندگی کا قرعہ فال منور علی کے نام نکلا تھا اور نانا، نانی نے ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہوئے اسے منور علی کے سنگ رخصت کر دیا تھا، مہندی کی رات صبیر الحسن بھی بیٹی کو وداع کرنے آ گئے تھے، وہ باپ کے گلے لگ کر بہت روئی تھی، نانا اور نانی کی آنکھیں الگ چھلکی پڑ رہی تھیں، اسی شام نانو اس کے پاس آئی تھیں اور بے تحاشا اس

کی پیشانی چومتے ہوئے رو پڑی تھیں، وہ کب سے اس پر محبت لمس کو ترس رہی تھی۔

''نانو آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' روتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''نہیں میری جان تمہارا کیا قصور ہے، ہم کیوں تم سے ناراض ہوتے، وہ کہتے ہیں نا کہ سانپ کا کاٹا رسی سے بھی ڈرتا ہے، اک بار ہماری عزت رل گئی تھی، تمہاری طرف دیکھتے تو دل میں ہول اٹھتے کہ کیا تمہاری حفاظت ہم بوڑھے لوگ کر پائیں گے، نا توانی ہمارے وجود سے تھی تمہارے کردار میں نہیں، بس اس لئے تم پر سخت پہرے بٹھا دیئے کہ ماں کی طرح تم بھی نہ بھٹک جاؤ، اب خیر سے تم گھر بار والی ہونے جا رہی ہو، ہماری ذمہ داری تمام ہوئی اس لئے کچھ سکون مل گیا ہے، مگر بیٹا اس گھر سے کوئی بدگمانی لے کر مت جانا تمہارے نانا، میں اور تمہارا باپ پہلے کی طرح ہی تم سے پیار کرتے ہیں۔'' وہ اس کے دل کو تمام اندیشوں سے دھو کر چلی گئی تھیں۔

نین تارا کے دل سے ایک بوجھ ضرور اترا تھا مگر دل کا ایک بڑا حصہ اب بھی خالی کا خالی تھا، جو صرف شاہ میر کے نام پر دھڑکتا تھا۔

''شاہ میر۔'' اس نے اپنی محبت کو قربان کر دیا تھا۔

نکاح ہونے سے منور علی کی بننے تک اس کا دل بس شاہ میر کے نام کا ہی ورد کرتا رہا تھا کہ شاید تقدیر بدل جائے شاید منور علی کی جگہ شاہ میر زندگی کا حصہ بن کر سامنے آ جائے مگر تقدیر نصیب والوں کو بدلا کرتی ہے اور اس کے نصیبوں پر سیاہی پھیرنے والا کوئی اور نہیں اس کی سگی ماں تھی۔

منور علی کے گھر میں اسے سب کچھ ملا تھا، اچھا کھانا، پینا، پہننا اوڑھنا، خوبصورت گھر، شوہر کا التفات مگر نہیں ملی تھی تو وہ عزت جس کی وہ حقدار تھی، جب منور علی اس کی بارات لے کر آیا تھا تبھی کسی نے اس کے خاندان والوں تک یہ بات پہنچا دی تھی کہ اس کی ماں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے بس وہ بات ہر قدم پر اس کا طعنہ بن جاتی تھی، اس بات کے پہاڑ تلے وہ اتنا دب گئی تھی کہ کسی سے نظریں نہ ملا سکتی تھی، اس نے سسرال میں خود کو اچھا اور نیک ثابت کرنے کے لئے اپنے آپ کو مٹا ڈالا تھا، دن رات کا فرق مٹا کر ان کی خدمت کی تھی، شوہر کی بے دام غلام بن گئی تھی، سب لوگ اس کی خدمتوں کا اعتراف کرتے تھے، مگر کبھی کبھی ماں والا طعنہ سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا تھا، اپنے ساتھ اس کی سب ریاضتوں کو بہا لے جاتا تھا اور وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن جاتی تھی، وہ جان گئی تھی کہ یہ وہ کالک ہے جو دنیا کی کوئی چیز نہیں دھو سکتی، وہ کچھ بھی کر لے یہ اس کے ساتھ ساتھ رہے گی، البتہ کالی راتوں میں جب ماں بہت یاد آتی تھی تب وہ اس سے شکوہ ضرور کرتی تھی کہ کاش ماں تو غلط قدم اٹھانے سے پہلے اپنی بیٹی کے بارے میں سوچ لیا ہوتا۔

میں ٹھنڈے توے کی روٹی ہوں
مجھے دھیانی میں ڈالا گیا
مجھے بے دردی سے پلٹا گیا
میرے کتنے ٹکڑے اکھڑ گئے
میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی
میں کسی چنگیر میں آ نہ سکی
میرا اپنا گندھنا اور جلنا
بے کار گیا میں ہار گئی
اک بے دھیانی مجھے مار گئی

☆☆☆

کیا خوب سودا عجیب ہے

کنول ریاض

''چل چھیاں...... چھیاں......
چھیاں...... چل چھیاں...... چھیاں......
چل......''

سکول سے آنے کے بعد سے ننھا فہد گلے میں کھلونا موبائل ڈالے مسلسل سر ہلا رہا تھا اور گانے کی تیز ہوتی آواز پر موبائل کو الٹ پلٹ کر دیکھتا بہت خوش تھا، رات ہی یہ کھلونا موبائل احمد صاحب نے اسے لاکر دیا تھا اور اب اگلے دو چار دن فہد نے اسی کے ساتھ مصروف رہنا تھا۔

''آئے ہائے، یہ کیا بے ہودہ راگ الاپتے پھر رہے ہو، بند کرواسے۔''

کمرے میں قرآن پاک کی تلاوت کرتی حمیدہ بیگم کی توجہ میں خلل پڑا تو انہوں نے وہیں سے کھڑکی کا پردہ ہٹایا اور فہد کو موبائل بند کرنے کو کہا، فہد پہ ان کی بات کا کیا اثر ہوتا الٹا وہ بھاگتا ہوا دادی کے کمرے میں گھس گیا۔

''دادو...... دادو...... دیکھیئے ناں اس میں کتنے مزے مزے کی آوازیں ہیں۔'' موبائل دادی کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے فہد نے مختلف بٹن دبائے۔

''Hello darling''۔

''کھا کے پان بنارس والا، کھل جائے بند عقل کا تالا۔'' کمرے میں پھیلتی یہ آواز حمیدہ بیگم کو کافی ناگوار گزری۔

''زینت...... زینت...... ذرا یہاں آنا۔'' فہد کو نہ دیکھ کر حمیدہ بیگم نے اپنی بہو زینت کو آواز دی۔

''جی امی!'' تھوڑی ہی دیر میں زینت ان کے کمرے میں آکھڑی ہوئی۔

''بیٹا! یہ کیسے کھلونے لے کر دے دیتے ہو بچوں کو اب دیکھو ذرا کتنے بے ہودہ الفاظ ہیں ان گانوں کے۔''

''امی یہ احمد لائے تھے رات میں اور اب تو بازار میں یہی سب کچھ مل رہا ہے کیا کریں، ہمارے بچوں کے لئے خاص طور سے آرڈر پہ تو چیزیں بننے سے رہیں۔'' زینت نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''بیٹا! اگر چیزیں آرڈر پہ بنوا نہیں سکتے تو کم از کم سوچ سمجھ کر خرید تو سکتے ہیں ناں، ان گانوں کی بجائے اگر بچے کو کوئی ایسا کھلونا خرید دیتے جو اس کی پڑھائی میں بھی کام آتا تو زیادہ بہتر تھا۔'' حمیدہ بیگم نے رسانیت سے بہو کو سمجھانا چاہ تھا، لیکن زینت کو گویا پتنگے لگ گئے۔

''جی ہاں...... کہنا آسان ہے...... یہ پچاس روپے کا موبائل فون ہے اور وہ جو ''Alpha batical music board'' ہے ناں اس کی قیمت تین سو سے شروع ہوتی اور ہزاروں میں جاتی ہے اور پھر آپ نے کہنا تھا کہ اب یہ انگریزوں کی زبان کیوں اٹھالائے گھر میں۔'' زینت کے تیور حمیدہ بیگم کو کافی ناگوار گزرے لیکن سوال ان کے پوتے کی تربیت کا تھا، جبھی اپنی سی کوشش کے مصداق پھر سے گویا ہوئیں۔

''بیٹا وہ تو وقت کی ضرورت ہے، بچے کے لئے اس قسم کے تین چار عام سے کھلونے لینے کی بجائے ایک قیمتی کھلونا لے لیا جائے اور وہ بھی فائدہ مند تو زیادہ بہتر ہے۔''

''چھوڑیئے امی! آپ بھی کس بحث میں پڑی ہیں اب اکٹھے پیسے نہ ہوں انسان کے پاس تو کیا بچوں کی چھوٹی سی خوشی بھی فراہم نہ کرے، چلو فہد ''ZIG & SHARKO'' والے کارٹون آرہے ہیں ''Nick'' یہ پھر مت کہنا، ٹائم پہ نہیں بتایا۔'' زینت نے بات کو گویا ختم کرتے ہوئے کہا اور فہد کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔

...دہ بیگم نے تاسف سے سر ہلایا۔

''یہ آج کل کے ماں باپ بچوں کے ...زوں اور کھانے پینے، دل بہلانے پہ ہزاروں ...چ کرنے کو ہمہ وقت تیار ہیں لیکن صد افسوس ...بچوں کی تربیت کا رتی بھر خیال نہیں انہیں، ...بھیڑ چال، چل نکلی ہے ماں باپ خود بچوں کو ...ت دینے کو تیار ہیں اور بچے سارا دن ٹی وی پہ ...چینل پہ چینل بدل رہے ہیں کبھی گانے تو کبھی ...دھڑنگ کارٹون توبہ ان کمبختوں نے بچوں ...دیکھنے دیکھانے اور کھیلنے کی چیزوں کو بھی اپنی ...سوچ کی بدولت آلودہ کر دیا ہے۔'' حمیدہ بیگم ...باربی گرلز اور ZIG یاد آئیں تو بے ساختہ ...وں نے لاحول پڑھے دوبارہ سے قرآن پاک ...ول لیا۔

''یا اللہ میرے فہد کو سیدھی راہ پہ چلانا ...مین۔'' بے ساختہ ان کے دل سے دعا نکلی۔

☆☆☆

''زینت جلدی کرو بھئی، دیر ہو رہی ہے۔'' ...صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے پھر سے ...ینت کو وقت کی قلت کا احساس دلایا۔

''بس یہ فہد کو جوتے پہنا دوں، اب عین ...کم پہ ضد کر دی کہ سفید والے نہیں بلکہ کالے ...لے جوتے پہنے ہیں۔''

زینت نیچے جھکی فہد کو جوتے پہنانے کے ...تھ ساتھ دیر ہونے کی وجہ بھی بتا رہی تھی، آج ...صاحب کے فرسٹ کزن جواد کے بیٹے کی ...لی سالگرہ تھی اس موقع پر انہوں نے بڑے ...نے پر انتظام کیا تھا اور اچھی خاصی دعوت کا ...تمام کر ڈالا۔

جواد صاحب کے گھر کافی رشتہ دار جمع تھے ...ب سے مل کر زینت اپنے بیٹھنے کے لئے جگہ ...یکھنے لگی تھی کہ جواد کی چھوٹی بہن فرحت نے اسے پکار لیا فرحت کسی قریبی مدرسہ سے اسلامک کورس کر رہی تھی۔

''پتا نہیں، اب اسے کیا کام ہے، کہیں عام مولویوں کی طرح سے درس دینا ہی نہ شروع کر دے۔'' زینت کوفت سے سوچتے ہوئے بظاہر مسکراہٹ سجائے فرحت کی طرف بڑھ گئی۔

''آیئے بھابھی یہاں آجائیں۔'' فرحت کمپیوٹر پہ کچھ سرچ کر رہی تھی، اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر اس نے زینت کے لئے جگہ بنائی، چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں رکھے گئے صوفوں پر پہلے ہی تین چار سال کے بچوں سے لے کر آٹھ دس سال کے بچوں کا رش تھا، زینت وہاں بیٹھنے کے خیال سے ہی گھبرا گئی تھی۔

''فرحت ٹھہرو ذرا میں فہد کو اس کے پاپا کو پکڑا آؤں یہ کافی تنگ کرے گا پہلے ہی یہاں بچوں کا اتنا رش ہے۔'' زینت نے بہانے سے وہاں سے اٹھنا چاہا۔

''ارے نہیں نہیں...... بھابھی...... میں نے تو بلایا ہی فہد کے لئے ہے۔'' فرحت اپنا کام مکمل کرے دوپٹہ سنبھالتے پیچھے کی طرف نکل آئی۔

''چلو بھئی بچوں...... اب سارے خاموشی سے بیٹھ کر دیکھو۔'' فرحت نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور خود زینت کے قریب جگہ پکڑ لی۔

اردو اور انگلش میں اسلامی نظموں نے بچوں کے ساتھ ساتھ خود زینت کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا، خوبصورت لب و لہجے میں تصویری خاکوں کی مدد سے بنائی گئی نظمیں اتنی دلچسپ تھیں کہ فہد اور اس کے تین چار ہم عمر بچے بھی مزے سے سر ہلاتے ہوئے انہیں پڑھے جا رہے تھے اور یاد کرنے کی کوشش میں تھے فرحت نے ایک دو نظمیں عربی حروف تہجی کی بھی لسٹ میں شامل کی تھیں اور ایک اور رشتے کی بھابھی کے پوچھنے پر

وضاحت کی کہ میں نے یہ اس لئے شامل کیا ہے تاکہ بچے ناظرہ قرآن میں دلچسپی لیں اور انگریزی حروف بھی کو ردھم میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ عربی حروف کو بھی ردھم سے پڑھ سکیں، اس طرح ان کی دلچسپی قرآن میں مزید بڑھے گی، ابھی یہ سلسلہ مزید جاری رہتا کہ کیک کٹنے کے لئے بلا لیا گیا، یوں یہ محفل برخاست ہو گئی۔

کیک اور دوسرے لوازمات کے ساتھ بھرپور انصاف کرنے کے بعد اب چائے کا دور شروع ہو گیا تھا اور سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، مرد ایک طرف بیٹھے سیاست پر تبادلہ خیال کر رہے تھے عورتیں اپنی الگ محفل جمائے بیٹھی تھیں، بچوں کو ایک بار پھر سے فرحت کے حوالے کر دیا گیا تھا، یوں مائیں فراغت سے بیٹھی بات چیت میں مشغول تھیں۔

''بھئی فرحت ان نظموں کی اگر کوئی سی ڈیز ہیں تو براہ مہربانی ان کا نام ضرور لکھ دینا ان نظموں کی بدولت یہ بچے اتنے سکون سے بیٹھے ہیں ورنہ تو ناک میں دم کیے رکھتے ہیں۔''

فرحت کی چچازاد بہن عمارہ نے ہنستے ہوئے گویا وہاں موجود تمام ماؤں کے دلوں کی بات کہہ دی۔

''عمارہ باجی سی ڈیز تو نہیں ہیں شاید بازار میں ڈھونڈنے سے مل بھی جائیں لیکن اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ (Google) پہ جا کے (Nursery Rhymes) کو سرچ کر لیں اور پھر اپنی پسند کی انگلش، اردو نظمیں ڈاؤن لوڈ کر لیں، کچھ دنوں بعد ان میں تبدیلی کر لیں کیونکہ بچے مسلسل ایک ہی چیز دیکھ کر اکتا جاتے ہیں۔''

فرحت نے تفصیل سے طریقہ کار بتاتے اپنی رائے سے بھی آگاہ کیا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے فرحت لیکن اب ہر کسی کو کمپیوٹر میں مہارت تو نہیں ہے ناں؟'' فرحت کی اپنی ہی بہن فردوس نے ایک اہم نکتہ اٹھایا۔

''ویسے فردوس باجی یہ تو آپ ماؤں کی نالائقی ہے ناں، یہاں موجود ساری بھابھیاں باجیاں ایف اے بی اے کی ڈگری لے کر بیٹھی ہیں اور اگر کوئی بہت کم بھی پڑھا ہے تو کم از کم میٹرک ضرور کیا ہوا ہے، پھر ایسے میں جب کہ کمپیوٹر اب ہر گھر کی ضرورت ہے اور موجود بھی ہے تو پھر اسے صرف گانے، فلمیں دیکھنے کے لئے کیوں استعمال کیا جائے؟ اگر آپ لوگ دلچسپی لیں تو زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں آپ یہ کام سیکھ سکتی ہیں اور میرے خیال میں ماؤں کو سب سیکھنا بھی چاہیے، آج کے دور میں جب کہ غیر مسلم اپنی سرتوڑ کوششوں سے ہم مسلمانوں کی نئی نسل کو اپنے مذہب سے دور کرنے کے چکر میں ہیں اور بے ہودہ کھلونوں اور یہاں تک کہ بچوں کے کارٹونز اور نظموں وغیرہ سے بھی ان کے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش میں ہیں اسے میں ماؤں کا ہی فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان کے اوچھے ہتھکنڈوں سے بچائیں، ایک پڑھی لکھی ماں کو اسی لئے تو اسلام میں فضیلت ہے اور عورتوں کی پڑھائی پہ بھی اسی لئے زور دیا جاتا ہے۔'' فرحت نے بات تو شرارتی انداز میں شروع کی تھی لیکن اس کے اختتام تک کافی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے فرحت ویسے بھی اگر ہم لوگ اپنے کپڑوں وغیرہ کے لئے گھنٹوں بازار کی خاک چھان سکتی ہیں اور پارلر کے متعدد چکر لگا سکتی ہیں تو اپنے بچوں کی اندرونی خوبصورتی اجاگر کرنے اور اسلامک سوچ پروان چڑھانے کے لئے کیا کمپیوٹر نہیں سیکھ سکتیں۔'' فرحین بھابھی نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے فرحت کی بات کی تائید کی۔

''بہت اچھی بات ہے بھابھی لیکن اگر پھر بھی کوئی یہ سب نہ کر سکے تو کمپیوٹر جاننے والے تو گھر میں ہیں ناں تو کسی دوسرے سے کہہ کر ڈاؤن لوڈ کروا لیں اور سی ڈیز کی شکل میں محفوظ کر لیں۔''

فرحت نے ایک اور تجویز دی اور ابھی یہ گفتگو جاری تھی لیکن احمد صاحب کے کہنے پر زینت، فہد کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی، فرحت کی باتوں سے وہ بھی متفق تھی لیکن ان پہ عمل کرنا کافی مشکل تھا، چلو خیر دیکھا جائے گا، زینت سوچتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆

''مسز احمد...... ہمیں سمجھ نہیں آ رہی کہ فہد کا رویہ ایسا جارحانہ کیوں ہو گیا ہے، حالانکہ جب یہ نیا نیا آیا تھا تو بہت نرم اور دوستانہ مزاج کا حامل تھا۔''

فہد کی کلاس ٹیچر کافی پریشانی سے زینت سے مخاطب تھی، دو دن پہلے سکول سے فون کی وجہ سے زینت آج سکول میں موجود تھی، جہاں فہد کی شرارتوں اور اس کی بدتمیزیوں سے اس کی ٹیچر کافی نالاں تھی، خود زینت کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا اس کو چپ دیکھ کر فہد کی ٹیچر ایک بار پھر بول پڑی۔

''پہلے پہل تو دوسرے بچوں پہ رعب جمانا ان کو مارنا کسی حد تک ہم نے برداشت کیا اور اس کو سنبھالنے کی بھی کوشش کی لیکن اب آپ اس کی ہی حرکت کو لیجیے، اپنی کلاس میں اپنی ڈیسک پر کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا تھا۔''

کلاس ٹیچر کے منہ سے یہ بات سن کر زینت نے ندامت سے سر جھکا لیا، اماں جی کی بات اس

کے کانوں میں گونجی۔

''آئیے بیٹے زینت بچے...... فہد کو بیٹھ کر پیشاب کرنا سکھاؤ، اس طرح کھڑے ہو کر کرنا اچھا کام نہیں، سنت کے بھی خلاف ہے۔''

اماں جان کی بات زینت نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دی تھی، لیکن یہ بات تو زینت کے گمان میں ہی نہ تھی کہ فہد اس کھیل کو خود پہ اتنا طاری کر لے گا، اپنی سوچوں میں گم زینت کو ایک بار ٹیچر کی بات نے چونکایا۔

''آپ پلیز اس کی کمپنی پہ نظر رکھیں، اس کا اٹھنا بیٹھنا، آج کل کن بچوں کے ساتھ ہیں گلی محلے میں اکثر بچوں پر کوئی نظر رکھنے والا نہیں ہوتا اس لئے ایسے میں انہیں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی اور وہ جو کچھ دیکھتے سنتے ہیں اسی کو اپنے کھیل میں شامل کر لیتے ہیں، جس سے باقی بچوں کے مزاج پہ بھی اثر پڑتا ہے۔''

ٹیچر کے کہنے پر زینت کو گلی کے وہ بچے یاد آئے جو ننگے پاؤں سارا سارا دن گلی میں لڑتے جھگڑتے اور کھیلتے کودتے گزارتے تھے، فہد کے اصرار پر زینت نے اس کو شام کو تھوڑی دیر کے لئے ان بچوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دی تھی اور خود زینت بھی فہد کی بدزبانی اور گالیوں سے خائف تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے فہد کا باہر نکلنا بند نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ زینت آرام سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتی تھی جو فہد کی موجودگی سے ممکن نہ تھا۔

''آپ پلیز اسے خود شام کو ایک گھنٹہ دیا کریں، اس کا ہلکا پھلکا ہوم ورک خود کروایا کریں اور اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے دوران اسکا ذہن بدلنے کی کوشش کریں اس کے ٹی وی پروگرامز خود ساتھ بیٹھ کر دیکھا کریں، بچے الٹے سیدھے کارٹونز دیکھ کر بھی ایسا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔''

ٹیچر کی بات پر زینت نے بمشکل سر ہلایا تھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی آواز میں بمشکل نکلا۔

''جی میں کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔'' زینت کو فہد پر جی بھر کر غصہ آیا تھا جس نے اسے اس شرمندگی سے دوچار کیا تھا۔

''دیکھیے آپ اس کی ذاتیات پہ مت لیجئے گا استاد کا کام بھی بچوں کی اصلاح ہے اور ماں باپ بھی بچے کو معاشرے میں مثبت رکن بنانے میں تربیت کرتے ہیں ایسے میں جب بچہ تھوڑا سا ٹریک سے ہٹ جائے تو یہ استاد اور والدین دونوں کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو پیار اور محبت سے راہ راست پہ لائیں، آپ پلیز فہد پہ غصہ مت کیجئے گا اس سے وہ مزید چڑچڑا ہو جائے گا، اگر آپ نے پیار محبت سے اس کو سمجھایا تو یقین کریں کہ وہ جلد ہی پہلے جیسا فہد بن جائے گا۔''

بات کے اختتام پہ ٹیچر نے مسکراتے ہوئے کہا تو زینت بھی سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی اور الوداعی کلمات کہتی باہر نکل آئی، اپنا بیٹا اسے بہت عزیز تھا، اس لئے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بچہ غلط صحبت کا شکار بنے، جبھی اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود اپنے بیٹے کی دوست بنے گی اور اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارے گی ا[illegible] فہد کی ٹیچر اور فرحت کی باتوں پہ عمل کے ساتھ ساتھ امی جی کی باتوں پر عمل درآمد کا بھی اس فیصلہ مزید پختہ ہو گیا تھا اور یقین تھا کہ وہ جلد اپنا پرانا فہد واپس پا لے گی۔

☆☆☆

ستاروں کے آئینے میں

دُرِ شجر

LIBRA

برج میزان

سیارہ زہرہ

24 ستمبر تا 23 اکتوبر

نام کے پہلے حروف

ت۔ٹ۔ر۔ط

نام کے پہلا حرف ....ت۔ٹ۔ر۔ط

نشان ....ترازو

عنصر ....ہوا

مبارک دن ....جمعہ

خوش بختی کا ہندسہ 6

دوسرے بروج سے تعلقات:۔

بہترین ....دلو، جوزا

بہتر ....عقرب، قوس، اسد، سنبلہ

غیر یقینی ....حمل، جدی، سرطان

غیر جانب دار ....حوت اور ثور

میزان افراد پرکشش شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، میزان افراد اپنے حسن اور جنسی کشش کی بناء پر مشہور ہوتے ہیں۔

میزان افراد لوگوں کو اپنے حسن کی کشش میں مبتلا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنی اس صلاحیت کی داد بھی چاہتے ہیں، ایک میزان عورت ریتا ہیورتھ اس فن میں ماہر تھی اور اس نے اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کروڑ پتی آغا خان سے شادی کر کے کیا۔

میزان افراد اکثر حسی، سست اور نازک مزاج ہوتے ہیں، وہ بیک وقت دانش مند، بچوں کی طرح معصوم، پرشباب اور پختہ عمر ہوتے ہیں، وہ کسی دیوی یا دیوتا کی طرح لوگوں اور زندگی کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

خود پرست:۔

میزان افراد اپنی اس خصوصیت سے محظوظ ہوتے ہیں جس کی بدولت وہ حسن، حساسیت اور انفرادیت کے مقام تک پہنچتے ہیں، وہ اس سوچ کے مالک ہوتے ہیں کہ وہ بہترین چیز کا حق رکھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کو جو کچھ دے رہے ہیں، اس کے عوض دنیا سے بہت کچھ وصول کر سکتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ضائع بھی کر سکتے ہیں، وہ عیش و عشرت کے سامان پر بے تحاشا رقم خرچ کرنے کا رجحان رکھتے ہیں، تازہ ترین فیشن

کے مطابق چلنا ان کی مجبوری ہوتی ہے، ان کے لئے کوئی بھی چیز حرف آخر نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں مگن رہتے ہیں اور وہ قسمت پر بھروسہ کرتے ہیں کہ انہیں جس شے کی خواہش ہوتی ہے، وہ قسمت کی دیوی لا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے۔

آرٹسٹک، پیچیدہ:۔

میزان افراد مقدر کے سکندر ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس جادو کی چھڑی ہوتی ہے جس سے وہ بدصورت سنڈریلا کو خوبصورت شہزادی کا روپ دے سکتے ہیں، وہ اپنی کسی شام کو یادگار بنانے کے لئے عمدہ خوراک، مشروبات اور موسیقی کا انتخاب کرتے ہیں۔

ان کا خوبصورت ذوق ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر چھایا ہوتا ہے اور اس کا اثر ان کے متعلقین کی زندگی پر بھی ہوتا ہے، وہ اشیاء کی بو، آواز اور ذائقہ کی نسبت ان کی خوبصورتی کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں، وہ آرٹ میں نت نئے رجحانات سے واقف رہتے ہیں اور حسن و فطرت کے شائق ہوتے ہیں، فن سے محبت کا اظہار ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ہوتا رہتا ہے۔

سماجی:۔

میزان افراد سماجی تعلقات بڑی آسانی سے قائم کر لیتے ہیں، وہ ایک برے وقت میں کام آنے والے دوست اور قابل تعریف محب ثابت ہوتے ہیں جو کہ اپنے وسیع اثاثے اپنے قریبی افراد میں شیئر کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، وہ اپنے عزیز و اقارب کو پیارے پیارے تحفے دینا پسند کرتے ہیں، انہیں لوگوں کی شادیاں کرانے کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے، وہ لوگوں کی سالگرہ کا دن بڑی آسانی سے یاد رکھتے ہیں اور ہر قسم کی تقریبات منعقد کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، وہ زندگی کی تفصیلات سے نہیں گھبراتے، وہ لوگوں میں گھل مل کر خوش ہوتے ہیں اور ان کے کام آ کر اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

ہمت ہارنا:۔

میزان افراد کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ کسی منصوبے کے پورا ہونے سے پہلے ہی ہمت ہار جاتے ہیں، اس سے ان کی خود اعتمادی اور اثر پذیری میں کمی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، وہ فیصلہ کرنے میں مستعدی نہیں دکھاتے اس لئے اکثر دوسروں کے انتخاب کو اپنے لئے موزوں قرار دیتے ہیں، وہ کسی معاملہ میں بہت کم دفاعی پالیسی اختیار کرتے ہیں اور یہ سوچ کر ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں کہ "انتظار کرو تاوقتیکہ کوئی معجزہ رونما ہو جائے" ایک حد تک تو یہ حکمت عملی کام آتی ہے لیکن جب ان کی زندگی اور ذات گرہوں میں بندھ جاتی ہے تو نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

قوت فیصلہ کی کمزوری:۔

بزنس مین میزان افراد بڑی مہارت اور عقلمندی سے فیصلہ کر سکتے ہیں تاہم اپنی ذاتی زندگی میں ایسے فیصلوں کے ضمن میں دقت محسوس کرتے ہیں، جن میں جذباتی خدشات شامل ہوں، وہ کسی کو دکھ یا تکلیف دیے جانے کی ذمہ داری قبول کرنا پسند نہیں کرتے، بدترین نتائج سے بچنے کے لئے وہ مسائل کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیتے ہیں۔

وہ اکثر نیک خواہشات کے ساتھ عمل کرتے ہیں، ان کا نصب العین ہے "انصاف کے لئے۔" وہ تمام لوگوں کو ایک شفاف سماعت کا حق دینا چاہتے ہیں لیکن عملی طور پر ان کا اعلیٰ نظریہ ان کی اپنی عمل کی کمی کی وجہ سے غیر موثر ہو کر رہ جاتا ہے۔

تحفظ ذات، خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنا:۔

میزان افراد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو خوش رکھتے ہیں۔

میزان افراد کو اچھے بچے بننے کی تربیت دی جاتی ہے، ان کی قوت فیصلہ کی کمزوری اور فیصلے میں تاخیر ان کی اس خواہش کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کے جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہتے اور سماجی قوانین کا احترام کرتے ہیں، وہ بہت کم نفی میں جواب دیتے ہیں اور اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ کسی کو ٹھیس نہ پہنچے لیکن خود انہیں اندرونی طور پر یہ خوف ہوتا ہے کہ انہیں مسترد نہ کر دیا جائے، انہیں اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ وہ حمل افراد کی طرح دوٹوک بات کرنے کی عادت اپنائیں، اس طرح حمل افراد کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ ڈپلومیٹک انداز اختیار کرنے کے لئے میزان افراد کی عادت اپنائیں۔

نرم، ذومعنوی:۔

دلکشی اور نرمی میزان افراد کا خاصہ ہے، جب تک کہ انہیں غصے میں مبتلا نہ کیا جائے اور جب ان کے غصے کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ خوفناک حد تک جارح بن جاتے ہیں جنہیں یہ پتہ ہی نہ ہو کہ نرمی کس چڑیا کا نام ہے۔

عموماً لوگ تضادات سے بھرپور ہوتے ہیں اور میزان افراد اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں ہاتھی کی طرح ان کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اور، وہ سطحی یا گہرے، فضول یا انتظامی، نرم یا سخت ہو سکتے ہیں، وہ اکثر لائق تحسین گردانے جاتے ہیں، وہ شراکت، حسن اور مسرت کے لئے وقف ہوتے ہیں۔

مضبوط، جارح:۔

اگرچہ میزان افراد لوگوں کو خوش کر کے خوش ہوتے ہیں تاہم مجموعہ تضادات ہونے کی بناء پر ان کے اندر جارحیت کا مادہ بھی بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، متعدد فوجی شخصیات کا تعلق برج میزان سے ہے، میزان افراد میں عسکری خصوصیات پائی جاتی ہیں جنہیں وہ عموماً دبا کر رکھتے ہیں اور صرف موقع پڑنے پر ہی استعمال لاتے ہیں، جب ان کا حق چھیننے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک خوفزدہ بلی سے دھاڑتے ہوئے شیر میں بدل جاتے ہیں، ظلم اور ناانصافی کا احساس انہیں وحشی بنا دیتا ہے۔

تعاون، پر دلائل:۔

میزان افراد خوش طبع لوگ ہوتے ہیں، ان کے ہونٹوں پر ہمیشہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے، وہ اصولوں پر تعاون کرنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ اکثر لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پسند کرتے ہیں، اپنے آدرش کی خاطر اور تعاون کے لئے لڑائی جھگڑے کے بعد اختتام پذیر کر دیتے ہیں۔

بالادستی کی خصوصیت:۔

اگرچہ وہ کبھی کبھی برداشت کا دامن کھو بیٹھتے ہیں تاہم وہ کسی مسئلہ میں براہ راست طریق کار نہیں اپناتے، وہ جذباتی مناظر یا گفت و شنید سے بچنے کے لئے اپنی عمدہ حس مزاح استعمال

کرتے ہیں، وہ طنز کا بھی ملکہ رکھتے ہیں اور اتنی عمدگی سے طنز کے نشتر چلاتے ہیں کہ دوسرے کو بولنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔

وہ اپنی خواہشات کے حصول کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بھرپور انداز میں بروئے کار لاتے ہیں، وہ زندگی کی دوڑ میں بھرپور توانائی کے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور بالآخر کامیاب و کامران ٹھہرتے ہیں، وہ شکر گزار، حالات کے مطابق ڈھلنے والے، بزعم خود صائب الرائے اور کسی حد تک سست ہوتے ہیں، وہ کسی منصوبہ کے ضروری پہلوؤں پر لوگوں کو متعین کرنے کا طریقہ کار جانتے ہیں اور آخر اہم ترین پہلو پر خود کام کرتے ہیں۔

ٹھنڈا مزاج:۔

میزان افراد کا دماغ ایک کمپیوٹر کی مانند ہوتا ہے، وہ اپنی دماغی صلاحیتوں سے کام لے کر بڑے بڑے معرکے سرانجام دے سکتے ہیں، میزان افراد بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنے دماغ سے کیا کیا کام لے سکتے ہیں اور اسے اپنے نصب العین کے حصول کے لئے کیونکر استعمال میں لا سکتے ہیں۔

وہ عموماً بزنس میں متاثر کن صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور روایتی طور طریقوں کی مدد سے آگے آتے ہیں نیز وہ ایک عمدہ ٹیم ورکر ہوتے ہیں، اپنے متضاد برج حمل افراد کے برعکس وہ کوئی انقلابی قدم نہیں اٹھاتے اور نہ ہی تن تنہا کوئی معرکہ سرانجام دینا چاہتے ہیں، وہ مل جل کر بہتر طریقے سے کام کر سکتے ہیں، وہ بڑے محتاط انداز سے خطرہ مول لیتے ہیں اور کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی کولیگز سے صلاح و مشورہ کرتے ہیں، وہ شاندار حکمت عملی اپناتے ہیں اور محنتی لوگوں کے ساتھ کام کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

متنوع تعلقات:۔

میزان افراد ہمیشہ اپنے مثالی نصف بہتر کی تلاش میں مگن رہتے ہیں اور اپنے موجودہ تعلقات سے بہت کم مطمئن نظر آتے ہیں، کسی بھی صورت میں وہ بہت زیادہ گہرے تعلقات استوار نہیں کرتے بلکہ اس کی بجائے اپنے دوست یا محبوب کی صلاحیتوں کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں، وہ اندرونی طور پر خوفزدہ ہوتے ہیں کہ وہ بہت قریب سے جائزہ لے رہے ہیں یا بہت کچھ ظاہر کر رہے ہیں اور ان کے تصورات کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

وہ بہت زیادہ پرائیویسی پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تنہائی سے خوفزدہ ہوتے ہیں، وہ مسرت اور تحریک کے لئے زیادہ تر دوسروں پر انحصار کرتے ہیں اور رضاکارانہ تعاون کرنے والوں کو تلاش کرنے میں انہیں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، وہ تعلقات کے پلڑے کو ایک طرف جھکنے کی بجائے برابر رکھنا جانتے ہیں، اس طرح وہ اپنی توجہ بٹانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

احساس کمتری:۔

میزان افراد کی اپنی ذات سے محبت انہیں دوسروں کی ذات میں جھانکنے کا بہت کم موقع فراہم کرتی ہے اور ان کی محبت کا پھول تاخیر سے کھلتا ہے، وہ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ تشکیک ذات کا شکار ہوتے ہیں اور اپنی ذات کے بارے میں پر یقین نہ ہونے کی بناء پر نفسیاتی مسائل کا شکار بھی ہو جاتے ہیں، وہ بہت ہمدرد واقع ہوئے ہیں لیکن ذاتی طور پر غیر حساسیت

میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں، وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کا مرقع ہوتے ہیں اور کبھی کبھار جارحیت پر بھی اتر آتے ہیں، وہ جزوی طور پر معصوم بچے، وہ عام افراد میں سے نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ عام افراد کا سا طرز عمل اختیار کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

میزان عورت

برج میزان کی علامت ترازو ہے جو عموماً ایک دوشیزہ نے تھام رکھا ہوتا ہے جو کہ توازن، عدل وانصاف اور تعاون کی علامت ہے، میزان عورت بنیادی طور پر شراکت اور واضح تعلقات کا رجحان رکھتی ہے، میزان عورت دلکش، جذباتی، غمگین، ذہین اور کرشماتی حسن کی مالک ہوتی ہے، اس کے انداز واطوار لوگوں کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتے، وہ زندگی میں مستقلاً ''میں'' کو ''تم'' کے ساتھ متوازن کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور جب تک اسے ہم آہنگی قائم کرنے کا فن نہیں آتا تب تک وہ ترقی نہیں کر سکتی۔

میزان عورت ایک مکمل سیاستدان ہوتی ہے اور پوری زندگی ماہرانہ حکمت عملی اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہے، وہ براہ راست شمولیت کی بجائے ثالث کا کردار ادا کرنا پسند کرتی ہے، وہ امن و آشتی کی دیوی ہے اور اپنے متعلقین کے ساتھ متاثر کن انداز اختیار کرتی ہے، اندرونی طور پر میزان عورت ایک ننھی سی بچی کی طرح ہوتی ہے جبکہ بیرونی طور پر سکون اور مجتمع نظر آتی ہے، وہ تنہائی پسند ہوتی ہے لیکن اپنی تنہائی سے خوفزدہ بھی ہوتی ہے، یوں لگتا ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر نہیں ہیں۔

اس کا کمزور حصہ اپنے ساتھی پر انحصار کرنے والا، اسے خوش کرنے والا اور اس کی خدمت کرنے والا ہوتا ہے جبکہ اس کا سخت حصہ اس روش کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جب یہ غالب ہو تو وہ چابکدست، دلیل پرست اور جارح ہو جاتی ہے

محبت میں میزان عورت کی زندگی ایک مرکزی تعلق کے گرد گھوم سکتی ہے، وہ تا دیر محبوب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر چہل قدمی کرنا پسند کرتی ہے، وہ پرانی رومانوی فلمیں دیکھ کر آنسو بہانے لگتی ہے، عمدہ شاعری اور موسیقی اس کے دل کو سوز وگداز سے بھر دیتی ہے۔

میزان عورت بیک وقت محبت اور نفرت کر سکتی ہے کیونکہ وہ دوہری فطرت کی حامل ہوتی ہے، وہ اپنے سے زیادہ خود مختار محبوب کی متمنی ہوتی ہے تاہم جب وہ اسے حاصل کر لیتی ہے تو اس کی اسی صفت کو ناپسند کرتی ہے، وہ چاہتی ہے کہ اس کا محبوب اسے اپنے پیار کے حصار میں قید کر لے لیکن اس حد سے زیادہ قریب پا کر بھی اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، دراصل اس کا نصب العین ہے، ''ہر بات میں توازن'' لیکن جب تک وہ خود متوازن نہ ہو تب تک اس کی زندگی کی کوئی چیز متوازن نہیں ہو سکتی۔

میزان عورت ایسے مرد کو پسند کرتی ہے جو کہ خوبصورت باتیں بنانے کے گر سے آشنا ہو، پر تکلف، ذہین اور باذوق مرد...... اور چونکہ میزان عورت اس شخص کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے جو توجہ اور پیار نچھاور کرنے والا ہو، اس لئے وہ نسبتاً بڑی عمر کے افراد سے رومانی تعلقات کی پینگیں بڑھانا پسند کرتی ہے، اس کے محبوب کو حلیم الطبع بننے کی کوشش کرنی چاہیے، وہ غربت کو پسند نہیں کرتی، آتشدان کے قریب موسیقی، رومانی تحریروں اور جذباتی تصورات سے بھی خوشی حاصل کر لیتی ہے۔

حاصل مطالعہ

افراح طارق

''القرآن''

قرآن کریم کا ایک نام ''الذکر'' بھی ہے۔ اس نام کا اکیس آیات میں ذکر ہوا ہے مثلاً ''ہم نے تیرے پاس ذکر اتارا ہے یعنی قرآن''۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کلام سننے اور پڑھنے سے صاحب کلام کے ساتھ دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ملنے اور اسے دیکھنے کا شوق بڑھ جاتا ہے اور صاحب کلام جب دیکھتا ہے کہ فلاں شخص میرا کلام پڑھ رہا ہے یا سن رہا ہے تو وہ اس سے بہت زیادہ خوش ہو جاتا ہے اور وہ اسے اپنا دوست اور محبوب بنا لیتا ہے۔

قرآن کریم کسی بشر کا کلام نہیں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کسی اور ذکر سے اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا تلاوت قرآن کریم سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث قدسی میں آیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو قرآن پڑھنے پڑھانے، میرا ذکر کرنے اور مجھ سے سوال ودعا کرنے نے مشغول کر لیا ہو تو اسے اس سے زیادہ دوں گا، جو مانگنے والے کو دیتا ہوں اور اللہ کے کلام کی عظمت باقی کلاموں سے اتنی زیادہ ہے، جتنی اللہ کی عظمت اس کی مخلوق پر ہے۔

سعدیہ علی، لاہور

''احادیث مبارکہ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ۔

''میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری امتیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی کہ جس طرح کھانے والے لوگ دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''

کسی کہنے والے نے کہا کہ ''جس زمانہ کا آپ حال بیان فرما رہے ہیں اس زمانہ میں کیا ہم مسلمان اتنی کم تعداد میں ہوں گے کہ ہم کو نگل لینے کے لئے دوسری قومیں متحدہ ہو کر ٹوٹ پڑیں گی؟''

آپؐ نے فرمایا ''نہیں، اس زمانہ میں تمہاری تعداد کم نہ ہو گی بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہوں گے لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے سینہ سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں پست ہمتی گھر کر لے گی۔''

''ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آئے گی؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ'' اس وجہ سے یہ ہو گی کہ تم (آخرت سے محبت کرنے کے بجائے) دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور (خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو کے بجائے) موت سے بھاگنے اور نفرت کرنے لگو گے۔'' (ابوداؤد، ثوبان)

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھیں اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر

صدا لگایا کرتے تھے۔ ایک کی صدا تھی۔
''الٰہی! مجھے اپنے فضل و کرم سے روزی عنایت کر۔''
دوسرا کہتا۔
''الٰہی! جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔''
اُم جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دیا کرتی تھی۔
پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔ اس روز اُم جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے سے کہا۔
''کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینار نہیں ملے؟''
اندھے نے کہا۔
''مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔''
اُم جعفر نے کہا۔
''اللہ کا فضل طلب کرنے والے کامیاب ہیں اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔''
حسن رضا، سرگودھا

''سوچ ریزے''

☆ یہ محبت بھی کتنی اداس کر دینے والی چیز ہے۔ مہربان ہوتی ہے تو ساری دنیا دامن میں لا ڈالتی ہے اور چھن جاتی ہے تو زندگی کی تمام بہاریں، تمام رنگ، تمام خوشبوئیں، تمام خواب اپنے ساتھ سمیٹ کر لے جاتی ہے۔
☆ یادیں آب حیات لئے ہوتی ہیں شاید اسی لئے کبھی نہیں مرتیں اور ہمیشہ ہمارے ذہن کے گنبد پر روشنی بن کر چمکا کرتی ہیں تکلیف دہ یادوں سے دستبردار ہونا اچھا لگتا ہے لیکن وہی ہمارے دل و دماغ سے آسیب کی مانند چمٹ جاتی ہیں۔
☆ رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے، اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنے کہ آبگینے، ذرا سی ٹھیس لگی تو ٹوٹ گئے بدگمانی سے سر ابھارا تو چکنا چور ہو گئے۔ پھر ان پر کیسا فخر کیا اعتماد، کیسا مان؟
☆ جن سے محبت کی جائے وہ جسم کی پور پور میں بس جاتے ہیں ان کے سوا کچھ اچھا نہیں لگتا، انہیں اپنے سے جدا کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے اپنے جسم کا کوئی حصہ، کوئی عضو الگ کر دیا جائے۔
عابد محمود، ملکہ ہانس

کام کی باتیں

۱۔ راستہ میں تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی نیکی ہے۔
۲۔ نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔
۳۔ زبان سے شکوہ شکایات روک لو تو خوشی کی زندگی میسر ہو گی۔
۴۔ موت سے محبت کرو تو زندگی عطا کی جائے گی۔
۵۔ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔
۶۔ تعلیم یافتہ شخص اور غیر تعلیم یافتہ شخص میں وہی فرق ہے جو زندہ اور مردہ میں۔
۷۔ زمین کے سفر میں اگر آسانی ہے تو وہ محبت ہے۔
۸۔ علم ڈگریوں یا نوکریوں کے لئے نہیں بلکہ ذہن کی اصلاح کے لئے حاصل کرو۔
۹۔ دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے علم کا بھوکا اور دولت کا بھوکا۔
۱۰۔ انسانوں سے محبت کرنا بھی دراصل خدا سے

محبت کرنا ہے۔
۱۱۔ دوستی خوبصورت چہروں سے نہیں کرو کیونکہ یہ اکثر دل کے کالے ہوتے ہیں۔
۱۲۔ نیکی ایک ایسی شمع ہے جو دوست اور دشمن دونوں کے گھر میں اجالا کرتی ہے۔
۱۳ دوسروں کے سینے سے شر اس وقت دور کر کہ پہلے تو اپنے سینے کی صفائی کر۔
۱۴ ہمیشہ مسکراتے رہو زندگی خود بخود خوبصورت ہو جائے گی۔
۱۵ ہماری غلطیاں ہمیں وہ تعلیم دیتی ہیں جو کسی مکتب میں نہیں ملتی۔
۱۶۔ زمین کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔
۱۷ شارٹ کٹ راستہ کبھی کبھار بہت طویل ہو جاتا ہے۔
۱۸ دریا کے پانی اور آنکھ کے پانی میں صرف فرق جذبات کا ہے۔
۱۹۔ دوست کو نصیحت اکیلے میں کرو تعریف سب کے سامنے کرو۔
۲۰ دوست کو اتنا مت آزماؤ کہ وہ تمہیں ازمائش میں ڈال دے۔
۲۱۔ ہمارا آج کا عمل کل کے لئے تاریخ ہے۔
شازیہ، مظفر آباد

دین اخلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم سب میں مجھ کو زیادہ محبوب اور آخرت میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم سب میں مجھ کو زیادہ برا لگنے والا اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور رہنے والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق برے ہوں۔'' (بہشتی زیور)
سعدیہ عمر، ملتان

کچھ کام کی باتیں

☆ جب بھی بولو، اچھا بولو۔
☆ زبان سے کچھ بھی ایسا نہ بولو، کہ جس سے دوسرے انسان کا دل زخمی ہو۔
☆ یہ بات یاد رکھیں۔ جب آپ دوسروں کے عیب چھپاؤ گے۔ تو کوئی آپ کے عیب بھی چھپائے گا۔
☆ ہمیشہ زبان کو اچھی باتوں کے لئے استعمال کرو۔
☆ ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ بولنے سے گناہوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
اُم حانی، سرگودھا

محبت کیا ہے

۱۔ محبت اس چیز کا نام ہے جو کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔
۲۔ محبت پیار کے سوا کچھ نہیں مانگتی۔
۳۔ محبت ایک واحد ایسی چیز ہے امیری اور غریبی کا فرق مٹا سکتی ہے۔
۴۔ محبت کا مطلب کسی چیز کا حاصل کرنا نہیں۔
۵۔ محبت اگر خریدی جاتی تو امیر دولت مندا سے خرید لیتے۔
۶۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو خود دل میں پیدا ہوتا ہے۔
۷۔ محبت انسان سے بھی کی جاتی ہے اور خدا اور اس کے رسولؐ سے بھی۔
۸۔ محبت دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا لفظ ہے۔
۹۔ محبت ہمیشہ قربانیوں سے پروان چڑھتی ہے۔
۱۰۔ محبت روح کا گلاب ہے جو گناہ کی دھوپ میں مرجھا جاتا ہے۔
۱۱۔ سچی محبت کا رشتہ خداوندی ہے۔
۱۲۔ محبت کی کوئی منزل نہیں اس کی ابتدا اور انتہا ایک ہے۔

۱۳ محبت ایک ایسی جھیل ہے جس کے کنارے بیٹھ کر تم نظارے کرو۔
۱۴ محبت کی غذا صرف اور صرف پیار ہے۔
۱۵ محبت زندگی ہے۔

حسن خان، ملتان

قیامت کی نشانیاں

دین کے لئے مشکلات کا پیش آنا نیک لوگوں کی کمی مساجد پر فخر، کرائے گواہ پیسوں کا حلف زمانہ بوڑھا ہو جائے گا عرب کی تباہی چاند کا وقت سے پہلے حرام کو ہلال جاننا۔

عورتیں نوکریاں کریں گی، عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی۔ کافر قوموں کا مسلمانوں پر حاوی ہونا۔ بیوی کی فرمان برداری بلند عمارتوں پر فخر کرنا۔ ہم جنس پرستی کا رجحان دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ حالات بدترین ہو جائیں گے اور گھر گھر ناچ گانا ہوگا۔

عافیہ اسد، فورٹ آباد

عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی دعا

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا کرتے "یا اللہ میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں عذاب قبر سے اور عذاب جہنم سے، زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔" (بخاری شریف)

انشراح نیازی، کراچی

حکمت کی بات

ایک شخص امام شعبی رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھا رہتا۔ کسی نے بھی کبھی اسے بولتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بس خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھا رہتا اور دانائی کی باتیں سنتا رہتا۔

ایک دن امام شعبیؒ نے اس سے کہا۔

"بھئی کیا بات ہے، تم بولتے کیوں نہیں؟"

اس پر اس شخص نے جواب دیا۔

"میں چپ رہتا ہوں تو ہر طرح کی خرابی سے دور رہتا ہوں۔ امن میں رہتا ہوں اور سنتا رہتا ہوں تو مجھے علم حاصل ہوتا رہتا ہے۔ جو کچھ انسان کانوں سے سنتا ہے وہ اس کا ہوتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے نکالتا ہے وہ دوسروں کا ہوتا ہے۔"

نویدہ قدیر، اسلام آباد

مہکتی کلیاں

☆ جب تمہیں کسی نیکی سے خوشی ہو اور گناہ ہو جانے پر تکلیف ہو تو یہ تمہارے ایمان کی علامت ہے۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

☆ ہزاروں دوستوں کی دوستی کو ایک شخص کی عداوت کے بدلے نہ خریدو۔ (امام شافعی)

☆ محبت، دوستی اور احترام لوگوں کو آپس میں اتنا متحد نہیں کرتے جتنا کسی چیز سے نفرت انہیں متحد کر دیتی ہے۔ (چیخوف)

☆ جو عیب سے واقف کرے وہ دوست ہے اور منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے۔ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ سب کے سامنے کسی کو نصیحت کرنا ایک طرح کی ملامت ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

☆ مجھے اس آزاد انسان کی زندگی پر رشک آتا ہے جو دولت اور زمین کے بغیر خوش رہتا ہے۔ (خوشحال خان خٹک)

☆ غصہ ہمیشہ حماقتوں سے شروع ہوتا ہے اور ندامتوں پر ختم۔ (ارسطو)

حوریا صنم، بہاولپور

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

عابد محمود ---- ملکہ ہانس
کیسے فرار حاصل کروں میں تیری یادوں سے
اس شہر کے ہر فرد کی زباں پہ ہے ذکر تیرا

....

پھر وہی زخم ابھر آئے جو بھر چلے تھے
آج پوشیدہ سے کچھ خط کتابوں میں ملے تھے

....

وہ کہہ رہا تھا میں لوٹ آؤں گا ایک دن انتظار کرنا
وہ ہجر جھل میں رفاقتوں کے سراب دے کر چلا گیا

امان اللہ انجم ---- ربوہ
تمہارے ہجر میں یہ حال ہو گیا ہے اپنا
کسی کا خط ہو اسے بھی سنبھال رکھتے ہیں
خوشی ملے تو تیرے بغیر خوش نہیں ہوتے
ہم اپنی آنکھ میں ہر دم ملال رکھتے ہیں

....

تیرا خیال، تیری طلب، تیری آرزو
اک بھیڑ سی لگی ہے میرے دل کے شہر میں
دنیا کی نعمتیں تو یہاں دستیاب ہیں
تیری ہی اک کمی ہے میرے دل کے شہر میں

فریدہ فری ---- لاہور
کبھی یوں بھی آ میری آنکھ میں کہ میری نظر کو خبر نہ ہو
مجھے ایک رات نواز دے مگر اس کے بعد سحر نہ ہو
میرے بازوؤں میں تھکی تھکی ابھی خواب سی یہ چاندنی
نہ اٹھے ستاروں کی پالکی ابھی بے چراغ یہ گھر نہ ہو

محمد سعید نوئی ---- عارف والا
ہم اہل وفا حسن کو رسوا نہیں کرتے
پردہ بھی جو الٹے رخ سے تو دیکھا نہیں کرتے
کر لیتے ہیں دل اپنا تصور سے ہی روشن
ہم مانگے کے چراغوں سے اجالا نہیں کرتے
درد الفت نے کھول دیئے سعید سب راز ورنہ
زبان کو تالا تو میں نے بھی لگا رکھا تھا

....

مہکتی پلکوں کی اوٹ میں کوئی تارا چمکا تھا رات میں
میری بند مٹھی نہ کھولئے وہی کوہ نور ہے ہاتھ میں
میں تمام تارے اٹھا اٹھا کر غریبوں میں بانٹ دوں
کبھی ایک رات وہ آسمان کا نظام دے میرے ہاتھ میں

فوزیہ غزل ---- رسالہ شیخوپورہ
جہاں بھی ہو چلے آؤ تمہیں یادیں بلاتی ہیں
تمہارے ساتھ گزری تھیں جو شامیں بلاتی ہیں
یہ نہ سمجھو تمہارے بن کسی کا دل نہیں روتا
کسی کی آج بھی تم کو اداس آنکھیں بلاتی ہیں

....

وقفے، وقفے سے ستاتا رہا تیرا پیکر
مجھ کو اک بات بتانے میں بڑی دیر لگی
یوں تو جیون میں تغیر کوئی ایسا بھی نہ تھا
پھر بھی معمول پہ آنے میں بڑی دیر لگی

....

بے کار خیالوں سے لپٹ کر نہیں دیکھا
کچھ بھی ہوا، ہم نے پلٹ کر نہیں دیکھا
اس ڈر سے کہ کٹ جائیں نہ بینائی کے رشتے
آنکھوں نے تیری راہوں سے ہٹ کر نہیں دیکھا

آشمہ انور ---- ساہیوال
یہ سوچ کر گرگہ وہ ہو گا کسی اور کے پہلو میں
گزار کے کبھی دیکھو، ہزار سال کی رات

گرآباد

اک شخص مجھ کو زخم جدائی دے گیا
جب دے نہ سکا پیار تو رسوائی دے گیا
جاتے وقت اپنی نشانی کے طور پر
مجھے کتنے خلوص سے تنہائی دے گیا
محمد ندیم ساجد ---- پاکپتن شریف

آنکھ میں آنسوؤں کی طرح
پھول میں خوشبو کی طرح
تم میرے دل میں ہوتے ہو
دل میں دھڑکنوں کی طرح

....

جانے والے تجھے کس طرح بتائے کوئی
زندگی کتنی ادھوری تیرے جانے سے رہی

....

تم لمحوں کا حساب رکھتے ہو
زندگی کی کتاب رکھتے ہو
فرصت ملے تو لکھنا کبھی
کیا میرا دھیاں رکھتے ہو

....

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل سوال مگر تیری زندگی کا تھا
رابعہ خضر ---- لاہور

پیار ہو جائے تو بھلایا نہیں کرتے
کسی کو اتنا ستایا نہیں کرتے
ہواؤں سے دوستی کرکے انجم
ریت کے گھر بنایا نہیں کرتے

....

میری نیند میں میرے سپنے اڑا کر چلا گیا
اک شخص مجھ کو چرا کر چلا گیا
محبت کا اظہار اس نے اس طرح کیا
پھول میری کتاب میں چھپا کر چلا گیا
محمود سجاد پرنس ناز ---- پاکپتن شریف

مجھ سے جدا ہو کر سانس لے رہے ہیں ہم
تیری زلف کو چھو کر آنے والی ہوا کی خاطر
تیری بے رخی نے سمجھا دی یہ بات پرنس کو
خشک نہ رکھنا خیر کی مٹی کسی کے آنسوؤں کی خاطر
فریدہ فیض ---- سیالکوٹ

وہ بھرے شہر میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھتا نہیں
دل جو اک دوست تھا مگر وہ بھی
چپ کا پتھر ہے بولتا ہی نہیں

....

محبت کے ہر جذبے سے وہ انکار کرتا ہے
وہ خو نفرت ہے اور نفرت کا کاروبار کرتا ہے
اسے گر موت پیار ہے تو وہ مر کیوں نہیں جاتا
وہ سارے شہر کو جینے سے کیوں بیزار کرتا ہے
صدف ہما ---- خانیوال

کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہرباں خدا ہو جائے

....

ارمان تڑپتے رہے ساحل کے آس پاس
شاید میرے یقیں کی کشتی الٹ گئی

....

اسی آسماں کی چھت تلے
میرا آشیاں بھی اڑان بھی
تیری چشم خوش کی پناہ میں
میرے خواب بھی میرے مان بھی
کرن شفیق ---- کراچی

ہم سے تو بہت اور بھی مل جائیں گے تم کو
ہے بات بس اتنی سی کہ نایاب یہ دل ہے

....

جشن وصال کی لاکھ سبیلیں اور نجوگ ہزار

یک مجھے بس تو نہیں ملتا، ویسے لوگ ہزار
بھیس بدل کے جوگی والا، گاتا پھرے فرحت
خلق میں روگ ہزار او سائیں عشق میں روگ ہزار

....

آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ ان کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں
...یدہ ریاض ---- کراچی

...تی تھی جس وجود کی قربت کو عمر بھر
... مل گیا تو اور بھی تنہائی بڑھ گئی

....

...را خیال، تیری طلب، تیری آرزو
...ک بھیڑ سی لگی ہے میرے دل کے شہر میں
...یا کی نعمتیں تو یہاں دستیاب ہیں
...یری ہی اک کمی ہے میرے دل کے شہر میں

....

... تو خدا ہے سو پوری کرے گا آرزو
...ک تو پتھروں سے بھی پا لیتے ہیں مرادیں
...زیہ ثمر ---- گجرات

...ں ہجر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی
... کیا ہوا کہ صبح تلک جان بھی نہ تھی
...ی رہی اگر تو میں مجبور تھی بہت
... رات کاٹنی کوئی آسان بھی نہ تھی

....

...د کو سبز ہی رکھا، آنسوؤں کی بارش میں
...نہ ہجر کا موسم کس کو راس آتا ہے

....

...تھا نہیں تنہائی میں تم نے کبھی اس کو
...کھرے ہوئے لوگوں کو وہ رویا بھی بہت ہے
... تجھ کو یقین تھا محبت پہ نہ وفا پہ
... دکھ میری تقدیر میں لکھا بھی بہت ہے
... آر، کے ---- مظفر گڑھ

اداسی راس ہے نا اس لئے بھی

ہمیں اجڑا شہر اچھا لگتا ہے

....

سات رنگوں سے کھیلنے والا
اک نیا رنگ ابھار سکتا ہے
زلف ہو یا غریب کی قسمت
دوسرا کب سنوار سکتا ہے

....

پھول کھلتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں
تیرے آنے کے زمانے آئے
سعدیہ عثمان ---- سیالکوٹ

اگرچہ جدائی تیری مجھ کو گوارہ نہیں ہے
سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے

....

روشن روشن لفظوں میں ذاتیں ادھوری رہ جاتی ہیں
ظرف کے سارے قصوں میں ماتمیں شعوری رہ جاتی ہیں
عجیب ہوں میں اور عجیب لفظوں کی دنیا ہے
اکثر جو کہنی ہیں وہ باتیں ضروری رہ جاتی ہیں

....

تعلق کرچیوں کی شکل میں بکھرا تو ہے پھر بھی
شکستہ آئینوں کو جوڑ دینا چاہتے ہیں ہم
ثمرن ---- کبیر والا

تم نے دیکھی ہے جو باہر سے ضیاء کچھ اور ہے
جل رہا ہے میرے اندر دیا کچھ اور ہے
جاگتا ہے یوں تو شب بھر ایک چوکیدار بھی
ہجر کے ماروں کا لیکن رتجگا کچھ اور ہے

....

یہ دل ملنے کی شہر یار میں ضد باندھ لیتا ہے
کہ بچہ جس طرح بازار میں ضد باندھ لیتا ہے
اسے کیسے بتاؤں لڑکیاں خود کچھ نہیں کہتیں
وہ میرے انکار میں ضد باندھ لیتا ہے
نمرا امین ---- کراچی

اہل دنیا کی ہوس خیز نگاہوں سے کہو

میں نہیں پیار کا احرام بدلنے والی
چل پڑی ہے جو ہوا اس کو دھواں کر دے گی
دیپ کی لو ہے سر بام بدلنے والی

....

اسے گنوا کے میں خود میں بکھر گیا طالب
وہ اک شخص تو ہر پل تھا آئینہ میرا

....

تھے کیسے کیسے لوگ جو مل کر بچھڑ گئے
یاد آئے آج آپ کی تصویر دیکھ کر
رضا فاطمہ ---- سادھوکے

تو نے تو عشق کی انتہا کر دی
میری ساری عمر ہی قضا کر دی

....

عشق بھی کرتے ، دنیا داری بھی کر لیتے
تیری طرح ہم یہ مکاری بھی کر لیتے

....

کہنے کو اس سے عشق کی تفسیر ہے بہت
پڑھ لے تو صرف آنکھ کی تحریر ہے بہت
بیٹھا رہا وہ پاس تو میں سوچتی رہی
خاموشیوں کی اپنی بھی تاثیر ہے بہت
بینش شفیق ---- کراچی

تجھ سے تو دل کے پاس ملاقات ہو گئی
میں خود کو ڈھونڈنے کے لئے دربدر گیا

....

یہ تو صرف ظرف کی بات ہے کوئی سمیٹے رکھتا ہے کس طرح
کہ جتنے دکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے
ارم ناز ---- کوٹ رادھا کشن

کام آئیں شوخیاں نہ اداکار گر ہوئی
جو بات تھی تمہاری وہی بے اثر ہوئی
خلوت میں جا کے ہنس دیے کیا اس سے فائدہ
صحرا میں پھول کھل گیا کس کو خبر ہوئی

....

وہ ہنس دیے تو ستارے بکھر گئے ہر سو
وہ رو دیے رات مشک بو نہ ہوئی
وہ چل دیے تو کئی داستانیں چھوڑ گئے
وہ مل گئے تو کوئی بات روبرو نہ ہوئی
فریحہ امید چوہدری ---- گوجرانوالہ

اپنی باتوں میں کسی کے حوالے رکھنا
ہم سے بچھڑے ہو ذرا خود کو سنبھالے رکھنا
لوگ پوچھیں گے کیوں پریشان ہو
آنکھوں سے بھی جو کہو ہونٹوں پہ تالے رکھنا

....

قدم قدم پر ہواؤں سے رابطہ رکھنا
خزاں کی رت میں بہاروں کا آسرا رکھنا
ہماری یاد کی خوشبو ضرور آئے گی
تم اپنے دل کا دریچہ ذرا کھلا رکھنا

....

تمہیں کو چاہتے ہیں تمہیں سے پیار کرتے ہیں!
یہی برسوں سے عادت ہے اور عادت کب بدلتی ہے
نائلہ تبسم ---- دھوریہ

کچے گھڑے نے جیت لی ندی چڑھی ہوئی
مضبوط کشتیوں کو کنارا نہیں ملا

....

میرے ماحول پہ سورج کا کڑا پہرہ ہے
چھاؤں دیکھوں بھی تو آنکھوں میں جلن ہوتی ہے

....

زلزلے جو لاتا ہے ، جانتا وہ بھی ہے
لوگ کتنی مشکل سے اک مکاں بناتے ہیں
ٹوٹ کر بکھرنے کا دکھ بھی جانتے ہیں ہم
باوجود اس کے ہم آشیاں بناتے ہیں
ثمن حنا ---- کوٹ عبدالمالک

تیری یاد کیوں آتی ہے رات کو
جب ہم سونے کی کوشش کرتے ہیں

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

ون ڈے

ٹی وی پر چل گیا ہے کرکٹ کا جو چلن
ہر شخص محو دید ہے دلہا ہو یا دلہن
اک مولوی سے پوچھا جو حوروں کا بانکپن
داڑھی کھجا کے بولے ! ہنڈرڈ فار ون
میں نے کہا یہ وقت ہے حق کی اذان کا
بولے کہ میں تو فین ہوں عمران خان کا
اک شعر گھر گھر میں بیٹھ کے کہنا محال ہے
بچوں کا ذکر کیا ہے ، یہ بیگم کا حال ہے
پوچھا کسی نے آپ کے "وہ" ہیں مکان پر
بولیں وہ کیچ ہو گئے کب کے "مڈ آن" پر

امان اللہ انجم، ربوہ

انمول موتی

☆ کردار وہ مالا ہے۔ جس کا ایک موتی بھی ٹوٹ جائے تو مالا بکھر جاتی ہے۔

☆ کتنا عظیم ہے وہ شخص جو اپنے غم سینے میں چھپائے رکھتا ہے اور زندگی بھر مسکراتا رہتا ہے۔

☆ اس دنیا میں واحد طریق زندہ رہنے کا یہ ہے۔ کہ انسان دوسروں کی غلطیاں بھول جائے۔

☆ شرافت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ شریف کسی کو دکھ نہیں دیتا۔

☆ آنسو کمال کی چیز ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں بہت شفاف نظر آتے ہیں حالانکہ پتہ نہیں ہوتا کتنا جھوٹ کتنا پچھتاوا اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہے ہوتے ہیں۔

نازیہ صدیق، قصور

ہنسنا منع ہے

دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نے کہا "اگر تم سامنے والی دکان سے کوئی چیز چرا کر لاؤ میں پانچ سو روپیہ تمہیں دوں گا۔"
وہ آدمی گیا اور فوراً گھی کا ڈبہ لے آیا۔
دوسرے نے کہا۔
"تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا میں پولیس والا ہوں۔"
دوسرے نے کہا۔
"کہ آپ کو زیادہ دکھ ہوگا میں اس دکان کا مالک ہوں۔"

صائمہ بٹ، خانیوال

نہلے پہ دہلا

ایک آدمی بلی کو نہلا رہا تھا۔ دوسرا آدمی ادھر سے گزرا تو کہنے لگا۔
"اس کو نہلاؤ نہیں یہ مر جائے گی۔"
وہ کہنے لگا۔
"نہیں مرتی۔"
تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی دوبارہ گزرا تو دیکھا بلی مر گئی تھی۔ کہنے لگا۔
"کہ میں نے کہا تھا ناں یہ مر جائے گی۔"
وہ آدمی بولا نہلانے سے نہیں یہ نچوڑنے سے مری ہے۔"

سعیدہ ریاض، لیہ

گھر پر

ایک بھوکا لڑکا دروازے پر چلا رہا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ اللہ کے نام پر روٹی دے دو۔ تو

اندر سے آواز آئی مالکن نہیں ہے یہ سن کر لڑکا چلایا میں روٹی مانگ رہا ہوں مالکن نہیں۔

محبِ وطن

ایک شخص کئی سالوں بعد وطن واپس آیا جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے وقت وہ زمین پر سجدے کی حالت میں گر پڑا اور زمین چومنے لگا۔ سامنے کھڑے سپاہی نے اس کی حالت دیکھی تو دل میں سوچا کہ کتنا اچھا شخص ہے اس کو وطن کی مٹی سے کتنی محبت ہے کہ وطن پہنچتے ہی سب سے پہلے یہاں کی مٹی چوم رہا ہے۔ سپاہی آگے بڑھا اور گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔

''آپ بہت محبِ وطن ہیں میں آپ کی حب الوطنی کو سلام کرتا ہوں۔''

اس شخص نے غصے سے کہا۔

''تم پہلے یہ بتاؤ کہ سیڑھیوں پر کیلے کا چھلکا کس نے پھینکا تھا۔''

شازیہ محبت، کراچی

بہار کے رنگ

ایک صاحب کی کسی دوسرے شہر میں شادی ہونے والی تھی کہ اتفاق سے وہ اسٹیشن پر سو گئے اور گاڑی چھوٹ گئی جب آنکھ کھلی تو بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ سیدھے گھر پہنچے اور اپنی ہونے والی بیوی کو فون پر کہا۔

''کہ جب تک میں نہ آؤں تم شادی مت کرنا۔''

☆

ایک بہت موٹی عورت نے رکشے والے سے کہا۔

''مجھے اسٹیشن تک چھوڑ دو۔''

رکشے والا بولا۔

''چھوڑ تو دوں گا مگر دو چکر لگیں گے۔''

☆

ماسٹر صاحب نے ایک لڑکے سے کہا۔

''بتاؤ تمہاری مادری زبان کون سی ہے؟''

لڑکا معصومیت سے بولا۔

''جناب! میری ماں گونگی ہے۔''

فیصل اقبال، شاہدرہ لاہور

بہانہ

کمپنی کے مالک ذیشان نے ایک دن اپنے ملازم ارسلان کو بلایا اور غصے میں کہا۔

''میں نے پچھلے تین سال میں خاص طور پر یہ بات نوٹ کی ہے کہ تم جب بھی اپنی بیوی کی بیماری کا کہہ کر کمپنی سے چھٹی لے کر جاتے ہو تو اس دن ضرور کوئی کرکٹ میچ ہوتا ہے۔''

ارسلان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میری بیوی بیماری کا بہانہ کرتی ہے۔''

فضول خرچی

''حمزہ تم کچھ پڑھ رہے ہو؟'' کنجوس باپ نے شاہ خرچ بیٹے سے پوچھا۔

''نہیں پاپا جی۔'' بیٹے نے مختصر جواب دیا۔

''کیا تم کچھ لکھ رہے ہو؟'' باپ نے پھر دریافت کیا۔

''نہیں پاپا! میں کچھ سوچ رہا ہوں۔'' حمزہ نے جواب دیا۔

''تو پھر خدا کے لئے چشمہ اتار دو۔ تمہاری یہ فضول خرچی کی عادت کسی دن مجھے دیوالیہ کر دے گی۔'' کنجوس باپ نے دھاڑ کر کہا۔

مدیحہ اقبال، کاموکی

سیر پہ سوا سیر

اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندے کو اپنے بیٹے کی فضول خرچی سے بہت شکایت تھی آخر ایک روز اپنے بیٹے سے اس نے کہا۔

''اب آئندہ میں تمہیں ایک روپیہ نہیں دوں گا کیا سمجھے؟''

''مگر کیوں ڈیڈی؟'' لڑکا حیرت سے چیخا۔

باپ نے خفگی سے کہا۔

''اس لئے کہ تم آج سے میرے لئے مر چکے ہو۔''

بیٹے نے سر جھکا کر کہا۔

''تو ڈیڈی کفن دفن کے لئے تو کچھ رقم دے دیں۔''

نوزیہ غزل، شیخوپورہ

شکست

یہ بے پناہ خواہشیں
یہ سوچوں کے لامتناہی سلسلے
یہ جذبات، یہ احساسات
وہ ساتھ گزرے
چند لمحات
میری بے چینی بڑھا دیتے ہیں
آ جاؤ تم اک بار
تا کہ میں
اپنی شکست تسلیم کر لوں

عابد محمود، ملکہ ہانس

مددگار

ایک تاجر اپنی کار میں ایک گاؤں سے گزر رہا تھا اس نے راستے میں کسان کو روک کر پوچھا۔

''آپ کو معلوم ہے کہ چک نمبر ۴۴ کی طرف کون سا راستہ جاتا ہے۔''

کسان نے جواب دیا۔

''میں شرمندہ ہوں مجھے نہیں معلوم۔''

یہ جواب سن کر تاجر آگے بڑھ گیا جب وہ وہاں سے تھوڑی دور نکل آیا تو اسے پیچھے سے آوازیں دیں اس نے دیکھا کہ دو آدمی ہانپتے کانپتے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی طرف بھاگے چلے آ رہے ہیں اور ان میں سے ایک وہی کسان تھا۔

''کیا بات ہے؟'' تاجر نے کسان سے پوچھا۔

''یہ میرا دوست اللہ دتہ ہے۔'' کسان نے جواب دیا۔

''میں نے اس سے پوچھا تھا لیکن اسے بھی چک نمبر ۴۴ کا راستہ معلوم نہیں۔''

توبیہ احسن، احمد پور شرقیہ

قدردان

تجریدی آرٹ کی نمائش میں ایک اداکار اور اس کی اداکارہ بیوی نے ایک تصویر خاصے مہنگے داموں خریدی اور اسے لے جا کر اپنے ڈرائینگ روم میں لگا دیا۔ اگلے دن آرٹسٹ اس جوڑے کا شکریہ ادا کرنے ان کے گھر پہنچا تو دیوار پر اپنی تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اس کی تصویر الٹی لگی ہوئی تھی۔

ثناء حسن، پشاور

آمدنی

ایک پلمبر نے نل درست کر کے وکیل صاحب کو اپنا بل تھما دیا۔ بل دیکھ کر وکیل صاحب چراغ پا ہو گئے۔

''تین سو روپے فی گھنٹہ خدا کی پناہ، میں تو دن بھر میں بھی اتنی رقم نہیں کماتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' پلمبر نے پورے خلوص سے جواب دیا۔

''وکالت میں میرا بھی یہ ہی حال تھا، لیکن اب خدا کا شکر ہے۔''

موناریس، کراچی

انکشاف

آزادیٔ نسواں کی علمبردار ایک خاتون نے تقریر کے دوران کہا۔

صائمہ محمود

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک نظم
"بددعا"

بہت عرصے سے سنسان ہے اب تو
روشن تھا جو رستہ ویران ہے اب تو
ہاں کبھی بے در و دیوار یہ گھر بھی بجتا تھا
ٹوٹی منڈیروں پہ اک دیا بھی جلتا تھا
نرم گھاس کے بستر پر لیٹی
کھلے آسمان کو دیکھتی
نازک کومل سی لڑکی
کہکشاں سے کرنیں چنتی تھی
کسی کے آنے کے خواب بنتی تھی
دیئے کی گھٹتی بڑھتی لو سے
سمٹتا سکڑتا تھا دل اس کا
کے بنتے لمحے کی آس میں تھی
خود تراشے ہوئے بن باس میں تھی
ماہ و سال گزرتے جاتے تھے زندگانی میں
نشان کے بےلمس ہونٹوں نے
اسم وہ دیا ہے کہ
رات کی کالی آنکھوں سے
ہجر کا اندھیرا نہیں چھٹتا
گھنی پلکوں کے سائے میں
کوئی خواب نہیں بکتا
مدتیں گزریں کہ ان منڈیروں پر
دیا اب نہیں جلتا

حنا احمد: کی ڈائری سے ایک غزل

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں، اب ہجر کی کوئی رات نہیں
مشکل ہیں اگر حالات وہاں دل بیچ آئیں جاں دے آئیں
دل والو کوچۂ جاناں میں کیا، ایسے بھی حالات نہیں
جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں
میدان وفا دربار نہیں، یہاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں
گر بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا، ہارے بھی تو بازی مات نہیں

عابد محمود عابد: کی ڈائری سے کی نظم
"عہد و پیمان"

تم نے کہا تھا
مجھ سے بچھڑ کے مر جاؤ گے
اور میں بھی سوچا کرتی تھی
تم نہ ملے تو جی نہ سکوں گی
دیکھو، ہم کو بچھڑے کتنی صدیاں بیتیں
لیکن ہم تو مر نہیں پائے
دیکھو، ہم دونوں زندہ ہیں
شاید
ہم دونوں جھوٹے تھے

رابعہ خضر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
"محبت کچھ نہیں دیتی"

محبت کچھ نہیں دیتی روایت کے اسیروں کو
سوائے خاموشی کے جو رگوں میں بہتی ہے
سوائے ایک ویرانی
جو دل پہ چھائی رہتی ہے
سوائے درد رسوائی
جو چاروں سمت ہوتی ہے

"برسوں تک مجھے یہ نہیں پتہ چل سکا کہ میرا شوہر اپنی شامیں کہاں گزارتا ہے۔ آخر ایک روز میں کلب سے ذرا جلدی گھر پہنچی تو پتہ چلا کہ وہ تو مجھے طعنے دینے کے لئے گھر پہ ہی موجود رہتا ہے۔"

سدرہ سحر عمران، کراچی

مسکراتی کرنیں

رات اک لخت جگر منیجر کے گھر پیدا ہوا
واں بجائے شادمانی شور و شر پیدا ہوا
ساتھ برخوردار کے روتا تھا اس کا باپ بھی
اور کہتا تھا کہ کیوں اے بے خبر پیدا ہوا!
میں مخالف، ماں مخالف اور حکومت بھی خلاف
دشمن منصوبہ بندی کیوں مگر پیدا ہوا!
میں تو پیداوار ہوں سستے زمانے کی مگر
تو بتا اس دور میں کیا سوچ کر پیدا ہوا
اس دفعہ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تمہیں
مار ڈالوں گا اگر بار دگر پیدا ہوا!

کومل، کبیر والا

عینک

امپائر نے ایک کھلاڑی کو ایل بی ڈبلیو دے دیا۔

کھلاڑی بہت خفا ہوا اور پویلین کی طرف واپس جاتے ہوئے سفید کوٹ والے شخص سے مخاطب ہوا۔

"جس طرح تم نے مجھے ایل بی ڈبلیو دیا ہے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہیں عینک کی ضرورت ہے۔"

"عینک کی ضرورت تمہیں بھی ہے۔" سفید کوٹ والے نے جواب دیا۔

"کیونکہ میں امپائر نہیں آئس کریم بیچنے والا ہوں۔"

قیمت

اسٹاک ایکسچینج میں نیا خودکار نظام نصب کیا گیا۔ جس پر فون کر کے کسی بھی کمپنی کے شیئرز کی تازہ ترین قیمت معلوم کی جا سکتی تھی۔

"ایک صاحب نے اس سسٹم کا نمبر ڈائل کیا۔ تو فوراً ہی ریکارڈ شدہ آواز سنائی دی۔"

"آپ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" جواب دینے سے پہلے ان صاحب کو چھینک آئی۔

فوراً ہی ریکارڈ شدہ آواز پھر آئی۔

"ڈسپرین بنانے والی کمپنی کے شیئرز کی قیمت چھ پیسے بڑھ گئی ہے۔"

سعدیہ سرور، دیپالپور

سودوزیاں

ریس کھیل کھیل کر وہ بالکل قلاش ہو چکا تھا آخر اس نے بک میکر سے ہی سو ڈالر لے کر ایک ریس میں لگائے اور وہ بھی ہار گیا دوسرے روز وہ پھر کہیں سے ادھار پکڑ کر ریس کھیلنے پہنچا تو بک میکر نے اپنے سو ڈالر کا مطالبہ کیا۔

"وہ تو میں ابھی نہیں دے سکتا دوست!"

ریس کے رسیا نے غمزدہ لہجے میں جواب دیا۔

"میری بیوی کے پاس کہیں سے سو ڈالر آئے تھے لیکن وہ اس احمق عورت نے گھر کا کرایہ ادا کرنے، دودھ والے کا حساب چکانے اور بچوں کی فیس ادا کرنے میں ضائع کر دیے۔"

زینب صدیقی، کوٹ چھٹہ

جہنم

جو کہتی ہے دنیا وہ سچ ہے اے بیگم
کہ میں تیرے زیر اثر آ گیا ہوں
کہا باس نے جب جہنم میں جاؤ
تو دفتر سے سیدھا ہی گھر آ گیا ہوں

فوزیہ غزل، شیخوپورہ ☆☆☆

سوائے ایک اذیت جو ساری عمر رہتی ہے
ہم اپنا سرا اٹھا کے چل نہیں سکتے
گناہ کرتے نہیں پھر بھی گناہ گاروں میں شامل ہیں
روایت کے اسیروں کو محبت کچھ نہیں دیتی
محبت کچھ نہیں دیتی

طیبہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل

فرقت کے پڑے ہم پہ جو اثرات نہ پوچھو
جو کہنے سے قاصر ہوں وہی بات نہ پوچھو
کچھ رکھ لو بھرم میرا ندامت سے بچالو
یوں بزم میں مجھ سے مری اوقات نہ پوچھو
مر جائیں گے توہین محبت نہ کریں گے
کیا اہل وفا کی ہیں رسومات نہ پوچھو
وہ چاہے تو بے ساغر و مینا ہی پلا دے
یارو میرے ساقی کی کرامات نہ پوچھو
آنکھوں کے تو ساون کو سبھی دیکھ رہے ہیں
سینے میں ہے جو تندی برسات نہ پوچھو

رضا فاطمہ: کی ڈائری سے ایک نظم

''جدائی''

ہم ملے تو
برسوں جدائی ملی
قسمت نے ہمیں پھر سے ملایا
تو سدا جدائی ملی
چلو آج مل کر مسکرائیں
اور کہیں
کہ ہم نے اک خوبصورت سا
سپنا دیکھا
صرف اک سپنا دیکھا

صائمہ محبوب: کی ڈائری سے ایک نظم

ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کبھی آباد تو ہو
اس جھیل کنارے پل دو پل
اک خواب کا نیلا پھول کھلے
وہ پھول بہاریں لہروں میں
اک روز ہم بھی شام ڈھلے
اس پھول کے بہتے رنگوں میں
جس وقت چاند چلے
اس وقت کہیں ان آنکھوں میں
اس برے پل کی یاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو
پھر چاہے عمر سمندر کی
ہر موج پریشان ہو جائے
پھر چاہے آنکھ دریچے سے
ہر خواب گریزاں ہو جائے
پھر چاہے پھول سے چہرے کا
ہر درد نمایاں ہو جائے
وہ روپ نگر ایجاد تو ہو
وہ عکس کبھی آزاد تو ہو
ان جھیل سی گہری آنکھوں میں
اک شام کہیں آباد تو ہو

تحسین اختر: کی ڈائری سے

''بددعا''

وہ اتنا سنگ دل نہیں ہے
کہ میرے بہتے آنسو
میری بھیک مانگتی نگاہیں
اس کے لمس کو میری ترستی باہیں
اس کی طرف میرے بڑھتے قدم
میرے لفظوں کی صورت
ڈھل کر
بولتے ہوئے جذبے
سمجھ نہ پاتا
وہ اتنا انجان نہیں ہے
کہ میری مانگ کا سونا پن
اس کو نظر نہیں آتا
یا شاید
وہ کسی بددعا کے زیر اثر ہے

فرح امین راؤ: کی ڈائری سے ایک نظم

اے باد صبا
اس کے شہر جائے تو
میرے دل کا چپکے سے
اس دل کے شبستانوں میں اتار دینا
میری آنکھوں کے ٹوٹے خواب
اس کی آنکھوں کو بخش دینا
میرے ہونٹوں کی ان کہی باتیں
اس کی سماعتوں میں اتار دینا
بڑی ویران ہے اس دل کی نگری
تو چپکے سے اسے کہہ دینا
اور کہنا کہ
کبھی بھولے سے تو ہمیں یاد کر لینا

عائشہ ملک: کی ڈائری سے ایک غزل

زخم پھر رسنے لگے ہیں جان جاں کہنا اسے
سونا سونا سا لگے سارا جہاں کہنا اسے
ہو گئیں تاریک راہیں ایک جگنو بھی نہیں
مٹ گئے منزل کے سارے ہی نشاں کہنا اسے
دید کی پیاسی نگاہیں ہار کر پتھرا گئیں
اپنے گھر کو لوٹ آئے مہرباں کہنا اسے
چاندنی، خوشبو، بہاریں، پیار کا موسم حسیں
سب تمہارا پوچھتے ہیں جان جاں کہنا اسے
لاکھ کوشش کی چھپایا درد دل کا اے ندیم
حال دل چہرے سے لیکن ہے عیاں کہنا اسے

فریدہ جاوید فری: کی ڈائری سے ایک غزل

سارے شکوے گلے بھلا دوں گی
اس کو دیکھوں گی مسکرا دوں گی
اس سے پہلے کہ ہوا کو زحمت ہو
آپ اپنا دیا بجھا دوں گی
جان لیوا ہے دل کی خاموشی
میں اسے بولنا سکھا دوں گی
جی تو لوں گی ترے بغیر مگر
زندگی کو جواب کیا دوں گی
آنے والے کا دیکھوں گی رستہ
جانے والے کو رستہ دوں گی

نایاب خان: کی ڈائری سے ایک نظم

''سالگرہ''

اک نئے دن کے ابھرتے سورج
تمہیں اپنی انہی کرنوں کی قسم
اس آنے والی رات کی چاندنی
اک وعدہ تم سے بھی لینا ہے
آسماں پر رات کے سے اترتے ستارو
ایک بات تمہیں بھی کہنی ہے
اس بہار بھرے باغ میں
ادھ کھلے گلاب سن لو تم بھی
اس ہوا میں بکھری موتیے کی خوشبو
یہ جانو تم بھی کہ
میرے دوست کی سالگرہ ہے
اسے تم سب، تحفے کی صورت پیغام دیتی ہوں
ہزار برس کی خوشیاں اسے دعا دیتی ہوں

عذرا فردوس: کی ڈائری سے ایک غزل

تیرے ہوتے ہوئے محفل میں جلاتے ہیں چراغ
لوگ کیا سادہ ہیں، سورج کو دکھاتے ہیں چراغ
اپنی محرومی کے احساس سے شرمندہ ہیں
خود نہیں رکھتے تو اوروں کے بجھاتے ہیں چراغ
بستیاں دور ہوئی جاتی ہیں رفتہ رفتہ
دمبدم آنکھوں سے چھپتے چلے جاتے ہیں چراغ
کیا خبر ان کو کہ دامن بھڑک اٹھتے ہیں
جو زمانے کی ہواؤں سے بچاتے ہیں چراغ
گو سیہ بخت ہیں ہم لوگ پہ روشن ہے ضمیر
خود اندھیرے میں ہیں دنیا کو دکھاتے ہیں چراغ

بستیاں چاند ، ستاروں کی بسانے والو
کرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ
ایسے بے درد ہوئے ہم بھی کہ اب گلشن پر
برق گرتی ہے تو زنداں میں جلاتے ہیں چراغ

لبنیٰ مشتاق: کی ڈائری سے ایک نظم
"ہم اس پر کچھ نہیں لکھیں گے"
دل کا تمہارے جو صفحہ ہے
وہ آج جو بالکل سادہ ہے
اس پر بھی تو لکھا تھا ہم نے
اک نام، بھی
پیغام، بھی
اشعار، بھی
سرکار، بھی
وہ صفحہ تم نے دھو ڈالا
وہ صفحہ بالکل خالی ہے
اب دل کے اس صفحے کو
کیوں آگے لا کے رکھتے ہو
کیوں نام، پیغام، اشعار لکھیں
ہم لوگ تو جو سرکار لکھیں
بس اک بار لکھیں

صدف جبیں: کی ڈائری سے
"خواہش"
اے انجانے رستوں سے گزر جانے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہو جانے کی مر جانے کی خواہش تھی
وہ کہتا تھا جیون تیرگی ہے
اور ہمیں اس تیرگی میں
رنگ بھرنے ہیں روشنی کے
اور یہ ہم کو مختصر سے چند لمحے جو میسر ہیں
یہ لمحے ہمیں محبت سے آباد کرتے ہیں
کسی کو دور سے دیکھنا ہے اور کسی سے بات کرنی ہے
جہاں یہ دن گزر جائیں وہیں پہ رات کرنی ہے
وہ کہتا تھا محبت کا کوئی موسم نہیں ہوتا
یہ ہر موسم کا جذبہ ہے جو کبھی کم نہیں ہوتا
ادھوری سی محبت ہے جسے ہمیں تکمیل کرنی ہے
محبت کو نئے ڈھب سے بسر کرنے کی خواہش
اسے شب بھر جگاتی ہے
نہ جانے کون سی چاہت اسے ہر پل رلاتی ہے
شناسا تھا پر ہر ایک سے بہت انجان رہتا تھا
بہت آباد تھا لیکن بہت ویران رہتا تھا
اسے ہر شخص کو حیران کرنے کی خواہش تھی
محبت میں امر ہو جانے کی مر جانے کی خواہش تھی

حنا صدیقی: کی ڈائری سے ایک غزل
جب لوگ ہی جذبوں کی توقیر نہیں کرتے
ہم بھی کوئی دکھ اپنا تحریر نہیں کرتے
موسم اگر اکسائے جب چاہے چلے آتا
ہم رات کو دروازہ زنجیر نہیں کرتے
لکھتے ہیں وہ کچھ جو ہر اک پہ گزری ہے
پریوں کی کہانی ہم تحریر نہیں کرتے
دو گز ہی زمیں سے سب کا جب آخری مسکن ہے
ہم کوئی مکان اپنا تعمیر نہیں کرتے

فریدہ فیض: کی ڈائری سے ایک نظم
"نیا سکھ"
اچھا ہے تم مجھے ملنے نہیں آتے
ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر نسبتاً کم ارتعاش پیدا کرتا ہے
لیکن اس کی کاٹ کبھی بھی بڑے پتھر کم نہیں ہوتی
برف میں لگی
دھندلائی ہوئی نظریں کم چونکتی ہیں
میں نے جب سے تمہاری جدائی کی عادت میں رہنا شروع کیا ہے
بہت سکھ میں ہوں
ہم لوگ نہ تھے ایسے
ہیں جیسے نظر آتے

☆☆☆

◇◇◇◇ عین غین ◇◇◇◇

فوزیہ غزل ----- شیخوپورہ

س: باہر کا موسم اندر کے موسم سے کب ملتا ہے؟
ج: دل کی مراد بھر آنے پر۔
س: اگلے موسم بہار میں بھلا ہم کہاں ہوں گے؟
ج: "ایک شخص کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ دوسرے دن وہ افسوس کرنے والے لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ ایک بات ہے کہ میری وہ لڑکی بڑی اللہ والی تھی بھاگنے سے ایک رات پہلے وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ ابا دو دن بعد ہمارے ہاں ایک شخص کم ہو جائے گا۔" اور اب تم بھی؟
س: ہر شوہر کو بیوی اچھی لگتی ہے مگر دوسرے کی کیوں؟
ج: اسی کو تو کہتے ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر۔

فرح راؤ ----- ساہیوال

س: آپ کو کبھی کسی نے دن میں تارے دکھائے؟
ج: کیوں تمہارا ارادہ ہے۔
س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟
ج: لگیں تو کیا مطلب' ابھی بھی چلتے ہیں یقین نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔
س: نفرت کی زمین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟
ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔
س: کس موسم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے؟
ج: جس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

ام حانی ----- سرگودھا

س: السلام و علیکم! جناب کیا کر رہے ہیں؟
ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔
س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟
ج: محفل والوں سے۔
س: کبھی غصہ آیا؟
ج: بے تکے سوال پڑھ کر۔
س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟
ج: ابھی تو تمہاری بات پر۔
س: زندگی میں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے؟
ج: برا مان جاؤ گی کچھ کہا تو۔
س: کیا دوستی پیار ہے؟
ج: نہیں۔
س: کیا زندگی گزارنے کے لئے لو میرج ضروری ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتیں نہیں سوچتے۔
س: میرے بی اے کے پیپرز ہونے والے ہیں۔ دعا کریں گے۔
ج: کس کے لئے؟ تمہارے لئے یا ممتحن کے لئے۔

رضا فاطمہ ----- ساہوکی

س: آداب عین غین جی کیسے مزاج ہیں؟
ج: اللہ کا شکر ہے۔
س: میرے بغیر کیسا رہا؟
ج: سچ سچ بتائیں۔ برا تو نہیں مانوں گی۔
س: عین غین جی تو مائنڈ بتائیں؟
ج: بہت سکون رہا۔

س: کیا کہہ رہے ہیں ادھر دیکھیں!
ج: دیکھ تو رہا ہوں۔

ملک فیصل اقبال ---- پاکپتن شریف

س: محبت کیا صرف ایک بار ہوتی ہے؟
ج: جی ہاں بعد میں عادت بن جاتی ہے۔
س: مکمل تنہائی کسے اچھی لگتی ہے؟
ج: جسے محبت ہو گئی ہو۔
س: حسن کو چاند کیوں کہتے ہیں؟
ج: اس تک رسائی جو مشکل ہے۔
س: عام طور پر تو شادیاں ہوتی ہیں؟
ج: شادیاں عام طور پر ہی ہوتی ہیں۔
س: محبت کیا ہے؟
ج: کیا تمہیں نہیں معلوم؟
س: روشنی کیا ہے؟
ج: لو یہ بھی بتانا پڑے گا۔
س: محبت میں کامیابی کا راز؟
ج: محبت کیا ہے تمہیں معلوم نہیں اور کامیابی کا راز پوچھنے لگے ہو۔
س: کسی سے پیار ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: علاج اپنے ماں باپ سے۔

علی جعفر ---- پاکپتن شریف

س: میری آنکھوں میں دیکھو؟
ج: تمہیں نیند آرہی ہے۔
س: اپنوں کی جدائی کیوں برداشت نہیں ہوتی؟
ج: ان کی عادت سی جو ہو جاتی ہے۔
س: زندگی میں انسان کی ہار کب ہوتی ہے؟
ج: جب اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہو۔
س: انسان اپنی بے عزتی کب برداشت کر لیتا ہے؟
ج: جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔
س: ایک عورت کے لئے زندگی کا سب سے بھاری بوجھ کون سا ہوتا ہے؟
ج: جب تمہارے جیسے نکمے خاوند کا بوجھ اٹھانا پڑے۔
س: محبت کرنے کے لئے کیا چیز چاہیے؟
ج: دل۔
س: دنیا کی خوبصورت کیا چیز ہے؟
ج: دنیا خود بہت خوبصورت ہے۔
س: زندگی کی اداس راہوں میں؟
ج: خوشیاں بکھیر دو۔

طیبہ روز ---- گکھڑ منڈی

س: آداب عین جی! تو پھر کیا اظہار محبت کا تو کیا ملا؟
ج: روز۔
س: یوں زندگی کی راہ میں ٹکرا گیا کوئی...... اب وہ بیچ راہ میں کہہ رہا ہے ہمیشہ کے لئے "گڈ بائے" اب میں کیا کروں؟
ج: راہ بدل لو۔
س: "گھٹیا" لفظ کا معنی تو لکھ دیں کہ کیا ہے؟
ج: لغت سے استفادہ کر لو۔
س: کیا اپنی محبت کو گھٹیا کہنے والے محبت کر سکتے ہیں کسی سے؟
ج: محبت کبھی گھٹیا نہیں ہوتی۔
س: کیا آپ نے کبھی کسی کی محبت کی توہین کی ہے؟
ج: نہیں۔
س: جب کوئی پیار سے بلائے گا...... تم کو......؟
ج: ایک شخص بہت یاد آئے گا۔

☆☆☆

عبداللہ

پریشانی شادی سے نہیں بلکہ......؟

سوہا علی خان کی سب سے بڑی پہچان سیف علی خان کی بہن ہونا ہے، اداکاری میں تو وہ کوئی خاص جوہر دکھا نہیں پائیں، سو اس نے سوچا شادی کر لی جائے، سیف کی شادی کے ساتھ ساتھ سوہا خان کی شادی کی بازگشت سنائی دے رہی ہے، بظاہر لگتا ہے جس دن کرینہ کپور، باقاعدہ اور قانونی طور پر سیف علی خان کی ہو جائیں گی اسی دن سوہا علی بھی کنال کھیمو کے نام کے ساتھ اپنا نام لکھوا لیں گئیں، جس کے ساتھ ایک عرصے سے سوہا کا افیئر چل رہا ہے، لیکن اندرونی ذرائع کا یہ کہنا ہے کہ سیف علی، سوہا کی شادی کنال سے کرنے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں اور سیف نے سوہا سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر سوہا نے کنال سے شادی کی اس صورت میں اسے باپ کی جائیداد سے دست بردار ہونا پڑے گا، اب یہی وجہ ہے کہ سوہا کہتی دکھائی دے رہی ہیں کہ "مجھے تو شادی کا نام سنتے ہی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے" یقیناً اس گھبراہٹ کے پیچھے بھائی کی وارننگ ہے۔

ایک اور دیوانی سلمان کی

بالی ووڈ کی خوبصورت اداکارہ دیپکا پڈوکی سلمان خان کے ساتھ کام کرنے کی خواہش شدت پکڑتی جا رہی ہے اور وہ سلمان کے ساتھ کام کرنے کے لئے بیتاب ہے، دیپکا پڈوکا کہنا ہے کہ میری شدید ترین خواہش ہے کہ میں سلمان کی فلم "کک" میں مرکزی کردار ادا کروں اسی سلسلے میں وہ آج کل فلم کے ہدایت کار کی بھی

تعریف کرتی پائی جاتی ہے اور جہاں موقع ملتا ہے
وہ فلم ساز ساجد ناڈیا کی تعریفوں کے پل باندھ
رہی ہیں، تاکہ وہ اسے اپنی فلم میں مرکزی کردار
کے لئے منتخب کرلیں۔

دیکھتے ہیں کہ دیپکا کی یہ تعریف اس کے
کام آتی بھی ہے یا نہیں (ویسے ہمارا مشورہ تو
دیپکا کو یہی ہے کہ وہ ساجد کی بجائے سلمان خان
کی خوشامد کرے تو کامیاب بھی رہے گی)۔

وقت انمول ہے یا......؟

دھک دھک گرل مادھوری نے تو فلم
اسکرین پر راج تو کیا ہی اب ٹی وی پر بھی عروج
پر نظر آرہی ہیں اور معاوضہ لینے میں بھی سر
فہرست ہیں، مادھوری کا ٹی وی پر ایک دن کا
معاوضہ چھوٹی اسکرین کی صف اول کی اداکاروں
سے کہیں زیادہ ہے فلمی دنیا میں واپس آنے والی
مادھوری کا فلم سے زیادہ ٹی وی پر استقبال کیا گیا،
وہ اب بالی ووڈ کی ان ایکٹرسز میں شمار ہوتی ہے
جن کا معاوضہ حد سے زیادہ ہے، مادھوری کا ٹی
وی کا ایک دن کا معاوضہ ایک کروڑ ہے اور یہ
ایک کروڑ اس نے ٹی وی پر چلنے والے ایک
رائیلٹی شوز میں جج کے فرائض انجام دینے پر
حاصل کیا، یوں مادھوری نے اس مقولے کو سچ کر
دکھایا کہ......؟ وقت بہت قیمتی ہے۔

حسینہ عالم

بالی ووڈ کی شہزادی کرینہ کپور دنیا کی
پرکشش ترین خاتون کا ٹائٹل حاصل کرنے میں
ہوگئیں کامیاب، خوبصورتی کی بات ہو تو بالی ووڈ
میں اکثر ہی یہ ریس دیکھنے میں آتی ہے کہ کون ہو
گی دنیا کی سب سے پرکشش اور خوبصورت
حسینہ، اس دوڑ میں گزشتہ تین سال سے کترینہ
کیف ہی نظر آرہی تھیں، لیکن اب کی بار کرینہ
کپور کی قسمت کا تالا کھلا، باڈی گارڈ اور راون کے
بعد سو کروڑ کی فلم بنانے والی کرینہ کپور کی
"ہیروئین" ریلیز ہونے سے پہلے ہی کرینہ کی
شہرت دن بدن بڑھتی گئی، ایک انٹرنیشنل میگزین
کے سروے پرکشش خاتون، میں سب سے زیادہ
ووٹ کرینہ کپور کو ہی ملے، مگر بیبو کی خوشی پھر بھی
ادھوری رہی یہ سوچ کر کہ اسے صرف کترینہ کیف
سے ایک فیصد ووٹ زیادہ ملے ہیں۔

باپ ہیرو اور بیٹی؟

ایک انڈین میگزین نے ٹائٹل پر امرتا سنگھ
کی جگہ سارہ خان کی تصویر لگائی، ماں بیٹی کی یہ
تصویر بے حد اچھی تھی اس میں سولہ سالہ سارہ اس
قدر پیاری لگ رہی تھی کہ میگزین کے منظر عام پہ
آتے ہی امرتا کو ایک نہیں دو نہیں بلکہ پانچ
پروڈیوسر نے اپروچ کیا، بیٹی کو اتنی چھوٹی عمر میں
اتنی بہت سی آفرز ملنے سے جہاں امرتا خوش ہے
وہیں پاپا سیف بے حد پریشان ہیں کیونکہ ایک تو
ابھی تک کرینہ سے سیف کی شادی ہیڈنگ پڑی
ہے اور پھر اگر بیٹی سارہ ہیروئین بن گئی تو پھر یقیناً
پاپا کا ہیرو کیریئر ڈگمگانے لگے گا لیکن اس وقت
چھوٹے نواب نے سکھ کا سانس لیا جب امرتا سنگھ
نے تمام پروڈیوسر سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ
ابھی سارہ کو صرف پڑھنا ہے دو سال بعد سوچیں

گے کہ آیا سارہ ماں باپ کی فیلڈ میں آئے گی یا
پھر اپنے لئے کسی نئے راستے کا انتخاب کرے
گی۔

توڑی یہ رسم

سو سالہ بالی ووڈ میں اسی سال تک کپور فیملی
کا راج رہا ہے پرتھوی راج سے لے کر آج تک
ان کے پوتے رنبیر اور کرینہ کپور تک آپہنچا ہے
بولی ووڈ میں کزن زاد، سسٹرز اینڈ برادر کے ساتھ
کام کرنے کا رواج نہیں، مگر اب راج کپور کے
پوتا رنبیر اور پوتی کرینہ یقیناً اس رسم کو توڑنے
والے ہیں اس سلسلے میں پروڈیوسر زویا اختر نے
ایک سٹوری فائنل کی ہے جو بہن بھائی کے گرد
گھومتی ہے اور اس کے لئے رنبیر اور کرینہ آفر کی
گئی کام کی جو دونوں نے ہی قبول کر لی۔

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

تحریم محمود

ڈیپ فرائی مچھلی

اشیاء

مچھلی — ایک کلو (کانٹے کے بغیر)
انڈے — تین عدد
میدہ — ایک کپ
لیموں — ایک عدد
نمک — حسب ذائقہ
رائی — آدھا چمچہ چائے کا
لال مرچ — ایک چمچہ چائے کا
پیاز — ایک عدد
کارن فلور — دو بڑے چمچ
تیل — ایک کپ

ترکیب

انڈوں کو خوب پھینٹ کر اس میں لیموں کا رس نچوڑ لیں اور پھر نمک، لال مرچ اور رائی کا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح حل کریں۔ پیاز کاٹ کر پیس لیں، اسے بھی انڈے کے آمیزے میں شامل کر لیں۔ اب اس میں کارن فلور کے علاوہ میدہ ڈال کر اچھی طرح ملائیں، مچھلی کے ٹکڑوں کو اس آمیزے میں شامل کر کے تین گھنٹے کے لئے رکھ دیں، جس کے بعد فرائی پین میں تل لیں۔ مزیدار ڈیپ فرائی مچھلی تیار ہے۔

آلو بخارے کی چٹنی

اشیاء

آلو بخارے — ایک پاؤ
چینی — حسب ذائقہ
سفید تل — نصف چمچہ کھانے کا
سرخ رنگ — حسب منشا
پانی — ایک پیالی
لیموں کا رس — ایک چمچہ کھانے کا

ترکیب

آلو بخارے دھو کر ایک پیالی گرم پانی میں بھگو دیں۔ جب نرم ہو جائیں تھوڑے سے آلو بخارے والے پانی میں چینی ڈال کر خوب پکائیں۔ آخر میں رنگ، سفید تل اور لیموں ڈالیں اور بوتل میں بھر کر محفوظ کر لیں۔ آلو بخارے کی چٹ پٹی چٹنی تیار ہے۔

خوبانی کا میٹھا

اشیاء

خوبانی — تین اونس
لیموں کا رس — ایک چمچہ کھانے کا
کریم — چھ چمچے کھانے کے
دہی — تین چمچے کھانے کے
شہد — ایک چمچہ کھانے کا

ترکیب

خوبانی کو پانی میں نرم کر لیں گٹھلیاں نکال کر اس میں دہی، شہد اور لیموں ڈال کر بلینڈ کر لیں۔ بلینڈر سے نکال کر پیالیوں میں ڈالیں، ریفریجریٹر میں ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں۔ خوبانی کا ذائقہ دار میٹھا تیار ہے۔

ہاٹ کریمی سلاد

اشیاء

چکن کٹی ہوئی — چوکور چھوٹے ٹکڑوں میں
کریم — دو کپ

مایونیز — چار کپ
مشروم — ایک کپ
دھنیا — ایک گٹھی
آلو کے چپس — ایک کپ (کچلے ہوئے)
پنیر — کدوکش کی ہوئی

ترکیب

دس عدد انڈوں کی زردی اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ اس میں دو کھانے کے چمچ فرنچ مسٹرڈ اور سرکہ ایک کھانے کا چمچہ ملا دیں۔ تھوڑا کھانے کا تیل شامل کریں اور چمچے سے پھینٹتی رہیں۔ مایونیز تیار ہے۔

ایک دیگچی میں کھانے کا ایک چمچہ تیل ڈالیں، ہلکی آنچ میں دو منٹ پکائیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں ایک عدد مرغی کی یخنی ملا دیں اور اس وقت تک پکائیں جب تک گاڑھا نہ ہو جائے۔ اب چولہے سے اتار کر اس میں تازہ کریم دو کپ ڈال دیں۔ کریم آف چکن سوپ تیار ہے۔ اب ایک پیالے میں مرغی کے ٹکڑے کریم آف چکن سوپ، مایونیز، مشروم اور باریک کٹا ہوا دھنیا سب ملا کر یک جان کر دیں۔ ایک بیکنگ ڈش لے کر اس میں آمیزہ پھیلا دیں اوپر سے پنیر چھڑک دیں۔ بیس منٹ تک تیز گرم اوون میں بیک کریں۔ ہاٹ کریمی سلاد کی منفرد ڈش تیار ہے۔

پیپر چکن

اشیاء

مرغی — ایک عدد
ادرک — تین انچ ٹکڑا
ہری مرچ — دس عدد
نمک — ڈیڑھ چمچ چائے کا
کالی مرچ — ایک چمچہ چائے کا
چینی — ایک چمچہ کھانے کا
لیموں کا رس — تین چمچے چائے کے
سویا سوس — تین چمچے کھانے کے
تیل — تین چمچے کھانے کے

ترکیب

مرغی کے درمیانی ٹکڑے کروا کے ایک چمچ نمک لگا کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں، اب انہیں تل لیں۔ ادرک کو باریک پیس لیں۔ اسے بھی تل لیں اس میں مرغی کے ٹکڑے شامل کریں۔ ہری مرچیں باریک کتری ہوئی لیموں کا رس نمک، سیاہ مرچ، چینی اور سویا سوس ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور پھر ایک کپ پانی ڈالیں، تین منٹ کے لئے دم پر رکھ دیں۔ آپ کی مزیدار پیپر چکن تیار ہے۔ سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

زعفرانی شامی کباب

اشیاء

قیمہ — آدھا کلوگرام
ادرک — آدھا انچ کا ٹکڑا
پیاز — ایک عدد
دہی — ایک چوتھائی پیالی
انڈا — ایک عدد
سرکہ — چائے کے دو چمچے
کالی مرچ — چھ عدد
نمک — چائے کا ایک چمچہ
گھی — حسب ضرورت
زعفران — چائے کا آدھا چمچہ

ترکیب

پیاز کے لچھے باریک کاٹ لیں، پھر ایک پتیلی میں گھی کڑکڑائیں اور پیاز کے لچھوں کو بادامی رنگت میں تل کر پتیلی سے نکال لیں۔ ادرک اور کالی مرچوں کو سل پر باریک پیس لیں اور ان میں ملا سرکہ اور نمک شامل کر دیں، پھر اس آمیزے کو قیمے میں ملا دیں۔ اب یہ تمام اشیاء

گھی والی پتیلی میں ڈیڑھ پیالی پانی کے ساتھ ڈال دیں۔ پتیلی چولہے پر رکھ دیں اور چولہے کی آنچ درمیانی رکھیں تاکہ قیمہ گلنے کے ساتھ ساتھ اس کا پانی بھی خشک ہو جائے۔ جب قیمہ کا پانی بالکل خشک ہو جائے تو قیمہ کو زعفران اور تلی ہوئی پیاز کے ساتھ سل پر باریک پیس لیں اور اس میں اچھی طرح دہی ملانے کے بعد کبابوں کی ٹکیاں بنا کر رکھ لیں۔ اب انڈا پھینٹ لیں اور اس میں یہ ٹکیاں ڈبو ڈبو کر ہلکی آنچ پر گہری سرخ رنگت میں تل لیں۔ یہ بہت ہی عمدہ زعفرانی شامی کباب بنیں گے۔

آلو کوفتے کا سالن

اشیاء

آلو	آدھا کلو
چنے کی دال	ایک پاؤ
تیل	آدھا پاؤ
لونگ	چھ عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
بڑی الائچی	تین عدد
جائفل	حسب منشا
سرخ مرچ	ڈیڑھ چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

آلو اور چنے کی دال ابال لیں۔ اس میں تمام مسالا جات پیس کر ملا لیں۔ ساتھ ہی ایک انڈا پھینٹ کر شامل کریں۔ دھنیا، پیاز، ادرک باریک کتر کر ڈالیں کوفتے کی گیندیں بنا لیں ایک علیحدہ دیگچی میں پیاز سنہری کریں۔ اس میں ایک ٹکڑا دار چینی، لونگ اور بڑی الائچی بھی ڈالیں۔ کر بھون لیں تو دہی شامل کریں پھر اتنا شوربہ بنائیں کہ کوفتے جذب کر لیں۔ تین منٹ کے لئے دم پر رکھیں۔ کوفتے مسالے کو چولہے سے اتار لیں، اب اس میں تیار کوفتے ڈالیں، آلو کوفتے کی لذیذ ڈش تیار ہے۔

دال کے کٹلس

اشیاء

مونگ کی دال	ایک کپ
چنے کی دال	ایک کپ
پالک	ایک کپ
لہسن	ایک چمچہ چائے کا
ادرک	ایک چمچہ کھانے کا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب

مونگ اور چنے کی دال صاف کر کے دو گھنٹے کے لئے بھگو دیں۔ اس کے بعد ہلکی آنچ پر ابال لیں اور تھوڑا پانی ڈالیں تاکہ جلدی خشک ہو جائے۔ ان دالوں کو پیس لیں، پالک بھی ابال کر پیس لیں، تینوں چیزوں کو ایک پیالے میں ڈال دیں۔ ساتھ ہی ادرک لہسن بھی پیس کر شامل کر دیں، ہری مرچ بھی پیسٹ کی شکل میں ڈالیں آخر میں نمک شامل کریں۔ اب اس مسالے کو ہاتھ سے اچھی طرح یکجان کر لیں، ان کی ٹکیاں بنا لیں۔ ہلکی آنچ پر تل لیں، مزیدار کٹلس تیار ہیں۔ چائے کے ساتھ مزے سے کھائیں۔

تھٹی فرائی چانپیں

اشیاء

چانپیں	آدھا کلو
لہسن	ایک چمچہ کھانے کا
ادرک	ایک چمچہ کھانے کا
نمک	ایک چمچہ کھانے کا
لیموں کا رس	تین چمچے کھانے کے
زیرہ	ایک چمچہ چائے کا
دہی	آدھی پیالی
تیل	ایک تہائی پیالی

ترکیب

چانپیں دھو کر خشک کر لیں، تمام مسالے لگا کر رات بھر کے لئے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ اس کے بعد انہیں بھاپ دیں۔ بھاپ کے لئے اسٹیمر استعمال کریں یا پھر ایک بڑی دیگچی میں پانی ڈال کر چھلنی سے ڈھک دیں۔ چھلنی کے اوپر چانپیں رکھیں اور مزید ایک ڈھکن رکھ دیں۔ نصف گھنٹے تک بھاپ دینے کے بعد تیل دھیمی آنچ میں گرم کریں اور تمام چانپیں فرائی کر لیں، مزیدار فرائی چانپیں تیار ہیں۔

کچے ٹماٹر کا سالن

اشیاء

ٹماٹر	آدھا کلو
ادرک	ایک چمچہ چائے کا
سرخ مرچ	دو چمچے چائے کے
پیاز	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا خشک	ایک چمچہ چائے کا
ہلدی	نصف چمچہ کھانے کا
تیل	ایک کپ

ترکیب

ٹماٹروں کے درمیان سے ٹکڑے کر دیں، پیاز کو چھیل کر پیس لیں۔ پتیلی میں تیل گرم کر کے اس میں لہسن، ادرک، پسی ہوئی پیاز، نمک، سرخ مرچ، ہلدی اور دھنیا ڈال کر بھونیں، اچھی طرح بھن جائے تو اس میں ٹماٹر ڈال دیں اور تین گلاس پانی شامل کر کے گلنے کے لئے ہلکی آنچ پر چھوڑ دیں۔ ٹماٹر گل جائیں تو یہ سالن ابلے ہوئے چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

مٹکا گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
ادرک، لہسن پسا ہوا	تین چمچے کھانے کے
تیل	آدھی پیالی
ہلدی	چٹکی بھر
دھنیا پاؤڈر	ایک چمچہ کھانے کا
نمک	ایک چمچہ چائے کا
آٹا	نصف پیالی
پیاز	ایک عدد
مرچ	ایک چمچہ کھانے کا

ترکیب

مٹی کی ہانڈی لے کر اس میں تیل ڈالیں اور ادرک، لہسن، سرخ مرچ، نمک، ہلدی، دھنیا اور پیاز ڈال کر خوب بھونیں، حتیٰ کے تیل اوپر آ جائے۔ اب آٹے کا پیسٹ ڈال کر پانی شامل کریں اور ساتھ ہی گوشت بھی ڈالیں۔ پہلے تیز آنچ پر پکائیں پھر ہلکی آنچ پر تیس منٹ پکنے دیں۔ جب دم پر تیار ہو جائے تو گرم روغنی نان کے ساتھ پیش کریں۔

☆☆☆

مبارک باد

ہماری پیاری مصنفہ تحسین اختر کو اللہ تعالیٰ نے ماہ جولائی میں حمادیب کی صورت میں اپنی نعمت سے نوازا ہے ادارہ حنا کی طرف سے تحسین اختر اور ان کی فیملی کو دلی مبارک باد۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم! آپ کے خطوط کے ساتھ حاضر خدمت ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ وطن عزیز کے حالات پر ہر باشعور شہری کا دل اضطراب میں مبتلا ہے، بدامنی، ہوش ربا مہنگائی اس پر بجلی کا بحران اور اس پر المیہ یہ ہے کہ حالات کو سدھارنے کی کہیں بھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی جارہی، حکمران طبقہ، طاقت اور دولت کے نشے میں ڈوبا عوام کے مسائل سے آنکھیں بند کیے دونوں ہاتھوں سے ملکی دولت لوٹنے میں مصروف ہے دنیا بھر میں پٹرولیم مصنوعات میں کمی کی گئی لیکن ہمارے اس پاک وطن میں کمی تو کیا ہوتی اسے اب مہینوں نہیں ہفتوں نہیں بلکہ دنوں کے بعد مہنگا کرنے کا، نہ صرف فیصلہ کیا گیا بلکہ عمل کیا گیا، گیس اور بجلی کے بلوں میں ظالمانہ حد تک اضافہ کیا گیا۔

ان حالات کی ذمہ داری ہمارے حکمرانوں پر ہے جن کے غلط اور خودغرضانہ فیصلوں نے آج پاکستان کو اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے لیکن کہیں نہ کہیں ہم کسی حد تک ہم سب بھی ذمہ دار ہیں، ظلم و زیادتی اور برائی پر خاموشی بھی جرم ہے، یاد رکھیے حالات تب ہی بدلیں گے جب ہم سب مل کر کوشش کریں گے اور تب ہی تبدیلی آئے گی ورنہ تو......؟؟

آیئے ہم سب مل کر آگے بڑھیں صرف اور صرف پاکستانی بن کر پاکستان کے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیں اسی میں ہم سب کی بقاء ہے، آیئے مل کر سچے دل سے توبہ کریں اور یہ دعا کریں اللہ تعالیٰ ہم سب کو بلکہ پوری امت مسلمہ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین، آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں، یہ پہلا خط یاسمین علی کا سکھر سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اُف خدایا اس بار حنا اتنا لیٹ خدا خدا کر کے کہیں چودہ ستمبر کو ملا، ٹائٹل پسند آیا، فہرست پر نظر ڈالی اور انکل سردار کی باتیں دل لگا کر سنیں، ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دل میں اتر گئیں، آگے بڑھے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے فیضیاب ہونے کے بعد انشاء جی سے ہیلو ہائے کی اور ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے اس محفل سے باہر آئے، سلسلے وار ناول فوزیہ جی کا "وہ ستارہ صبح امید کا" بلاشبہ حنا کی زینت ہے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر فوزیہ غزل کو مبارک، اللہ تعالیٰ کرے زور قلم اور زیادہ چلے۔

اُم مریم کا سلسلے وار ناول بھی بہترین ہے مصنفہ بڑی خوبصورتی سے تحریر کو آگے بڑھا رہی ہیں ہر کردار اپنی اپنی جگہ بہترین ہے، ناولٹ میں سندس جبیں "کاسہ دل" لیے ہوئے تھیں ناولٹ کا نہ صرف عنوان خوبصورت تحریر بھی بے حد اچھی ہے، دوسری قسط بھی شاندار رہی اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، افسانوں میں سب سے بہترین نازیہ جہانگیر اور کنول ریاض کا افسانہ تھا، جبکہ "روزہ کشائی" فرحت شوکت کا افسانہ انتہائی بچگانہ سا تھا، فلک ارم ذاکر نے بھی اچھی کوشش کی، مکمل ناول دونوں ہی پسند آئے جبکہ مستقل سلسلوں کی تو کیا ہی بات ہے، ہر سلسلہ چاہے وہ ستاروں کا جہاں ہو، حاصل مطالعہ یا رنگ حنا، اپنی اپنی جگہ پر مکمل اور بہترین جبکہ بیاض اور حنا کی ڈائری سے ساتھیوں کا بہترین ذوق سامنے آیا، دسترخوان بھی حسب عادت مزیدار تھا۔

آپی پلیز آپ کوئی روحانی سلسلہ بھی شروع کریں، اس کے علاوہ مصنفین سے بھی ملاقات کروائیے، پہلی بار شرکت کر رہی ہوں اگر جگہ ملی تو دوبارہ بھی آؤں گی۔

یاسمین علی اس محفل میں خوش آمدید ستمبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں جان کر بے حد خوشی ہوئی آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جارہی ہے، آئندہ بھی ہم آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

شازیہ نعیم: چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔

اس مرتبہ تو کمال ہوگیا، حنا بارہ تاریخ کو مل گیا ورنہ تو پندرہ سے پہلے اس نے شکل نہ دکھانے کی قسم کھا رکھی تھی، ٹائٹل بے حد پسند آیا، اسلامیات میں حمد و نعت، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں معلومات میں اضافہ ہوا۔

انشاء نامہ ہمیشہ کی طرح طنز و مزاح سے بھرپور تھا مکمل ناول "اداس شامیں" بے حد اچھا لگا، مصنفہ کی پلاٹ پر گرفت مضبوط تھی، تمام کرداروں کو صباء نے بخوبی اپنے اپنے مقام پر پہنچایا، جبکہ سحر شیخ کا "محبت زیست فرقت میں" بھی اچھا تھا، لیکن مصنفہ نے ضرورت سے زیادہ طویل کیا ہوا تھا، ناولٹ "کاسہ دل" بے حد خوبصورت تحریر، ناول کا سب سے بہترین کردار شاہ بخت کا ہے اس کو پڑھتے وقت بے حد خوبصورت سراپا سامنے آتا ہے، اس کے علاوہ ایک کردار اسید اور صبا کا ہے، سندس صاحبہ آپ

انہیں بہن بھائی کے طور پر دکھا رہی ہیں، لیکن نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی ہے آگے چل کر آپ اس کو کسی اور بندھن میں باندھے گی، خدارا ایسا مت کیجئے گا۔

افسانوں کی کیا بات ہے ہر افسانہ اچھا تھا خصوصاً کنول ریاض کا افسانہ بے حد پسند آیا اور فرحت شوکت کو کیا ہوا پڑھ کر یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ فرحت کی تحریر ہے۔

مستقل سلسلوں میں بیاض، رنگ حنا، حاصل مطالعہ، میری ڈائری اور حنا کی محفل نے ٹائم گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا، حنا کے دستر خوان کو عفرا طارق سجاتی ہیں ان کی نئی نئی ڈشیں مزہ دے جاتی ہے ہر بار، جبکہ ستاروں کا سلسلہ بھی ہمیں بے حد پسند ہے، آج کل ہمارا کام ہی یہی ہے اس کو پڑھ کر اپنی فیملی اور دوستوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنا۔

حنا کی محفل اور خبرنامہ ہمیشہ جیسا چٹ پٹا اور اب بات ہو جائے، ہماری محفل یعنی کس قیامت کے پیامے، کی آپی آپ ہر خط کا جواب جتنی محبت اور تحمل مزاجی سے دیتی ہیں اس کی کیا بات ہے اتنا پیار اتنا خلوص کہ اگر آپ کوئی ایسی بات بھی کر دیں جو کہ سخت ہو بھی ہمیں برا نہیں لگتا آپ کے لئے میری بہت ساری دعائیں، کیا میں آپ سے فون پر رابطہ کر سکتی ہوں۔

شازیہ نعیم کیسی ہو سویٹ، پہلے یہ بتاؤ کہ تم اتنا عرصہ کہاں غائب رہی حنا کو پسند کرنے کا شکریہ یہ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے آپ سب بہن بھائی اپنی چاہتوں سے ہم سے مخاطب ہوتے ہیں اپنا قیمتی وقت نکالتے ہیں تو جواباً ہماری محبت تو کچھ بھی نہیں، یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے محبت کے نام پر تخلیق کی ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم محبتیں بانٹنے میں بخل سے کام لیں، یہ حنا آپ سب کا اپنا ہے اس کو ہم آپ کی رائے میں سنوارتے ہیں اپنی رائے سے ہمیں نوازتے رہیں ہم آپ کے مشکور ہونگے، آئندہ جلدی جلدی آنا ٹھیک، آپ کی محبتوں کا تہہ دل سے شکریہ۔

فاطمہ شاہ: سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

آپی پلیز کچھ کریں حنا اب بہت لیٹ آنا شروع ہو گیا ہے اس کے کان کھینچئے گا، ستمبر کا شمارہ شروع سے لے کر آخر تک بے حد خوبصورت تھا، دونوں سلسلے وار ناول مصنفین کی بہترین کاوش تھی، خصوصاً اُم مریم کی تحریر بے حد دلچسپ ہے، مکمل ناولوں میں صبا احمد کی تحریر بے حد پسند آئی، جبکہ ناولٹ بھی اچھا ہے سندس جبیں اپنے مخصوص انداز میں لکھ رہی ہیں، کافی عرصہ بعد ان کی ایک اچھی تحریر پڑھنے کو ملی، اس بار مجھے جس تحریر نے ای میل کرنے پر اکسایا وہ تھی نادیہ جہانگیر کی ''ہم اپنے صیاد خود'' نادیہ جی آپ کی تحریر بے حد اچھی تھی یہ ہم سب گھروں کی کہانی ہے اہم امپورٹنٹ چیزیں پسند کرتے ہیں انڈین سٹائل کی کاپی کرتے ہیں چاہے وہ کپڑے ہوں یا لب ولہجہ، لیکن ہم فخر سے اپناتے ہیں اور خود محب وطن پاکستانی کہلاتے ہیں نادیہ آپ نے ہماری دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے، باقی تمام حنا بھی بے حد اچھا تھا ہر سلسلہ اپنی اپنی جگہ بہترین تھا کسی ایک کی تعریف کریں تو ناانصافی ہو گی۔

فاطمہ شاہ حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف نادیہ تک پہنچائی جا رہی ہے ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆